تفسیرِ فاضلی

منزل پنجم

الشُّعَرآءِ — یٰسٓ

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی

۱۴۱۷ھ

فاضِلی فاؤنڈیشن، لاہور

فہرست

ابتدائی کلمات

منزل پنجم میں گیارہ سورتیں ہیں۔ اس منزل میں 856 آیات ہیں۔

(1) سورۃ شعرا 26 میں 227 آیات ہیں۔
(2) سورۃ النمل 27 میں 93 آیات ہیں۔
(3) سورۃ القصص 28 میں 88 آیات ہیں۔
(4) سورۃ العنکبوت 29 میں 69 آیات ہیں۔
(5) سورۃ الروم 30 میں 60 آیات ہیں۔
(6) سورۃ لقمٰن 31 میں 34 آیات ہیں۔
(7) سورۃ السجدہ 32 میں 30 آیات ہیں۔
(8) سورۃ الاحزاب 33 میں 73 آیات ہیں۔
(9) سورۃ سبا 34 میں 54 آیات ہیں۔
(10) سورۃ فاطر 35 میں 45 آیات ہیں۔
(11) سورۃ یٰسٓ 36 میں 83 آیات ہیں۔

یہ منزل انیسویں (19) پارے میں سورۃ شعراء سے شروع ہوتی ہے۔ اور تیسویں (23) پارے کے پہلے ربع میں سورۃ یٰسین کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔

حق، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ جس معیار کے حوالے سے اس کو ماننے کا حکم دیا گیا ہے، وہ معیار ہے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ۔ اس معیار ہدایت سے آگے ایک سلسلہ شاہدین ہے، جو قیامت تک جاری رہے گا۔

انفرادی زندگی کے ہر شعبے میں ہمارے ہاں اچھی مثالیں موجود ہیں، مگر اجتماعی زندگی میں ہم قیادت کا حق ان لوگوں کو نہیں دیتے، جو علم کے اعتبار سے بڑے ہوں، اور مشکل مقامات پر حسن عمل کا نمونہ بن کر دکھائیں۔ قیادت کی اہلیت کو ہم جس پیمانے سے ناپتے ہیں، وہ ہے وسعت مال، اور یہ قطعاً خلافِ حق ہے۔ اب اس پیمانے کو ہمیں ایک طرف رکھ دینا چاہئے۔

اقوام عالم میں ہم ایک بڑی مقروض اور بہت مجبور قوم کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ اس پہچان کو بدلنے کے لئے صحیح سمت میں بڑی سنجیدہ کوشش ہونی چاہئے۔ اللہ کرے، کہ ہمارا انجام عبرتناک نہ ہو۔

ذاتی مفاد کو قوم کے اجتماعی مفاد پر ترجیح دینا بڑی جہالت ہے۔ اس جہالت کے دائرے سے نکلنا اب ہماری قومی سلامتی کا تقاضا ہے۔ ہمارا رخ درست ہو جائے اور ہم یکسوئی سے راہ راست پر رہیں تو ہمیں اس استقامت کا فائدہ پہنچے گا۔ اللہ کا فضل شامل حال ہو، تو حالات بدلتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ اصلاح حال کے لئے دی گئی مہلت لامتناہی نہیں ہوتی، اس مہلت سے فائدہ اٹھانے میں ہی ہماری بھلائی ہے۔

بندگی کا حق بہتر طور پر ادا کرنے میں یہ کتاب آپ کی رہنمائی کرے، آپ کو اس سے نور ہدایت ملے، تو اللہ کے حضور ان سب حضرات کے لئے دعاء خیر کیجئے گا جو کسی بھی صورت میں اس پیشکش سے تعلق رکھتے ہیں۔

رشرف فاضلی

27 ربیع الاول 1417 ھ

سُورَۃُ الشُّعَرَاءِ

آیاتہا ۲۲۷ — رکوعاتہا ۱۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰسٓمّٓ ① — یہ حروف مقطعات ہیں۔

حروف مقطعات پر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی ہے. اس لئے محبین کے لئے یہ خاموشی کا مقام ہے۔

حاصل : بات کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہماری بات حق کے مطابق ہو۔

تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ② — یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔

یہ کتاب قرآن مجید ہے۔ اس کو قرآن مبین بھی فرمایا گیا ہے۔ قرآن پاک کی روشن آیات ہدایت کے طالبین کو ظلمات سے نور کی طرف آنے میں مدد دیتی ہیں۔ ان کی مثل کبھی پیش نہیں کی جا سکی اور کبھی پیش نہیں کی جا سکے گی۔ کتاب مبین کی آیات کا معلم ہونا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے۔ آپ نے اپنے تابعین کو وہ کر کے دکھایا، جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔ کتاب مبین کی آیات کی تعلیم اسی طریقت سے دی جائے گی تو حق ادا ہو گا۔

حاصل : کتاب مبین کی آیات کو اندازے قیافے سے جاننے کی کوشش مفید نہیں ہوتی۔ معلم کتاب مبین، اس عطا کا قاسم ہوتا ہے جو اس پر ہو چکی ہوتی ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ③ — تو کہیں ان کے ایمان نہ لانے پر اپنے اوپر بوجھ نہ ڈال لیجئے۔

حق کو ماننے کا یا نہ ماننے کا اختیار لوگوں کو دیا گیا ہے۔ اس اختیار کے استعمال سے بندوں کے رخ کا تعین ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کو اس کے اختیار کردہ رخ کے مطابق جزا دی جائے گی۔ رحمۃ اللعالمین کی شان دیکھئے، کہ انہیں لوگوں کی بھلائی عزیز ہے، اور لوگوں کے فلاح کی طرف نہ آنے سے انہیں انتہائی دکھ ہوتا ہے۔ ماننے والوں سے بھی آپ کو تعلق ہے، نہ ماننے والوں کی بھی آپ کو پرواہ ہے، مگر اس میں کوئی چھپی یا ظاہر غرض نہیں ہے۔

حاصل : جس کی بھلائی میں خوشی ہو، اس کو خسارے کی طرف جاتے دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔

إِن نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ﴿٤﴾

اگر ہم چاہیں، تو ان پر آسمان سے کوئی نشانی نازل فرمائیں پھر ان کی گردنیں جھک جائیں گی۔

لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دینا، اللہ کی سنت نہیں ہے۔ اس کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ لوگوں کو ایسے مقام پر کھڑا کر دے کہ ایمان لائے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو۔ خطرات میں گھر جانے کا احساس لوگوں کی زبان سے وہ باتیں نکلوا دیتا ہے، جو ایمان والوں کی زبان سے سنی جاتی ہیں۔ وہ خضوع جو مجبوری کے تحت ہو کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ عمل کرنے والے کو یہ پتہ ہونا چاہئے، کہ اس نے اپنے شعور کے ساتھ اپنے لئے راستے کا انتخاب کیا ہے۔ جو حیاتِ دنیا کی زینت کو مقصدِ حیات بنا لے اس کو یہ یقین نہیں ہوتا کہ اشیاء تو سب بنائی ہی اس کے لئے گئی ہیں، وہ تو اشیاء کے لئے نہیں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کو حق کے مطابق تصرف میں لانے والا، حسن عمل کے ساتھ اپنے ایمان کا ثبوت دے رہا ہوتا ہے، یوں گردن جھک جانے تو بڑی قابلِ قدر ہوتی ہے۔

حاصل : حق کو سن کر ماننا فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے خوشی سے گردن کو جھکانا، خضوع کو اختیار کرنا ہے۔ مجبوری کے تحت ایمان لانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ﴿٥﴾

اور انہیں الرحمٰن سے کوئی نصیحت نہیں پہنچتی مگر وہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔

منکرین حق کی صفت بتائی گئی ہے کہ انہیں الرحمٰن کی طرف سے جب بھی نصیحت پہنچتی ہے یہ اس سے منہ پھیرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ اپنی رحمت سے لوگوں کی بھلائی کے لئے نصیحت بھیجتا ہے۔ منکرین حق کو یہ پتہ ہوتا ہے کہ نتائج پر ان کو قدرت حاصل نہیں ہے، مگر وہ اپنی خواہشات کی پیروی سے رک جانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ جو قوم اللہ کی آیات کو جھٹلائے وہ یقیناً اپنے آپ پر ظلم کر رہی ہوتی ہے، اور وہ اپنے کیے ہوئے ظلم کی جزا سے بچ نہیں سکتی۔

حاصل : الرحمٰن کی نصیحت قطعاً بندوں کی بھلائی کے لئے ہوتی ہے۔ نصیحت پہنچانے والا، لوگوں کی بھلائی میں راحت پاتا ہے۔ اور لوگوں کو خسارے کی طرف بڑھتے دیکھ کر دکھ محسوس کرتا ہے۔ منکرین حق، الرحمٰن کی نصیحت سے اعراض کو معمول بنا لیتے ہیں۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞

تو یہ تو تکذیب کر چکے پھر جلد ہی انہیں خبریں آئیں گی جس کے ساتھ یہ استہزاء کرتے تھے۔

حق کو سن کر منہ پھیر لینے والے یہ یاد نہیں رکھتے، کہ اس سے پہلے بھی ظالمین اس انجام کو پہنچتے رہے ہیں۔ جس کو وہ نصیحت کرنے والے پاک لوگوں کی زبان سے سن چکے تھے۔ جو اللہ پہلے مکذبین کو ہلاک کر چکا ہے، وہی قادر مطلق ہے اور اس کی قدرت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ حق کے بعد ہے کیا مگر گمراہی۔ جو حق کو نہ مانے گا، وہ گمراہی سے بچ نہیں سکتا۔ گمراہ لوگوں کی یہ صفت ہے، کہ وہ نصیحت اور ناصح دونوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور اکثریت کی روش کو درست جانتے ہیں۔

حاصل : حق کی تکذیب کرنے والے، ناصح کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جس انجام سے ناصح ان کو آگاہ کر چکا ہوتا ہے، وہ انجام ظالموں کو گھیرے میں لے لیتا ہے اور جس انجام کو وہ ناممکن سمجھ کر اس کا مذاق اڑاتے تھے وہ ناقابل تردید صورت میں ان کا احاطہ کیے ہوئے ہوتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۞

کیا وہ زمین کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں کتنی ہی مفید چیزیں اُگا رکھی ہیں۔

زمین میں جو کچھ بھی اُگتا ہے۔ وہ لوگوں کے استعمال میں بالواسطہ بھی آتا ہے، بلاواسطہ بھی آتا ہے۔ کوئی چیز بے مقصد بھی نہیں ہوتی۔ پھولوں، پھلوں اور اناج کی بہت سی قسمیں ظاہری حسن کے ساتھ اپنی اپنی افادیت بھی رکھتی ہیں۔ افادیت کا علم ہو تو یہ بھی نظر آنا چاہیے کہ جس نے یہ اہتمام کیا ہے، وہ ہماری ضروریات کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔ معبود لاشریک کو عباد سے جو تعلق ہے وہ نظر میں آجائے تو پھر اس کے سامنے سروں کو ادب سے جھکنا چاہیے، اور بے علمی تو قابل فخر نہیں ہوا کرتی۔

حاصل : اللہ نے زمین میں وہ کچھ پیدا کیا ہے، جو انسانی ضروریات کے حوالے سے درکار ہے۔ جس شے کی افادیت تجربے میں آئے اس شے کے پیدا کرنے والے کی شان کو دیکھنا چاہیے۔ قربِ الٰہی کے لئے یہ صورت ہر مقام پر موجود ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے۔ اور وہ اکثر ماننے والے نہیں۔

انسان کے تجربے میں اور مشاہدے میں آنے والی نباتات اپنے اپنے مقام پر بے بدل نعمتیں ہیں۔ مصنوع یقیناً صانع کا پتہ دیتی ہے۔ جس شے کی افادیت علم میں آئے، اس کے پیدا کرنے والے کی طرف دھیان نہ کرنا دانائی کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور

دانائی انسانی صفت ہے۔ جس کی نظر معبود کی طرف اٹھے گی وہ یہ بھی دیکھے گا کہ اس کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر بہت سے لوگ ماضی سے بھی کچھ نہیں سیکھتے، اپنے تجربے اور مشاہدے سے بھی کچھ نہیں سیکھتے۔ وہ اپنی خواہشات کے دائرے سے باہر نکلیں تو ماننے کا مقام آئے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نشانیاں رکھی گئی ہیں، وہ ہر ہر مقام پر پوری ہیں۔ طالب ہدایت ہی ہدایت پاسکتا ہے۔ جو اپنی خواہشات کے دائرے سے باہر نہ نکلے اس پر ماننے کا مقام کب آئے گا۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٩﴾

اور بے شک تمہارا رب عزیز ہے، رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ انہیں اصلاح حال کے لئے مہلت دیتا ہے۔ تضاد سے پاک ہونے کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے وہ بھی عطا کر دیتا ہے۔ اپنی قدرت کی نشانیاں بھی دکھا دیتا ہے۔ بندہ یہ دیکھ سکتا ہے کہ اللہ کے مقابل کبھی کسی قوت کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ ہوا نہیں ہے۔ مشکل مقامات سے پاک لوگوں کو سلامتی سے گزار دینے والا الرحیم بھی ہے۔

حاصل : ہمارے رب کی قدرت کے سامنے کسی کی کوئی مجال نہیں۔ مشکل مقامات سے سلامتی کے ساتھ وہی گزرتے ہیں، جن پر اللہ رحم فرماتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (10) میں ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

اے لوگو! تمہاری بغاوت تمہاری ہی جانوں کے لئے وبال ہے، متاعِ حیات دنیا برت لو، پھر تمہیں ہماری طرف لوٹنا ہے، تو ہم تمہیں بتا دیں گے جو عمل تم کرتے تھے۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾

اور جب تمہارے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ندا دی کہ قوم ظالمین کے پاس جایئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روشن نشانیاں عطا فرمانے کے بعد یہ حکم دیا گیا، کہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جایئے، ان لوگوں نے سرکشی کی ہے۔ خلافِ حق کرنے والے لوگ ظالم ہوتے ہیں اور ظلم جب کسی قوم کے تعارف کا حصہ بن جائے تو پھر اس قوم کو فوراً مٹا نہیں دیا جاتا۔ ان پر حق کو واضح کیا جاتا ہے، ان کو ان کے انجام سے آگاہ کیا جاتا ہے اور حجت پوری کی جاتی ہے۔ اللہ اپنے مقبول بندوں کے ذریعے ظالم لوگوں کو پیغام حق پہنچاتا ہے۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والوں کے پاس اس کو بھیجنا چاہئے جس کی پاکیزگی سند کا درجہ رکھتی ہو، جس کا علم سند کا درجہ رکھتا ہو۔

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪ قومِ فرعون۔ تو کیا وہ ڈرتے نہیں۔

علم الٰہی رکھنے والے ہی اللہ سے ڈرانے کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ قوم فرعون کے پاس بظاہر وہ سب کچھ تھا جو دنیاوی شان و شوکت کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے، مگر وہ قوم تباہی کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ جزا سے بے پرواہی کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتی۔ غفلت کے دائرے سے نکلنے کی طلب ہو اور عمل کے لئے دی گئی مہلت موجود ہو تو فلاح نصیب ہوتی ہے۔

حاصل : ظالم لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرانا پاک لوگوں کی صفت ہے، اور یہ بڑے علم کا کام ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۭ⑫ عرض کی، اے رب میرے، مجھے خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمان الٰہی کو سن کر یہ گزارش پیش کی، کہ قوم فرعون خلاف حق کرنے کو اپنا معمول بنا چکی ہے، جب میں انہیں ان کے انجام سے ڈراؤں گا تو وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ ہدایت کے طالب پیغام حق پہنچانے والے کی قدر کرتے ہیں، غفلت میں پڑے ہوئے لوگ حق کو سن کر مذاق اڑانے لگتے ہیں۔

حاصل : اپنے احساس کو علیم مطلق کے سامنے بیان کرنا، تائید ایزدی کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔

وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ⑬ اور مجھے صدری تنگی ہوتی ہے، اور میری زبان نطق نہیں کرتی تو ہارون (علیہ السلام) کو بھی بھیجئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑی راحت پائی تھی۔ جب قوم ظالمین کے پاس جانے کا حکم ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا حال بیان کرتے ہوئے شرح صدر کے لئے دعا کی، کار رسالت کے آسان بنائے جانے کے لئے دعا کی، زبان کے عقدے کے حل کیے جانے کی دعا کی کہ بات سمجھانے کی مزید صلاحیت عطا کی جائے اور کار رسالت میں حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھی بنا دیا جائے۔

دونوں حضرات کو فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا اور اپنے تعارف میں یہ کہنے کا حکم ہوا کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔ فرعون کو رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ تھا، اور ان حضرات نے اپنے تعارف میں رب العالمین کی طرف سے بھیجے جانے کا ذکر کرنا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرعون سے یہ بھی کہا، کہ ہم دونوں آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس طرح اس کو اپنا مقام پہچاننے میں مدد دی گئی۔

حاصل : تائید ایزدی کے یقین سے جو کچھ کہا جا سکتا ہے اس کی شان دیکھئے، کہ جس کو ربّ اعلیٰ ہونے کا دعویٰ ہے، اس کو عرفان ذات کی طرف آنے میں مدد دی جا رہی ہے۔

أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿١٧﴾ — کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی رسالت کے ذکر کے بعد فرعون سے یہ مطالبہ کیا، کہ بنی اسرائیل کو دکھ دینے کا سلسلہ بند کیا جائے اور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیا جائے۔ ان کی آزادی کا مطالبہ کرنے کا حق ہمیں کس طرح ہے، اس کی روشن نشانی آپ کے پاس پہنچ چکی ہے۔

حاصل : ظالم کو یہ ترغیب دینا کہ وہ مظلوم کو چھوڑ دے، انتہائی جرأت کا مقام ہے۔ مظلوم اپنے لئے کلمہ خیر سن لے تو ظلم کو روک دینے کے لئے کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾ — کہنے لگا، کیا ہم نے تمہیں بچپن میں نہ پالا، اور تم اپنی عمر کے کئی برس ہم میں رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرعون نے یہ کہا، کہ کیا تم وہی نہیں ہو، جس کو بچپن میں ہم پالتے رہے ہیں اور تم وہی نہیں ہو جس نے کئی برس ہماری میزبانی سے لطف حاصل کیا ہے۔ ظالم کو جب اپنی حیثیت خطرے میں نظر آئے تو وہ کلمہ حق کہنے والے کے اندر تضاد ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات قطعاً حق تھی، اس لئے ان کو ان کا ماضی یاد دلانا فرعون کی کمزوری کا ہی ثبوت تھا۔

حاصل : کسی پر اپنی مہربانی اور شفقت کا ذکر کر کے اسے مظلوم کی مدد کرنے سے روکنے کی کوشش کرنا، فرعونی صفت ہے۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ — اور تم نے وہ فعل کیا جو کیا، اور تم ناشکروں میں سے ہو۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ واقعہ یاد دلایا جس میں قبطی آپ کے ہاتھوں مر گیا تھا، اور کہا وہ ایسی بات نہ تھی

جس کو بھلایا جاسکتا تھا، مگر تم ہمارے ہاں پرورش پاتے رہے تھے، ہم نے تمہیں سزا نہیں دی۔ ہمارا عمل دیکھو اور اپنا عمل دیکھو کہ تم ہم سے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کر رہے ہو۔ ناشکرے لوگ ہی ایسے کرتے ہیں جیسے تم کر رہے ہو۔

حاصل : ظالم اپنے خلاف آنے والے انقلاب کو دیکھ کر اس کے قائد پر اپنے احسانات کا ذکر کرتا ہے اور شکر گزاری کی توقع کرتا ہے، اور یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی حرکات سے اس کا رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہو رہا ہے۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّأَنَا۠ مِنَ الضَّآلِّينَ ﴿٢٠﴾

فرمایا وہ فعل تو مجھ سے سرزد ہوا تھا، اور تب میں تھا انجان۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کے مارے جانے والے واقعہ میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہا، کہ وہ فعل تو مجھ سے سرزد ہوا تھا مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب میں انجان تھا۔ ظالم کو ظلم سے روکنے کی نیت کے ساتھ مظلوم کی مدد کر رہا تھا مگر ظالم کی قوت برداشت کو ملحوظ رکھنے میں مجھ سے کوتاہی ہو گئی تھی۔ یوں ارادہ تو اس کو جان سے مار دینے کا نہیں تھا، مگر وہ ہو گیا جو ہو گیا۔

حاصل : قصور ہوا ہو تو اس کا اقرار کرنا چاہئے، اور نیتاً وہ نہ کیا ہو جو ہو گیا ہو تو ماضی کے حوالے سے اپنے انجان پن کا اعتراف کرنا چاہئے۔

فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِى رَبِّى حُكْمًا وَجَعَلَنِى مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾

تو میں تمہارے ہاں سے خائف ہو کر فرار ہوا، پھر میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے مرسلین سے ٹھہرایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ماضی پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ کہا: کہ ایک ناصح نے مجھے نصیحت کی کہ میں یہاں سے چلا جاؤں کہ دربار والے میرے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں، تو میں یہاں سے چلا گیا۔ خوف کی کیفیت مجھ پر تھی، پھر میرے رب نے مجھے اس کیفیت سے نکالا۔ اس نے مجھے حکم عطا فرمایا اور حق کو پہنچانے کا مرتبہ عطا فرمایا، اور اب میں اس کے رسول کی حیثیت سے آپ کے پاس آیا ہوں۔

حاصل : ماضی اور حال کے اس فرق کو واضح کرنا جو اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہو، اظہار حق میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ فرعون سے اپنے رب کا تعارف کراتے ہوئے تین صفات کا ذکر کیا گیا: خوف کو دور کرنے والا، حکم عطا فرمانے والا اور رسول بنا کر بھیجنے والا۔ یہ تینوں مقامات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال تھے۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿٢٢﴾

اور یہ کیا نعمت ہے جس کا آپ احسان جتا رہے ہیں، کہ آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا کر رکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے احسانات کی حقیقت کو کھولتے ہوئے یہ فرمایا، کہ وہ حالات جن میں آپ نے مجھے بچپن میں پالا اور مجھے آپ کے ہاں کئی برس رہنا نصیب ہوا آپ کے علم میں ہیں۔ بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرنا، ان کی عورتوں کو زندہ رکھنا اور بنی اسرائیل کو غلام بنا کر رکھنا یہ آپ کا طریق زندگی تھا۔ انہی حالات میں اللہ نے مجھے آپ کے پاس رکھا، یہ اس کی مشیت تھی۔ آپ جو احسانات جتا رہے ہیں ان کی حقیقت کو دیکھ لیجئے۔

حاصل : ظالم کے بیان کردہ احسان کی حقیقت اس پر واضح کرنی چاہئے۔ ظالم کا منشاء کبھی بھلائی نہیں ہوتا۔ جو کچھ ظاہر کیا جاتا ہے حقیقت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿٢٣﴾

فرعون نے کہا، ربّ العالمین کون ہے۔

فرعون جابر حاکم ہونے کی وجہ سے بات بڑی احتیاط سے کرتا تھا، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اس کی بات بن نہیں رہی تھی۔ اب اس نے کہا، کہ آپ نے ربّ العالمین کا رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے، رسول تو ہمارے سامنے ہے ربّ العالمین کا بھی پتہ چلے وہ کون ہے۔ فرعون نے اس بات سے اپنے ربّ اعلیٰ ہونے کے دعوے کو بھی باطل کر دیا۔ اس مذاق نے وہ سب کچھ روشن کر دیا، جس کو وہ چھپانا چاہتا تھا۔

حاصل : جس کا دعویٰ خلافِ حق ہو، اس کے اپنے قول سے ہی اس کے دعوے کی نفی ہو جاتی ہے۔ دھیان سے سننے والا جلد ہی اس کے تضاد کو اپنے سامنے پاتا ہے۔

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ ﴿٢٤﴾

فرمایا جو ربّ ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے، اگر آپ کو یقین ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھیجنے والے کا تعارف کراتے ہوئے یہ فرمایا: ربّ العالمین وہ ہے جس کی ربوبیت آسمانوں میں تسلیم کی جاتی ہے۔ کبھی کسی کو یہ مجال ہی نہیں ہوئی کہ اس نے اللہ کے مقابل آسمانوں کے ربّ ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ وہی زمین کا رب ہے۔ لوازمات پرورش کا کلی علم، اللہ ہی کو ہے، اور آسمانوں اور زمین کے مابین جو کچھ بھی ہے سب کی پرورش اللہ کے علم سے ہو رہی ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اور ان کے مابین ربوبیت ہر مقام پر اس طرح ہو رہی ہے کہ یہ اللہ

کے ایک ہونے کا ثبوت ہے، اور لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ ہر شے کا مقصد تخلیق اس نے متعین کیا ہے۔ ہر تخلیق کو اس کے منشاء کے مطابق لوازمات اسی نے عطا کئے ہیں۔ اشیاء کے مابین ربط اسی نے قائم کیا ہے۔ جو اپنی حیثیت پر نظر رکھتا ہو، وہ پالنے کے عمل کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب پرورش ہو رہی ہے تو پرورش کرنے والے کا یقین کرنا بھی ضروری ہے۔ کائنات میں ربوبیت ایک ہی علم سے ہو رہی ہے، یہ یقین ہو تو پھر رب العالمین کا پتہ لگتا ہے۔

حاصل : آسمانوں میں، زمین میں اور ان کے مابین ہر مقام پر ربوبیت اللہ کے علم سے ہو رہی ہے۔ ہماری جسمانی ضروریات کس حد تک ہمارے علم میں ہوتی ہیں اور ہم انہیں پورا کرنے کی کتنی قدرت رکھتے ہیں، پیدائش کی ابتدا سے لے کر موت تک جن مدارج کا انسان کو علم ہے لوازمات ربوبیت کا اہتمام ہر ہر درجے میں اللہ کے علم سے ہی ہوتا ہے۔ ربِ العالمین کی بندگی کی جائے تو شکریے کا حق ادا ہوتا ہے۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ اپنے اردگرد لوگوں سے کہنے لگا، کیا تم سن نہیں رہے۔

فرعون کو اپنے درباریوں سے یہ توقع تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس بیان پر جو وہ رب العالمین کے بارے میں دے رہے تھے، اعتراض کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارا رب اعلیٰ تو فرعون ہے۔ ان کی طرف سے خاموشی کو دیکھ کر فرعون نے یہ کہا کہ کیا تم لوگ سن نہیں رہے ہو۔

حاصل : فرعون یہی چاہتا ہے کہ اس کے ساتھی حق کے مقابل اس کی پڑھائی ہوئی بات کرتے چلے جائیں۔

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ فرمایا جو رب ہے تمہارا اور رب ہے تمہارے اولین آباء کا۔

رب العالمین کے تعارف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: تمہارا ربّ بھی وہی رب العالمین ہے۔ تمہاری پرورش تمہارے علم سے نہیں ہو رہی ہے۔ اور جن کی تم اولاد ہو ان کا ربّ بھی یہی ربّ العالمین ہے۔ پرورش کے لوازمات کو اس کے سوا کوئی جاننے والا ہی نہیں۔ وہی ہر ایک کو پالتا ہے، اور علم سے پالتا ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل میں پالنے والا، ربّ العالمین ہی ہے۔ دوسرا کوئی یہ دعویٰ کرے تو اس کی بات قطعاً خلاف حق ہو گی۔

حاصل : فرعون اور اس کے درباریوں کو یہ کہنا کہ تمہارا رب بھی ربّ العالمین ہے اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب بھی وہی رب العالمین ہے، بہت بڑی جرأت تھی۔ اللہ کے ساتھ سے ہی

اس مقام پر کھڑے رہنا ممکن ہوتا ہے۔

قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾

کہنے لگا، تمہارے یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، یقیناً مجنون ہیں۔

فرعون نے اپنے درباریوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ان درباریوں سے یہ کہا، کہ یہ صاحب جو تمہاری طرف ربّ العالمین کے رسول ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں، یقیناً ان کی عقل درست نہیں ہے۔ یہ ہماری شان و شوکت کو ہماری جاہ و حشمت کو کوئی وقعت ہی نہیں دے رہے، اور ربّ العالمین کے بارے میں بڑی بڑی باتیں کرتے جا رہے ہیں۔ فرعون کے نزدیک تقاضاء عقل یہ تھا کہ اس کے سامنے کوئی کلمہ ایسا نہ کہا جاتا، جس سے اس کے ربّ اعلیٰ ہونے کا دعویٰ بے معنی ہو جاتا۔

حاصل : جرأت کے ساتھ اظہارِ حق کرنے والوں کو فرعون صفت لوگ مجنون کہا کرتے ہیں۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾

فرمایا جو ربّ ہے مشرق و مغرب کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے، اگر تمہیں عقل ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ربّ العالمین کے تعارف میں یہ فرمایا: مجھے بھیجنے والا ہی مشرق کا ربّ ہے، مجھے بھیجنے والا ہی مغرب کا ربّ ہے، اور مجھے بھیجنے والا ہی مشرق و مغرب کے مابین تمام مقامات پر ربّ ہے۔ جہاں حیات ہے، وہاں ربوبیت کے بغیر حیات کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا۔ نظام کائنات کی شان ربّ العالمین کی قدرت کا پتہ دے رہی ہے، اور عقل کی موجودگی کا ثبوت اسی طرح ملتا ہے کہ ربّ العالمین کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھ لیا جائے۔ کسی کو بغیر سند کے مجنون کہہ دینا عقل مندی نہیں ہے۔

حاصل : سامعین کو عقل کرنے کی ترغیب دینا، استدلال کے آخر میں ہونا چاہئے۔ عقل مندی یہ ہے کہ اپنے ربّ کو پہچانا جائے۔ ہمارا ربّ ہی تو ربّ العالمین ہے۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾

کہنے لگا، اگر آپ نے میرے سوا کوئی معبود ٹھہرایا تو ضرور آپ کو قید کر دوں گا۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ربّ العالمین کے بارے میں جو کچھ بھی سنا، وہ اس کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ اس کو مان لینا بھی اسے پسند نہ تھا۔ اب اس نے اپنے اختیار کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا، کہ اگر تم نے میرے سوا کوئی معبود ٹھہرایا، تو پھر تمہاری سزا یہ ہوگی کہ تمہیں قید کر دیا جائے گا۔

حاصل : حق کے مقابل اپنے عجز کو تسلیم کر لیا جائے تو فلاح کا رخ مل جاتا ہے، ورنہ حق بیان کرنے والے کو خوف میں مبتلا کرنے کی کوشش شروع کر دی جاتی ہے۔ نہیں سے خسارے کی ابتدا ہو جاتی ہے۔

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ فرمایا، اگرچہ میں آپ کے پاس روشن سند لے کر آیا ہوں۔

فرعون کا یہ اعلان سن کر کہ اگر میرے علاوہ کسی کو معبود ٹھہراؤ گے تو قید کر دیئے جاؤ گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں آپ کو رب العالمین کا رسول ہونے کی روشن سند دکھا دوں، کیا پھر بھی آپ کا فیصلہ یہی رہے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ آپ کو اللہ کا ساتھ حاصل ہے اس لئے آپ نہایت باوقار بات کر رہے تھے۔ فرعون کا جاہ و جلال آپ کو مرعوب نہیں کر سکتا تھا۔ آپ اس کی قدرت کو بھی جانتے تھے، اس کے علم کو بھی جانتے تھے۔

حاصل : حق کو جھٹلانے والا اگر اپنے اختیار کی بات کرنے لگے، تو اسے اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنے کی ترغیب دینی چاہئے۔

قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ کہنے لگا، تو اسے پیش کیجئے اگر آپ سچے ہیں۔

فرعون اس سے قبل یہ کہہ چکا تھا کہ میرے علاوہ آپ نے کسی کو معبود ٹھہرایا تو قید کی سزا دی جائے گی، اب یہی فرعون اسی زبان سے یہ کہہ رہا ہے، کہ آپ کے پاس رب العالمین کا رسول ہونے کی کوئی سند ہے تو لایئے۔ فرعون کا یہ کہنا بھی اس کے دعوے کی نفی کرتا ہے۔ اگر فرعون کا دعویٰ حق کے مطابق تھا، تو وہ اس دعوے کو جھٹلانے والے کے پاس صداقت کی سند کیوں دیکھنا چاہتا تھا۔

حاصل : جس کی بات خلاف حق ہو، اس کے اندر تضاد موجود ہوتا ہے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ تو آپ نے اپنا عصا ڈال دیا، جبھی وہ صریح اژدہا بن گیا۔

رب العالمین کا رسول ہونے کا ثبوت پیش کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ اس وقت بڑا اژدہا بن گیا۔ یہ سب کچھ فرعون کے سامنے ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا ثبوت دیکھ لینے کے بعد فرعون کے اندر وہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی، جو ہدایت کے طالب میں واقع ہوتی ہے۔

حاصل : معجزہ طلب کرنے والا، اللہ کی قدرت کو دیکھتا بہت قریب سے ہے. طلب ہدایت نہ ہو تو رخ درست نہیں ہوتا۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اور اپنا ہاتھ نکالا تو جبھی وہ ناظرین کے لئے جگمگانے لگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العالمین کا رسول ہونے کے دعوے کو سچا ثابت کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بغل کے ساتھ ملا کر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے جگمگانے لگا۔ فرعون یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور وہ اس کی وضاحت سے عاجز تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العالمین کا رسول ہونے کی ایسی اسناد پیش کی تھیں، کہ اب فرعون رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔

حاصل : جس ہاتھ کو اللہ کی تائید حاصل ہو. وہ پاک ہوتا ہے، امین ہوتا ہے اور معاملہ کرنے والوں کو باعث سلامتی نظر آتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (35) میں ارشاد فرمایا ہے۔
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ
وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفے ٹھہرایا۔ تو جو کفر کرے تو اس کا کفر اسی پر ہے۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اپنے ماحول کے سرداروں سے کہنے لگا، بے شک یہ علم والا ساحر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صداقت کی نشانی طلب کرنے والوں کو اپنے مشاہدے کے بعد اس کے بارے میں بات کرنی چاہئے تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کرنی چاہئے تھی، کہ ہم آپ کی صداقت کو مان گئے ہیں یا ہم آپ کی صداقت کو نہیں مانتے۔ مگر فرعون نے اپنے اردگرد سرداروں سے یہ کہا، کہ جو کچھ ہم نے دیکھا ہے میں اس سے یہی نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ یہ صاحب جادوگر ہیں اور جادو کا بڑا علم رکھتے ہیں۔

حاصل : حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی صداقت کی نشانی طلب کرتے وقت، فرعون سنجیدگی کے اس مقام پر نہیں تھا کہ اسے صحیح نتیجے پر پہنچنے کی طلب ہو۔ اس لئے آپ کی صداقت کی اسناد کو دیکھ کر اس نے آپ کو علم والا جادوگر کہہ کر درباری سرداروں میں اپنا بھرم قائم رکھا۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ اس کا ارادہ یہ ہے کہ اپنے سحر کے زور

فَمَاذَا تَأْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ سے تمہیں تمہارے دیس سے نکال دے، تو اس سلسلے میں تمہارا امر کیا ہے۔

اب فرعون پر خوف کی ایسی کیفیت ہے، کہ اس کو اپنے رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ بھی یاد نہیں، اور وہ اپنے درباریوں سے یہ کہتا ہے: یہ صاحب جو رب العالمین کے رسول ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں، بڑے علم والے جادوگر ہیں۔ ارادہ ان کا یہی ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک پر قبضہ کر لیں اور تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں۔ تو اب تم بتاؤ کہ اس سلسلے میں تمہارا حکم کیا ہے۔

حاصل : فرعون صفت لوگ اپنے ساتھیوں کو یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مفادات کا تحفظ چاہتے ہو تو اسی مقام پر رہو، اب تمہارا مشورہ ہمارے لئے امر کا درجہ رکھتا ہے۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ کہنے لگے، انہیں اور ان کے بھائی کو ٹھہرا لیجئے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دیجئے۔

سرداران قوم نے فرعون سے یہ کہا، کہ اس سلسلے میں ہمارا مشورہ یہ ہے کہ ان صاحب کو اور ان کے بھائی کو ٹھہرا لیا جائے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دیا جائے۔ اس جادو کا مقابلہ کرنے کے لئے جو کچھ ہمارے بس میں ہے وہ ضرور کیا جائے۔ اس سلسلے میں شہروں میں بکھری ہوئی مہارت کو یک جا کرنا ضروری ہے، اور اس کے لئے ہمارے پاس ذرائع موجود ہیں۔

حاصل : سردار کو راضی رکھنے کا رخ ہو تو اس کو دیا گیا مشورہ اس کی پسند کے حوالے سے ہی ہوتا ہے۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾ کہ وہ ہر بڑے علم والے جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔

درباریوں نے فرعون کی سوچ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے یہ مشورہ دیا کہ ان جادوگروں کا مقابلہ اس علم کے ماہرین سے ہونا چاہئے۔ آپ جادو کے ماہر لوگوں کو اکٹھا کر لیں گے تو مقابلے کی جگہ، وقت اور دن کا تعین کر لیا جائے گا۔ اس مقابلے میں ہر کام پوری احتیاط کے ساتھ ہونا چاہئے۔

حاصل : منکرینِ حق جب بھی حق سے مقابلے کا فیصلہ کرتے ہیں تو ہر کام میں پوری احتیاط

برتتے ہیں۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾

تو معلوم دن کے مقرر وعدے پر جادوگر جمع کیے گئے۔

فرعون نے اس یقین کے بعد کہ وہ مقابلے کے لئے بڑا بندوبست کر چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ طرفین مقابلے کے متعلق وعدے کا احترام کریں گے۔ اور جگہ بھی ہموار ہوگی۔ یہ طے ہوگیا کہ مقابلے کا دن، یوم زینت ہوگا اور وقت چاشت کا ہوگا۔ فرعون کی طرف سے اس وعدے کے مطابق جادوگروں کو جمع کر لیا گیا۔

حاصل : منکرینِ حق کی طرف سے حق سے مقابلے کا وقت اور مقام طے کیا جارہا ہو، تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ مقابلے کے لئے ہر ممکن تیاری کر چکے ہیں۔

وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾

اور لوگوں سے کہا گیا، کہ تم بھی مجتمع ہو گے۔

علم والے جادوگروں کو اکٹھا کر لینے کے بعد فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ان ناظرین کی ضرورت تھی، جو اس مقابلے کو دیکھیں۔ جس قدر ناظرین زیادہ ہوں گے، اسی قدر ان کی رائے بڑی ہوگی۔ اس لئے اپنے اپنے کاموں کو ایک وقت کے لئے چھوڑ کر بھی اس مقابلے کو دیکھنے کی ترغیب حکومت وقت کی طرف سے دی جارہی تھی۔

حاصل : مقابلے کا اہتمام کرنے کے بعد، لوگوں کا بڑا اجتماع بھی فرعون کی ضرورت تھی کہ لوگ فرعون کے اکٹھے کیے ہوئے جادوگروں کے غلبے کی آرزو رکھتے ہوئے اس مقابلے کو دیکھیں گے تو فرعون کو خوشی ہوگی۔

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾

کہ ہم ان ساحروں کا اتباع کریں، اگر وہ غالب رہیں۔

وہی فرعون جو رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کیا کرتا تھا، اب جادوگروں کی پیروی کرنے کو تیار ہے۔ پیروی کے لئے شرط یہ ہے کہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر علم سحر سے اپنی برتری ثابت کر دیں۔ فرعون کو پسند صرف یہی ہے کہ اس کے اکٹھے کیے ہوئے جادوگر غالب رہیں اور مقابلے میں میدان ان کے ہاتھ رہے، صرف اسی صورت میں وہ اپنی روش بدلنے کے لئے تیار ہے۔

حاصل : جس مقابلے کا منشاء حق کے حوالے سے صحیح نتیجے پر پہنچنا نہ ہو، وہ مقابلہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کے لئے ہوتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾

پھر جب ساحر آئے، تو فرعون سے کہنے لگے، کیا ہمیں کچھ اجر ملے گا اگر ہم غالب ہوئے۔

جادوگروں کو فرعون کی طرف سے یہ بتا دیا گیا تھا کہ ایک بہت بڑے جادوگر سے انہیں مقابلہ کرنا ہے، اس لئے صرف بڑے علم والے جادوگر ہی مقابلے میں اتریں۔ جادوگروں نے یہ دیکھا کہ حکومت وقت انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہی ہے، مگر یہ نہیں بتایا جارہا کہ اجر بھی دیا جائے گا یا نہیں، تو انہوں نے آپس میں بات کرنے کے بعد اجتماعی درخواست پیش کرتے ہوئے فرعون سے یہ کہا: کہ اگر ہم غالب ہوئے تو کچھ اجر ملنے کی امید رکھیں۔

حاصل : ساحر یہ جانتے ہیں کہ اجر کی بات کرنے کا موقع مقابلے سے پہلے موزوں ہے، اور اگر انہیں غلبہ حاصل ہوا تو اجر طلب کیا جائے گا۔

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

کہنے لگا، ہاں تب تم مقربین سے ہو جاؤ گے۔

فرعون نے جادوگروں کے برمحل مطالبے کو سنا اور انہیں اطمینان دلایا کہ اجر تو ان کے غالب ہونے سے مشروط ہے ہی، بڑی نوازش یہ ہوگی کہ پھر وہ بادشاہ کے مقربین میں شمار ہوں گے، اور اس درجے پر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ پھر کبھی اجر کا سوال کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

حاصل : فرعون جس اجر کا وعدہ کرتا ہے وہ اجر کا مطالبہ کرنے والوں کو راضی کر دیتا ہے، پھر وہ اس اجر کے حصول کے لئے انتہائی کوشش کرتے ہیں۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾

موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا، تو ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔

جب فرعون نے اپنے داؤ جمع کر لئے اور مقابلے کا دن آیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خلاف حق کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا، اور ان پر واضح کیا کہ اللہ پر افتریٰ باندھنے والے لوگوں کو عذاب الٰہی تباہ کر کے رکھ دیتا ہے اور اللہ پر افتریٰ باندھنے والے ہمیشہ نامراد ہوتے ہیں۔ آپ کا یہ فرمان سن کر لوگوں کی رائے بٹ گئی پھر انہوں نے چھپ کر مشورہ کیا تو

سرداروں نے اسی بات پر زور دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی جادوگر ہیں۔ اور یہ یہاں موجودہ نظام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ طے یہی ہوا کہ اپنے داؤ جمع کرلو اور صف باندھ کر مقابلے پر آؤ۔ اس وقت جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ آپ ڈالتے ہیں یا ہم ڈالیں۔ آپ نے فرمایا، تم ڈالو جو ڈالنے والے ہو۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے مقابلے کے وقت چاہتے یہی ہیں کہ انہیں پہلے کرتب دکھانے کا موقع ملے۔ حق پہنچانے والوں کی طرف سے انہیں اجازت دے دی جاتی ہے۔

فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾

تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں، اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم بے شک ہم ہی غالب ہیں۔

فرعون کے لئے تو یہ مسئلہ ہی عزت کا تھا، اس لئے جادوگروں نے اس کی عزت کی قسم کھائی۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک کے بارے میں سن چکے تھے، کہ وہ سانپ بن جاتا ہے، اس لئے انہوں نے اسی حوالے سے رسیاں اور لاٹھیاں جمع کر کے ڈالیں، اور عظیم جادو لائے۔ لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ جادوگروں نے میدان میں سانپوں کے ڈھیر لگا دیئے، تو جادوگروں کو اپنے غالب ہونے کا گمان ہونے لگا اور ناظرین کی خوشی کو دیکھتے ہوئے جادوگروں نے یہ کہا: یقیناً ہم ہی غالب ہیں۔ اس غلبے سے جادوگروں کو دو طرح کے انعامات کی توقع تھی، ایک وقتی انعام و اکرام اور ایک دائمی انعام جو قرب شاہی کی صورت میں ملنا تھا۔

حاصل : خلاف حق کرنے والے اسباب سے آگے تو دیکھتے ہی نہیں، اس لئے اسباب کے جمع کرنے میں پورا زور لگاتے ہیں، تنظیم کو اہمیت دیتے ہیں اور خود کو انعام کا حق دار ثابت کرنے کے لئے جلدی بھی کرتے ہیں۔

فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾

پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنا عصا ڈالا، تو جبھی وہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔

جب جادوگروں نے اپنا کام دکھا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا، اپنے عصا کو ڈال دیجئے جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ ان کی بناوٹوں کو نگل جائے گا۔ اللہ کے ساتھ سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اس کو کہیں خطرہ نہیں ہوتا۔ وہ اسباب سے کبھی مرعوب نہیں ہوتی اور اس قوت کی موجودگی میں حق کی ادائیگی مشکل بھی نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈالا تو وہ جادوگروں کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔ جادو پر معجزے کے غلبے کو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جادو علم کسب ہوتا ہے، اور علم الٰہی کے سامنے اس کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔

حاصل : جادو علم کسب ہوتا ہے، اور علم الٰہی کے مقابل آنے پر ہمیشہ مغلوب ہوتا ہے۔ اللہ کے ساتھ سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اس سے خطرات نظر تو آتے رہتے ہیں، ان سے خوف زدہ ہونے کا مقام نہیں رہتا۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ تو ساحر سجدے میں پڑ گئے۔

جادوگر اپنے علم میں بڑی مہارت رکھتے تھے، اور جانتے تھے کہ جادو کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے، جادو کی انتہا کہاں پر ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مقابلے کے شروع ہونے سے پہلے یہ واضح فرمایا تھا کہ اللہ پر جھوٹ سے افترٰی باندھنے والو، اللہ کا عذاب تمہیں برباد کر کے رکھ دے گا۔ ان جادوگروں نے علم الٰہی کے سامنے جادو کی حیثیت دیکھ لی۔ علم الٰہی کی برتری کو تسلیم کیا، اور سجدے میں پڑ گئے۔ جس طرح صف باندھ کر یہ جادو دکھانے آئے تھے اسی طرح صف باندھ کر یہ سجدے میں پڑے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے مغلوب ہونے کا ایسا اعتراف کیا کہ دیکھنے والوں کو کوئی شک نہ رہے۔

حاصل : حق کی فضیلت کا اعتراف ہو تو سجدے سے ہی اپنی کیفیت کا اظہار ممکن ہوتا ہے۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ بولے، ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔

جادو کے مقابل معجزے کی فضیلت تسلیم کرتے ہوئے، جادوگر سجدے میں جا پڑے تھے۔ ان پر جو کیفیت طاری تھی، وہ ان کے اندر واقع ہونے والے انقلاب کی خبر دے رہی تھی۔ اسی کیفیت میں انہوں نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔ رب العالمین کا پاک نام فرعون کی سماعت پر بڑا سخت اثر رکھتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العالمین کے بارے میں جو کچھ بھی فرعون کے دربار میں فرمایا تھا، فرعون اس کو کبھی بھلا نہیں سکتا تھا۔ اب وہ جادوگر بھی رب العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کر رہے تھے جن کے انتخاب میں حکومتی مشینری نے بڑی محنت کی تھی، جن کو مقابلے کے لئے خوب تیار کیا گیا تھا اور جنہوں نے بڑا جادو دکھایا تھا۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغام حق کو جادو کے ساتھ روکنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا، جب جادوگر رب العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کرنے لگے تو فرعون کو بڑی ندامت ہوئی۔

حاصل : رب العالمین کی قدرت کے سامنے جہاں اپنی حیثیت کا حقیقی احساس ہو جائے، وہاں اس پر ایمان لانے میں دیر نہیں لگتی۔

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ جو رب ہے موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کا۔

اللہ تعالیٰ نے مرسلین پر سلام فرمایا ہے، ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے اسماء گرامی قدر کے ساتھ علیہ السلام لکھیں بھی،

پکاریں بھی۔ جادوگروں نے رب العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کرنے کے ساتھ ہی اس وسیلے کا ذکر بھی کیا جو وسیلہ ان کے لئے عرفان حق کا باعث بنا تھا. اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ فرعون کی طرف سے اس مقابلے کا اہتمام درست نتیجے پر پہنچنے کے لئے کیا جاتا تو اسے جادوگروں کی یہ یک سوئی بہت مدد دیتی۔ مگر اس کا تو منشاء ہی حق کا انکار تھا. اس لئے اسے جادوگروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے اظہار یک جہتی بہت ناگوار ہوا۔

حاصل : جس وسیلے سے عرفان حق حاصل ہوا ہو. اس وسیلے کی تکریم کو، اس وسیلے کی تعظیم کو اپنا حال بنانا چاہیے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۚ﴿۴۹﴾

کہنے لگا، تم اس پر ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تمہیں اذن دوں، یقیناً وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں سحر کی تعلیم دی ہے۔ تو جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا. میں ضرور تمہارے ہاتھ اور مخالف سمت کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا. کہ ہم آپ کی مثل جادو لا کر دکھائیں گے۔ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا تو فرعون کو بڑی ندامت ہوئی اور وہ اپنے غیظ کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا: جادوگروں نے میری اجازت لئے بغیر اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا ہے. اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مقابلے میں ایک طرف شاگرد ہیں دوسری طرف استاد ہے. اور شاگرد, استاد سے مات کھا گئے ہیں۔ اس طرح جادوگروں نے حکومت کو دھوکے میں رکھا ہے۔ اس کی سزا انہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گی۔ میں ان کے ہاتھ کاٹوں گا. مخالف سمت کے پاؤں کاٹوں گا. اور ان سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

حاصل : فرعون حق کی عظمت کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتا ہے اور اسی خوف میں وہ المناک سزاؤں سے اپنی حکومت کو سہارا دینے کی کوشش کرتا ہے۔

قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ﴿۵۰﴾

کہنے لگے کچھ حرج نہیں۔ بے شک ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔

سزا کا اعلان سن کر ایمان والے جادوگر حضرات نے یہ کہا: ہم نے جو روشن نشانیاں دیکھی ہیں، ان سے حق ہم پر واضح ہو چکا ہے۔ رب العالمین ہی سب کا پالنے والا ہے اور اسی کی طرف ہم پلٹنے والے ہیں۔ جس سزا کا اعلان کیا جا رہا ہے، یہ صرف حیات دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ واقع بھی ہو جائے تو ہم حق کا انکار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ فرعون سے یہ کہنا کہ آپ کر چکیں جو آپ کو کرنا ہے، ہم ڈگمگانے والے نہیں، ان لوگوں کی زبان سے عجیب لگتا ہے جو مقابلہ شروع کرنے سے پہلے اجر کا سوال کرنا اور اس کا تعین کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت ہوئی تو ایمان کے بدلے جان دینے میں بھی کوئی حرج نظر نہیں آیا۔

حاصل : حق کو مان لیا جائے تو اس سے وہ قوت حاصل ہوتی ہے۔ جس کی موجودگی میں انتہائی سزا بھی بندے کو اس کے مئوقف سے ہٹا نہیں سکتی۔

إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَٰيَٰنَآ أَن كُنَّآ أَوَّلَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

بے شک ہمیں طمع ہے کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو بخش دے، کہ ہم پہلے ایمان لانے والے ہوئے۔

جادوگروں نے فرعون کی زبان سے سزاؤں کا اعلان سن کر اپنی کیفیت اس کے سامنے بیان کی، اور کہا: ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اور وہ جو آپ نے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادو دکھانے پر مجبور کیا۔ فرعون کی اس بات کے جواب میں کہ تمہیں معلوم ہو جائے گا کس کی سزا زیادہ سخت ہے اور باقی رہنے والی ہے، جادوگروں نے یہ کہا کہ اللہ بہتر ہے اور وہی سب سے بڑا باقی رہنے والا ہے۔ انھوں نے کہا کہ جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب العالمین کا رسول مان لیا ہے تو پھر ہم نے ایمان لانے کا اظہار کرنے میں دیر نہیں کی، طمع یہی ہے کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو بخش دے۔ فرعون کے لئے جادوگروں کے اندر یہ تبدیلی بہت بڑی بات تھی۔ اس نے یہ دیکھا تھا کہ وہ اجر کا یقین حاصل کیے بغیر مقابلے پر نہیں آئے تھے۔ اس نے یہ دیکھا تھا کہ اپنا جادو دکھانے پر وہ اپنے غالب ہونے کا یقین رکھتے تھے، اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر ناظرین کو تقویت دے رہے تھے۔ اور ایمان لانے کے بعد ان کا حال یہ تھا کہ سزاؤں کا اعلان انہیں خوف زدہ نہیں کرتا۔ طمع انہیں یہ ہے کہ ان کی خطائیں بخش دی جائیں، اور بھلائی یہ ہوئی ہے کہ حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد انہوں نے ایمان لانے میں دیر نہیں کی۔

حاصل : کسی مقام پر حق کو مانتے ہوئے پہلے ایمان لانے والے قابل قدر ہوتے ہیں۔ ایمان سے قلب منور ہو جائے تو پھر نفس کی خوشی کے لئے کوئی کام نہیں کیا جاتا، اس لئے سوائے اللہ کے کسی کا ڈر بھی باقی نہیں رہتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (20) میں فرمایا ہے۔

إِنَّهُۥ مَن يَأْتِ رَبَّهُۥ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُۥ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿٧٤﴾ وَمَن يَأْتِهِۦ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلدَّرَجَٰتُ ٱلْعُلَىٰ ﴿٧٥﴾

اور جو اپنے رب کے حضور مجرم ہو کر آئے، تو اس کے لئے جہنم ہے، جس میں نہ مرے نہ جیئے، اور جو اس کے حضور مومن ہو کر آئے کہ صالح عمل کیے ہوں تو انہی کے لئے اعلیٰ درجات ہیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٥٢﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی کی کہ رات میں میرے بندوں کو لے جایئے، وہ آپ کا پیچھا ضرور کریں گے۔

فرعون کے درباریوں نے اسے قہر کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے یہ کہا، کہ کیا آپ موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو چھوڑ دیں گے کہ زمین میں فساد پھیلائیں، تو اس نے جواب دیا، ہم ان پر قہر کرنے والے ہیں۔ آل فرعون جب اصلاح حال کے لئے دی گئی مہلت کو ضائع کر چکے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ رات میں بنی اسرائیل کو لے کر نکل جایئے اور یہ یقین بھی رکھئے کہ آل فرعون آپ کا پیچھا ضرور کریں گے۔

حاصل : امام اپنے ساتھیوں کی سلامتی کو عزیز رکھتا ہو، اور ساتھی امام کے امر کے تابع ہوں تو اس ساتھ میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو کمزور سمجھ لیا گیا ہو وہ آزادی کا رخ اختیار کریں تو ان کا پیچھا ضرور کیا جاتا ہے ظلم کو جاری رکھنے والوں کی طرف سے۔

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٥٣﴾

پھر فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والے بھیجے۔

جب فرعون کو یہ علم ہوا کہ بنی اسرائیل راتوں رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جا چکے ہیں، تو اس نے ان لوگوں کو اپنے قہر کا نشانہ بنانے کے لئے شہروں سے اپنے سرداروں کو مع ان کی فوجوں کے بلا بھیجا۔ فرعون کا ارادہ یہ تھا، کہ ایک بڑی فوج کے ساتھ جو سامان حرب کے ساتھ پوری طرح لیس ہو، بنی اسرائیل کا پیچھا کیا جائے، اور ان لوگوں پر قہر کرنے کے بعد انہیں غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جائے۔

حاصل : ظلم کا تسلسل مظلوم کے بچ نکلنے کی کوشش میں بھی ٹوٹ جائے تو ظالم ظلم کے اس تسلسل کو جاری کرنے کے لئے بڑا زور لگاتا ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿٥٤﴾

بے شک یہ قلیل لوگوں کی ایک جماعت ہے۔

جن لوگوں پر فرعون قہر کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ ان کے بارے میں اپنے ساتھیوں کو یہ بتا رہا ہے کہ وہ ایک حقیر سی جماعت ہیں۔ مقابلے میں خطرات بالکل نہیں ہیں، تعداد میں یہ لوگ بہت تھوڑے ہیں، سامان حرب ان کے پاس ہے ہی نہیں، مددگار انہیں کہاں سے ملیں گے۔ مظلوموں کی قلت، ان کی بے سروسامانی، اور ان کا ضعف۔ ظالموں کو ظلم کی بڑی ترغیب انہی اسباب سے ملتی ہے۔

حاصل : فرعون اپنے ساتھیوں کو ظلم پر ابھارنے کے لئے انہیں یقین دلاتا ہے کہ مقابلے پر آنے والوں کی تعداد تمہارے مقابل بہت کم ہے، سامان حرب ان کے پاس نہ ہونے کے برابر ہے اور مددگار ان کا کوئی نہیں ہے، یہی وقت مظلوموں پر قہر کرنے کے لئے موزوں ہے۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ اور یہ ہمیں غصہ دلاتے چلے جا رہے ہیں۔

فرعون نے بنی اسرائیل کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے یہ کہا: کہ یہ لوگ حقیر سی جماعت ہیں، یہ کوئی وسائل نہیں رکھتے، ان کی حمایت میں ہمارے ساتھ کوئی لڑنے والا نہیں ہے، اور یہ لوگ ہمیں غیظ و غضب کی طرف دھکیل رہے ہیں، ہمارا غصہ ان لوگوں کے خاتمے کا سبب بن جائے گا۔

حاصل : فرعون اپنے قہر کا جواز یہی بتاتا ہے، کہ بنی اسرائیل غلامی کی زندگی سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے غصہ دلا رہے ہیں۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اور ہم سب پوری طرح تیار ہیں۔

آل فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر ثابت کرنے میں لگے رہے۔ ان کے استکبار کا یہ عالم تھا کہ جب انہیں تکلیف پہنچتی تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بُرا شگون لیتے، اور جب سکھ پہنچتا تو اسے اپنی بدولت جانتے۔ جب ان لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)۔ کیسی ہی نشانی لا کر ہم پر اس سے جادو کیجیے ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں، تو یہ ان کے ناقابل اصلاح ہونے کی سند تھی۔ اب یہ لوگ بنی اسرائیل کے خاتمے کے لئے پوری پوری تیاری کرتے ہیں۔

حاصل : استکبار بڑا جرم ہے، یہی جرم آل فرعون کی ہلاکت کا باعث بنا۔ مظلوموں پر قہر کرنے کے لئے بھی ان لوگوں کو پوری تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ تو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال باہر کیا۔

آل فرعون اپنے استکبار کا اظہار کرتے ہوئے، بنی اسرائیل کے خلاف بڑی تیاری سے نکلے۔ وہ باغ اور وہ چشمے جو ان

لوگوں کو بہت عزیز تھے، اور جن سے باہر نکلنا ان کے لئے ناقابل تصور تھا، انہی باغوں اور چشموں سے اللہ نے ان کو نکال باہر کیا۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے کوئی بند نہیں باندھا جا سکتا۔

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ اور خزانوں اور عزت کے مقام سے۔

وہ خزانے اور دولت کدے جو آل فرعون کے لئے باعث عزت تھے، یقیناً اللہ کے عطا کردہ تھے، اور یہ دیکھنے کے لئے دیئے گئے تھے کہ ان کے استعمال میں کون سا رخ اختیار کیا جاتا ہے۔ جب یہ دیکھ لیا گیا تو اللہ کو ان خزانوں اور دولت کدوں سے آل فرعون کو نکالنے میں دیر نہیں لگی۔

حاصل : خزانوں اور دولت کدوں پر اترانا، استکبار ہے اور جرم ہے۔ مجرموں کو ایسے مقامات سے باہر نکالنے میں اللہ کو دیر نہیں لگتی۔

كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۵۹﴾ ہم نے ایسے ہی کیا، اور بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر یہ واضح کر دیا تھا کہ عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا، اس دیس میں تمہیں خلافت دی جائے گی، پھر وہ دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو۔ رب العالمین کا وعدہ پورا ہوا، اور بنی اسرائیل کو اسی جگہ کا وارث بنا دیا گیا جہاں وہ مظلوم تھے۔

حاصل : غالب کو مغلوب کر دینا اور مغلوب کو غالب کر دینا، اللہ کے لئے کبھی مشکل نہیں ہوتا۔ نتائج ہمیشہ اللہ کی مشیت کے تابع ہوتے ہیں۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ تو دن چڑھے انہوں نے ان کا پیچھا کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا گیا تھا کہ آل فرعون آپ لوگوں کا پیچھا کریں گے، اس لئے آپ نے راتوں رات بنی اسرائیل کو اس مقام تک پہنچا دیا جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ فرعون کے پاس افرادی قوت تھی، سامان حرب تھا، ذرائع نقل و حمل تھے۔ وہ اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرنے کے لئے دن کی روشنی کو بہت ضروری جانتا تھا، اس لئے اس نے اپنی کارروائی کا آغاز دن چڑھے کیا۔

حاصل : مظلوموں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے، ظالم روشنی کو ضروری جانتے ہیں۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾

پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں، تو اصحاب موسیٰ نے کہا، بے شک ہم پا لیے گئے۔

بنی اسرائیل نے جب آل فرعون کو غیر معمولی تیاری کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اپنے پیچھے آتے دیکھا، تو انہیں یہی خیال ہوا، کہ ان لوگوں سے بچ نکلنے کی تدبیر کامیاب نہیں ہوئی۔ اس لئے انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا، جن سے بچ کر نکلے تھے وہ تو پھر ہمارے سر پر آ چکے ہیں۔ ماضی کی تکلیف دہ یادوں سے بھی دکھ ضرور پہنچتا ہے۔

حاصل: دشمن غیر معمولی تیاری کے ساتھ ظلم کے لئے بڑھ رہا ہو، تو ماضی کے حوالے سے اس کے تمام ظلم یاد آجاتے ہیں۔ اپنے محسوسات کو صاحب امر کے سامنے بیان کرنا چاہیئے۔

قَالَ كَلَّاۤ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾

فرمایا، ہرگز نہیں۔ بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے، ابھی وہ راہ دے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے خوف کو دور کرتے ہوئے فرمایا۔ تمہارا دشمن اب کبھی تم پر غالب نہیں ہو گا۔ ان لوگوں سے مت ڈرو۔ دیکھتے رہو، تمہاری مدد کیسے ہوتی ہے۔ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ اس کے مقابل ان لوگوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ وہ ابھی راہنمائی فرمائے گا اور ہم وہی کریں گے جس کا وہ حکم دے گا۔

حاصل: اپنے ساتھیوں کو سہارا دینا بڑے علم کا کام ہوتا ہے۔ اللہ کے فضل کی طرف دیکھا جائے تو دشمن کا خوف دور ہو جاتا ہے۔

فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾

تو ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ بحر کو اپنے عصا سے ضرب لگایئے۔ تو جبھی دریا پھٹ گیا، اور ہر حصہ عظیم تودے کی طرح ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا کہ دریا پر اپنا عصا مبارک ماریئے۔ آپ نے پانی کے اوپر اپنا عصا مبارک مارا تو جبھی دریا پھٹ گیا، اور پانی کی عظیم دیواریں بن گئیں، اور وہ راستے بن گئے جن سے بنی اسرائیل کو گزرنا تھا۔ دریا کے پانی کا پھٹ جانا اور بنی اسرائیل کو نجات کی راہ نظر آ جانا بہت بڑی بات تھی، اور یہ سب کچھ آل فرعون کے سامنے ہوا تھا۔ آل فرعون یہ دیکھ رہے تھے کہ دریا نے بنی اسرائیل کو بچ نکلنے کی راہ دے دی ہے، اس لئے یہاں ان کو مارنا کافی نہیں ہو گا۔

حاصل : خیر الناصرین کی طرف سے جو مدد دی جاتی ہے، وہی حال پر ضروری ہوتی ہے، اور وہی پوری مدد ہوتی ہے حال پر۔

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ اور ہم دوسروں کو بھی پاس لائے۔

دریا میں راستے بن گئے تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق ان کو اختیار کر لیا۔ مشیّتِ الٰہی آلِ فرعون کو دریا کے قریب لے آئی۔ ان لوگوں نے بنی اسرائیل کو سلامتی کے ساتھ دریا سے گزرتے دیکھا، تو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب العالمین کا رسول ماننے کی بجائے، جادوگر ہی کہتے رہے۔

حاصل : اتمام حجت میں عبداللہ، اللہ کی سنت کو دیکھ کر ہی پورا رہ سکتا ہے۔

وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور جو آپ کی معیّت میں تھے سب کو نجات دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمِ الٰہی کے مطابق دریا کو پار کرنے کی راہ اختیار کی۔ بنی اسرائیل نے آپ کی معیّت میں دریا کو عبور کیا، اور سلامتی کے ساتھ وہ تمام لوگ دریا سے گزر گئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اس ساتھ کو اللہ نے یہ شرف بخشا کہ جسے بھی یہ حاصل ہوا اسے نجات مل گئی۔

حاصل : جس ذات پاک کی معیّت باعث نجات ہو، اس کا ادب و احترام اور اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ پھر ان دوسروں کو ہم نے غرق کر دیا۔

فرعون اور اس کے لشکروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو دریا سے گزرتے دیکھا، تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا، کہ دریا سے گزرنے کے انہی راستوں سے گزر کر جن سے بنی اسرائیل گزرے ہیں، ہم بنی اسرائیل کی سرکوبی کریں گے اور ان دشمنوں کو بچ کر نہیں جانے دیں گے۔ فرعون اور آلِ فرعون کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل سے انتقام لینے کا جذبہ انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ مظلوم لوگوں پر قہر کرنے کے لئے وہ پوری طرح تیار تھے۔ مگر مشیّتِ الٰہی کے سامنے اپنی حیثیت کو وہ دیکھ نہیں رہے تھے۔ جب فرعون اور اس کے لشکر دریا میں داخل ہو گئے اور ان میں سے کوئی دریا کے باہر نہ رہا، تو پانی کے حصے تودے آپس میں مل گئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیتے ہوئے ان سب کو غرق کر دیا۔ جب فرعون ہلاک ہونے لگا تو اس نے کہا، میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں، اور میں ماننے والوں سے

ہوں۔ اس وقت وہ اپنے دعویٰ ایمان کو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت نہیں کر سکتا تھا، کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو چکا تھا، اس لئے اس کا مسلمان ہونے کا دعویٰ بے حقیقت تھا۔

حاصل : مشیّتِ الٰہی کے سامنے کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔ اللہ کے پیاروں سے عداوت رکھنے والے، اللہ کے انتقام سے بچ نہیں سکتے۔ جو راستہ اللہ اپنے پیاروں کی نجات کے لئے بنائے، اس راستے سے اپنے پیاروں کے دشمن کو گزرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور وہ اکثر ماننے والے نہ تھے۔

وہ قوم جو بنی اسرائیل پر قہر کرنے کو اپنی شان سمجھتی تھی، جس کی عددی قوت بڑی تھی، جس کے پاس سامان حرب بہت تھا، جس کے پاس وسائل بہت تھے، جس کے پاس خزانے تھے اور جو استکبار میں مبتلا تھی، اس قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں اللہ کو دیر نہیں لگی۔ حق کا نہ ماننا ہی ان لوگوں کے لئے باعث ہلاکت ہوا۔

حاصل : حق کا انکار باعث عذاب ہوتا ہے، حق کو ماننا باعث فلاح ہوتا ہے۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾ ع ۴

اور بے شک تمہارا ربّ وہی ہے عزت والا، رحم کرنے والا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ربّ العالمین کا رسول ہونے کا اعلان کیا، تو فرعون نے کہا، وہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ربّ ہے آسمانوں کا، وہ ربّ ہے زمین کا، اور وہ ربّ ہے آسمان اور زمین کے مابین ہر مقام پر۔ وہ ربّ ہے مشرق کا اور مغرب کا اور مشرق و مغرب کے مابین ہر مقام پر۔ وہ ربّ ہے حال پر موجود سب کا اور ماضی میں موجود سب کا اور مستقبل میں سب ہونے والوں کا۔ ربّ العالمین کی شان ایسی ہے کہ اس کی قدرت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ وہ اپنے رسول کے ماننے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

حاصل : ہم ربّ العالمین پر ایمان لاتے ہیں، اس کے ساتھ کو باعث فلاح جانتے ہیں اور اس کے رحم کے طالب ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (20) میں ارشاد فرمایا ہے:

وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾

اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

اور ان پر ابراہیم (علیہ السلام) کی خبر تلاوت کیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر خیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خبر سنائی جا رہی ہے۔ اس خبر کی تلاوت کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ خبر سنانے کا حکم سن کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی سنایا ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس خبر میں ماننے والوں کے لئے نصیحت موجود ہے۔ جو اس خبر کو سن کر فلاح کی راہ اختیار کرے گا اور اپنے تجربے کی بنا پر حاصل ہونے والا علم لوگوں کو سکھا کر شکریہ ادا کرے گا، اس کے کان بھی پاک ہوں گے، اس کی زبان بھی پاک ہوگی۔

حاصل : ہماری باتوں کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہونا چاہئے۔ خیر کو سنا جائے اور خیر ہی سنایا جائے تو یہ راہ فلاح کو اختیار کرنے کا ثبوت ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾

جب آپ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا، تم کس کی بندگی کرتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر یہاں سے شروع ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنے باپ کے طریق زندگی کو دیکھا، اپنی قوم کو بھی دیکھا، تو خلوت و جلوت میں بندگی کے مقامات کا مشاہدہ کرنے کے بعد آپ نے اپنے باپ سے اور قوم سے یہ پوچھا کہ تم کس کی بندگی کرتے ہو۔ یہ سوال دعوت فکر دینے کے لئے تھا۔ عبد اپنے معبود سے تعلق کا اظہار کرنے کے لئے بندگی کرتا ہے۔ یہ بندگی خالق کل کی ہو اور اس کے نازل فرمائے ہوئے حق کے مطابق ہو تو اس سے نور پھیلتا ہے، ورنہ ظلمات بڑھنے لگتی ہیں۔

حاصل : اپنے گھر سے اپنے مشاہدے کی ابتدا کرنی چاہئے۔ اجتماعی زندگی کو بھی دیکھنا چاہئے۔ بندگی اللہ کی ہو رہی ہو تو نورِ معرفت کو بڑھنا چاہئے۔ نورِ معرفت نظر نہ آئے تو پوچھنا چاہئے، بندگی کس کی ہو رہی ہے۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾

کہنے لگے ہم اصنام کی بندگی کرتے ہیں، پھر ان کے سامنے آسن مارے بیٹھے رہتے ہیں۔

یہ جواب انہی کی طرف سے تھا، جن سے یہ پوچھا گیا تھا کہ آپ لوگ کس کی بندگی کرتے ہیں۔ اور جواب یہ تھا، کہ ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور ان کے سامنے آسن مارے بیٹھے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ کیا تماثیل ہیں جن کے سامنے تم آسن مارے بیٹھے رہتے ہو۔ کسی شے کی شکل اس کی مورت بنانا تمثیل کہلاتا ہے۔ اس طرح یہ اشیاء کی بندگی ہوئی۔ آسن مارے بیٹھے رہنے سے وہ لوگ اپنی توجہ ان پر مرکوز کرتے تھے۔

حاصل : بے حقیقت بات کے ساتھ کوئی سند موجود نہیں ہوتی۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ فرمایا۔ کیا تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اصنام کے بارے میں یہ پوچھا، کہ جن کی تم بندگی کرتے ہو، یہ تمہاری دعاؤں کو سنتے ہیں۔ معبود کی شان ہے کہ وہ اپنے عباد کی دعاؤں کو سنے اور اپنے علم سے جو چاہے کرے۔ جس کے سننے کا کوئی ثبوت نہ ہو اس کو معبود کہنا کفر ہے۔ دعوت فکر میں سامعین کو اپنے اعمال کی حقیقت کو دیکھنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جہاں طلب ہدایت موجود ہو وہاں یقیناً خیر کا رخ اختیار کیا جاتا ہے۔

حاصل : دعوتِ فکر دینے میں صاحب رشد کا اتباع باعث استقامت ہوتا ہے۔ سامعین کو صحیح نتیجے پر پہنچنے میں مدد دینے کے لئے بات کی جائے تو اس کے معنی اور ہوں گے اور ان کو بے عقل ثابت کرنے کے لئے بات کی جائے تو اس کے معنی اور ہوں گے۔

اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ یا تمہیں نفع و ضرر پہنچاتے ہیں۔

معبود کی شان ہے کہ وہ نتائج پر قادر ہوتا ہے۔ اس لئے نفع ہو یا ضرر، اس کی مشیت کے تحت ہوتا ہے۔ جو نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہے، اس کو معبود مان لینا کس حوالے سے ہو گا، اور اس حوالے کے درست ہونے کی سند کیا ہو گی۔ نفع مطلوب ہوتا ہے اور ضرر سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ معبود کی رضا معلوم ہو تو رخ درست ہو سکتا ہے۔

حاصل : جو نفع و نقصان پر قادر نہ ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ کہنے لگے ہم نے اپنے آباء کو ایسے ہی کرتے پایا ہے۔

قوم کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ جواب دیا گیا کہ جس حوالے سے ہم ان بتوں کی پرستش کر رہے ہیں، وہ ہمارے آباؤ اجداد ہیں۔ ہم نے انہیں ایسے ہی کرتے پایا ہے۔ اس لئے ہم انہی کے راستے پر چل رہے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ راہ راست پر نہ ہوں۔

حاصل : اپنے آباؤ اجداد کی طریقت اختیار کرنا اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے، جب اس کے درست ہونے کی سند موجود ہو۔ جو لوگ اپنی خواہشات کے دائرے سے نکلنے کے لئے تیار نہ ہوں، گمراہی ضرور ان کو گھیرے رکھتی ہے۔

قَالَ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۵﴾ فرمایا۔ کیا تم غور کرتے ہو، جن کی تم عبادت کرتے رہے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت غور و فکر دیتے ہوئے اپنی قوم کو یہ احساس دلایا کہ جن کی عبادت کی جارہی ہے، وہ تو کچھ سنتے نہیں، قطعاً کوئی قدرت نہیں رکھتے۔ عبد اپنے حال کو معبود کے سامنے بیان کر کے مدد طلب کرتا ہے۔ معبود محتاج ہو تو وہ عبد کی احتیاج کو دور نہیں کر سکتا۔ بتوں کے بارے میں یہ شک کسی کو نہیں ہو سکتا کہ وہ ہر مقام پر محتاج ہوتے ہیں۔

حاصل : دعوت غور و فکر میں یہ احتیاط ضرور کرنی چاہئے کہ سامعین کے اندر حدت نہ پیدا ہو، اور ان کی نظر اسی بات پر رہے کہ ہونا کیا چاہئے اور ہو کیا رہا ہے۔

اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ﴿۷۶﴾ تم اور تمہارے قدیم آباء۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ تم لوگ اپنے قدیم آباؤ اجداد کی راہ پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، تم لوگ حال پر موجود ہو، غور و فکر کے لئے تمہارے پاس وقت ہے، اب اس بات کا یقین کر لینا ضروری ہے کہ تمہاری عاقبت اچھی ہو گی۔ تمہارے قدیم آبا و اجداد اگر خلاف حق کرتے ہوئے خسارے میں پڑے ہیں، تو ان کی پیروی سے تمہیں فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔

حاصل : ہمارے آباؤ اجداد اگر حق کو مانتے ہوں تو ان کے نقوشِ قدم ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر وہ خلافِ حق کرتے رہے ہوں تو ان کی پیروی ہمیں خسارے کی طرف لے جائے گی۔

فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّىۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۷۷﴾ تو بے شک وہ میرے دشمن ہیں، سوائے ربّ العالمین کے۔

دشمن کا قرب کبھی مطلوب نہیں ہوتا۔ دشمن سے کبھی بھلائی کی امید نہیں ہوتی۔ ہمارے دشمن سے محبت رکھنے والے بھی ہمارے دشمن ہی ہوتے ہیں۔ جو بندوں کی جسمانی اور روحانی طلب کا علم نہ رکھتا ہو، وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس کو معبود کہنا خلاف حق ہے۔ انسانی تجویز سے بنے ہوئے تمام معبودوں سے کراہت ہونی چاہئے۔ یہ کراہت، رب العالمین کے قریب ہونے میں مدد دیتی ہے۔ رب العالمین کے لئے حنیف ہونے کا مقام آجائے، یک سوئی حاصل ہو جائے، تو فلاح دارین حاصل ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔

حاصل : دشمن کو پہچاننا ضروری ہے ورنہ اس سے بچنے کی کوشش پوری نہیں ہوتی۔ کفر، فسوق اور

عصیان سے کراہت ہو تو پھر باطل معبودوں کو دشمن کہنا درست ہوتا ہے۔ رب العالمین کی رافت و رحمت تمام لوگوں پر ہے، ہر مقام پر ہے، مانتے وہی ہیں جو ایمان والے ہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وہ جس نے مجھے خلق فرمایا ہے اور وہ میری راہنمائی کرتا ہے۔

رب العالمین کی صفات عالیہ بیان فرمانے کا منشا یہ ہے کہ معبود کی صفات کو دیکھا جائے اور حق و باطل کے درمیان واضح خط امتیاز کھینچ لیا جائے۔ معبود کی شان ہے کہ وہ خالق کل ہے۔ اس نے بندے کو خلق فرمایا ہے۔ وہ بندے کے باطن کو بھی جانتا ہے، ظاہر کو بھی جانتا ہے۔ بندہ جب اس کی طرف رجوع لاتا ہے تو وہ اسے ہدایت دیتا ہے۔

حاصل : معبود صرف اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ خالق کل ہے۔ ہماری جسمانی اور روحانی طلب کو وہ اپنے علم مطلق سے جانتا ہے۔ اگر ہم اس کی طرف رجوع لائیں تو وہ ہدایت دیتا ہے۔ معبود کی صفات کو ملحوظ رکھنا بندے کی شان ہے۔

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ اور وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

معبود لاشریک کی صفات بیان کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو صحیح رخ دکھا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ رب العالمین ہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ کھانے اور پینے کی چیزیں سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔ جسمانی ضرورت کا مقام بھی اس نے رکھا ہے۔ پرورش کرنے والے کے علم سے ہی سارا کام ہو رہا ہے۔ معبود اپنے عباد کے لئے وہ سب کچھ کرتا ہے، جو ان کے لئے مفید ہوتا ہے۔ بندوں کو اپنی ضروریات کا کلی علم نہیں ہوتا۔ کھانا اور پینا حق کے مطابق طیبات سے ہو تو پھر یہ کہنا اظہار عبدیت ہے کہ میرا رب ہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

حاصل : ہمارے کھانے اور پینے کو حق کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس میں اسراف بالکل نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے طلب ہدایت کا ثبوت ملتا ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ اور جب میں مریض ہو جاؤں تو وہی شفا دیتا ہے۔

رب العالمین کھلاتا بھی ہے پلاتا بھی ہے۔ بندہ کھانے اور پینے میں اپنی خواہش اور ضرورت میں فرق کو نہ دیکھے تو کبھی اس مقدار سے زیادہ کھا لیتا ہے جو جسم کو درکار ہوتی ہے، کبھی اس وقت کھا لیتا ہے جب جسم پہلے کھائے ہوئے کو ہضم کرنے میں مصروف ہوتا ہے۔ کبھی وہ کچھ کھا لیتا ہے جو اسے لذیذ لگتا ہے۔ مگر اس لذت کے ساتھ جس محنت کا تعلق ہوتا ہے، اسے نظرانداز

کر دیتا ہے۔ اس طرح جسم کے تمام نظاموں کے درمیان جو ربط رکھا گیا ہے، اس پر برا اثر پڑتا ہے اور بندہ بیمار ہو جاتا ہے۔ مرض کا سبب معلوم ہو جائے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اللہ اپنے فضل سے شفا دے دیتا ہے۔ اللہ جسم کے سب نظاموں کے مابین ربط کو بحال کر دے اور قوت کارکردگی اعتدال پر آجائے تو مریض شفایاب ہو جاتا ہے۔

حاصل : کھانے پینے میں اپنی ضرورت اور خواہش کے مابین فرق دیکھنا چاہیئے۔ مرض کے سبب کو دور کرنے کی کوشش کی جائے تو شفا کی دعا بجا ہوگی، ورنہ بے جا ہوگی۔

وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ اور جو مجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا۔

معبود کی شان بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا، کہ میرا معبود وہ ہے جس نے میرے مقصد حیات کا تعین کیا ہے، اسی نے مجھے توفیق دی ہے، اسی نے مہلت دی ہے، وہی اس مہلت کے پورا ہو جانے کے بعد مجھے موت دے گا، اور موت کے بعد پھر جزا کے لئے زندہ کرے گا۔ اس آئینے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اپنا حال بھی دیکھ سکتی تھی، اپنے معبودوں کا حال بھی دیکھ سکتی تھی۔

حاصل : خالق کل نے ہمارے مقصد حیات کا تعین کیا ہے، اسی نے توفیق دی ہے، وہی موت دے گا اور وہی جزا کے لئے زندہ کرے گا۔ جزا کا یقین ہو تو اصلاح حال سے غفلت ممکن نہیں ہوتی۔

وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾ اور وہ جس سے مجھے طمع ہے کہ یوم الدین کو میری خطائیں بخش دے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبود کی شان بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا، کہ میں اپنے معبود سے یہ طمع رکھتا ہوں کہ وہ جزا کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا۔ بندگی میں یہ ارفع مقام ہے کہ حق کی احسن ادائیگی کے بعد یہ اعتراف کیا جائے کہ بندگی کا حق ادا کرنے میں خطا ہوئی ہے۔ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق تقسیم کرنا حق ہے، اس حق کی ادائیگی میں خطا ہو جاتی ہے۔ اللہ بخشنا چاہے تو بھی وہ مالک ہے، گرفت کرنا چاہے تو بھی وہی مالک ہے۔

حاصل : اللہ سے یہ طمع رکھنا چاہیئے، کہ وہ جزا کے دن ہماری خطاؤں کو بخش دے گا۔ ہمیں بھی لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دینا چاہیئے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما اور

صالحین سے میرا الحاق فرما۔

اپنے رب کا روشن تعارف کرانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اظہار عبدیت کرتے ہوئے اپنے معبود سے یہ دعا کرتے ہیں: کہ اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما اور مجھے صالحین میں ملا دے۔ میری بات تیری رضا کے مطابق ہو اور صالحین کی طریقت میرے سامنے رہے۔ بتوں کے سامنے آسن مار کر بیٹھنے والوں کو آپ نے یہ کر کے دکھایا کہ رب العالمین کی بندگی کیسے کرنی چاہئے اور اس سے مانگنا کیا چاہئے۔

حاصل: یہ دعا کرنی چاہئے: یا اللہ تیرے حکم کی اطاعت میرا طریق زندگی ہو، اور صالحین کا ساتھ مجھے نصیب ہو۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ — اور آخرین میں میری سچی ناموری رکھ۔

اپنے ربّ سے دعا کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہا۔ کہ اے میرے ربّ میرے راستے کو اس قدر روشن کر دے، کہ پیچھے آنے والے سلامتی کے ساتھ سب مقامات سے گزر جائیں، اور میری صورت میں انہیں نظر آئے کہ عبد کو معبود کے ساتھ کس طرح رہنا چاہئے۔

حاصل: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طریقت میں ہمارے لئے برکات ہیں۔ خیر و برکت کے حصول کے لئے دعا کرتے ہوئے بھی ان کا ذکر خیر کرنا چاہئے، اور خیر و برکت کے حصول کے بعد بھی ان کا ذکر خیر کرنا چاہئے۔

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ — اور مجھے ان میں ٹھہرا جو جنتِ نعیم کے وارث ہیں۔

اظہارِ عبدیت کرتے ہوئے عبد کو اپنے معبود سے یہ مانگنا چاہئے، کہ مجھے فلاح عطا فرما اور ان حضرات میں ٹھہرا جو باغ نعمت کے وارث ہیں۔ معبود ماضی حال اور مستقبل کا لاشریک مالک ہے۔ جو اللہ کی رضا کو مقصدِ حیات بناتے ہیں وہی جنت کے وارث ہوں گے۔ اس پاک جماعت میں شمار ہونا بڑی بات ہے۔

حاصل: جنّت کے وارثوں میں شمار ہونا بڑی بات ہے، اس کے لئے دعا کرتے رہنا چاہئے۔ یہ دعا تبھی درست ہوگی جب حال پر صالحین کا ساتھ ہو گا۔

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ — اور میرے باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے آپ سے حق کو سن کر یہ کہا تھا: اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تو میرے خدا سے منہ پھیرتا ہے، اگر تو اس حرکت سے باز نہ آیا تو ضرور میں تمہیں رجم کروں گا، اور تو مجھ سے دور ہو جا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا: آپ پر سلام ہو، میں جلد ہی آپ کے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا، یقیناً وہ مجھ پر مہربان ہے۔ یہ دعا اس وعدے کے حوالے سے تھی جو آپ نے اپنے باپ سے کیا تھا۔ جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، آپ اس سے الگ ہو گئے، یہی حق ہے۔

حاصل : اللہ کا دشمن ہمارا دشمن ہے چاہے اس سے کوئی رشتہ ہو۔ جس کے خیر کی طرف آنے کا امکان ہو اسی کے لئے دعاء خیر کی جا سکتی ہے۔ اللہ کے دشمن کا خیر کی طرف آنا ممکن نہیں ہوتا۔

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ اور جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے، اس دن مجھے رسوا نہ کیجیو۔

رب العالمین کی بندگی کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دعا کر رہے ہیں، کہ قیامت کے دن جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا، اس دن عزت والے وہی ہوں گے، جو صالحین میں شمار ہوں گے۔ حال پر بھی عزت اللہ کی ہے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اور مومنین کی ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے، وہی عزت والا ہے۔ جس کو اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

حاصل : جزائے خیر کی دعا کرنا حق ہے۔ حال پر جسے اللہ کا دشمن جانتے ہوئے اس سے بیزاری کا اظہار کیا جائے، آخرت میں اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ جس دن نہ مال نفع دے نہ بیٹے۔

قیامت کا دن جزا کا دن ہو گا۔ اس دن مال اور بیٹے کسی کو نفع نہ دیں گے۔ جو اللہ کی عطا کو حال پر حق کے مطابق تصرف میں لاتا ہے، وہ فلاح پائے گا۔ جو حال پر خلاف حق کرتا ہے، اللہ کی عطا اس کے لئے باعث عذاب بن جاتی ہے۔

حاصل : مال اور بیٹوں کو اللہ کی رضا کے مطابق حال پر تصرف میں لانا باعث فلاح دارین ہوتا ہے۔

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ سوائے اس کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔

وہ قلب جس میں منیب سے محبت موجود ہو، من مانی کرنے سے رک جاتا ہے۔ حق کو سن کر ادب سے ماننا اس کا طریق زندگی بن جاتا ہے۔ قلب سلیم والا یہ نہیں دیکھتا کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہ دیکھتا ہے کہ اپنے شاہد کے اتباع میں اسے لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ جو قلب سلیم رکھتا ہے، یکسوئی اس کا حال ہوتی ہے۔ اس کا حال حق کے مطابق ہوتا ہے اس لئے اس کا مستقبل بھی درست ہو گا۔

حاصل : اگر ہم من مانی کرنے سے رک جائیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے سے محبت رکھیں تو ہمارا قلب، قلب سلیم ہو جائے گا۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ اور جنّت متقین کے قریب لائی جائے گی۔

متقی خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہتا ہے، اور جلوت میں اللہ کے محبوب کے ساتھ پاک رہتا ہے۔ متقی کو یہ ڈر رہتا ہے کہ اس سے کوئی کام اللہ کی رضا کے خلاف نہ ہو جائے۔ دائمی پاک دامنی کا شرف رکھنے والے لوگ اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کی شان یہ ہے کہ جنت ان کے قریب لائی جائے گی۔ کہ وہ اس انعام کو دیکھ کر مسرور ہوں جو انہیں عطا ہونے والا ہے۔

حاصل : متقین اللہ کے ساتھ کی بدولت انعامات سے نوازے جاتے ہیں۔ یہ ساتھ نصیب ہو تو جنّت بندے کی طالب ہوتی ہے اور بندہ اس کا مطلوب ہو جاتا ہے۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ اور دوزخ گمراہوں کے لئے ظاہر کی جائے گی۔

بعث بعد الموت کا انکار کرنے والے، عذاب جہنم کی بات سن کر اسے جھٹلاتے ہیں۔ قیامت کے دن دوزخ کو ان کے سامنے ظاہر کیا جائے گا۔ اور پوچھا جائے گا، کیا یہ حق نہیں ہے۔ تو یہ لوگ عرض کریں گے، ہمارے رب کی قسم یہ یقیناً حق ہے۔ جس عذاب کو وہ بعید از قیاس سمجھتے تھے، وہ ان کے سامنے ہو گا۔

حاصل : دوزخ اس وقت خلوت میں ہے، جزا کے دن اسے گمراہوں کے لئے جلوت میں لاتے مالکِ یوم الدین کو دیر نہیں لگے گی۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ اور ان سے فرمایا جائے گا، کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے۔

منکرین حق سے یہ پوچھا جائے گا، کہ جن کی بندگی کی وجہ سے تم جزا کا انکار کرتے تھے وہ کہاں ہیں، جزا تو تمہیں نظر آرہی

ہے۔ کافر کہیں گے کہ آج کا دن بھاری ہے۔ اب انہیں حق کو ماننے میں کوئی مشکل نہیں ہو گی، مگر اصلاح حال کے لئے دیا گیا وقت گزر چکا ہو گا اس لئے توبہ قابل سماعت ہی نہیں ہو گی۔

حاصل : جزا کے دن، مجرم جزا کو دیکھیں گے، تو ان سے یہ بھی پوچھا جائے گا کہ جن کی بندگی کی وجہ سے تم عذاب آخرت کا انکار کرتے تھے، انہیں دیکھو وہ کہاں ہیں۔ جزا پر قادر ہونا معبود کی شان ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ؕ ﴿۹۳﴾

اللہ کے مقابل۔ کیا وہ تمہاری مدد کریں گے، یا بدلہ لیں گے۔

منکرین حق جن کو اللہ کے مقابل پوجتے ہیں، ان کے بارے میں منکرین حق سے یہ فرمایا جائے گا: جن کو تم معبود مانتے تھے، کیا وہ تمہاری مدد کریں گے کہ تم سامنے نظر آنے والے عذاب سے بچ جاؤ، یا ان کے پاس بدلہ لینے کی سکت ہو تو وہ بدلہ لینے کی کوشش کریں۔ قادرِ مطلق کی عطا کردہ قوت بہرحال قادرِ مطلق کے امر کے تابع ہی رہتی ہے، اور قادرِ مطلق کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے اس کے مقابل نہ کوئی مدد کرنے والا ہو گا، نہ کوئی بدلہ لینے والا ہو گا۔

حاصل : اللہ کے مقابل نہ کوئی مددگار ہو سکتا ہے، نہ کوئی بدلہ لینے والا ہو سکتا ہے۔ اللہ کو قادرِ مطلق مان لیا جائے تو پھر ہمارا کوئی کام خلافِ حق ہونا نہیں چاہئے۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۙ ﴿۹۴﴾

پھر وہ اس میں اوندھے منہ جھونک دیئے جائیں گے اور سب بے راہ بھی۔

عذابِ آخرت کا انکار کرنے والے جہنم کو دیکھیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا، کیا یہ حق نہیں ہے۔ تو وہ جواب دیں گے، یقیناً یہ حق ہے۔ تو حکم ہو گا، چکھو عذاب جس کا تم انکار کرتے تھے، اور اس کے ساتھ ہی انہیں اوندھے منہ دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ بے راہ روی کرنے والے سب دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔ جس کا رخ خلاف حق ہو وہ دوزخ کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے اور بے راہ لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوزخ سے بچنا مطلوب ہو تو بے راہ لوگوں کے ساتھ سے کراہت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔

حاصل : دیکھنا چاہئے ہمارا رخ کیا ہے۔ اگر رخ خلافِ حق ہو اور ساتھ بے راہ لوگوں کا ہو، تو پھر انجام وہی ہو گا جس سے آگاہ فرما دیا گیا ہے۔ پھر نہ کوئی مدد کر سکے گا نہ کوئی بدلہ لے سکے گا۔

وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ؕ ﴿۹۵﴾

اور ابلیس کے سب لشکر بھی۔

منکرین حق کے ساتھ جہنم میں ابلیس کے سب لشکروں کو بھی ڈال دیا جائے گا۔ جو ابلیس کا اتباع کرے گا، وہ دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا۔ مخلصین ہی وہ لوگ ہیں، جن کو ابلیس بہکا نہیں سکتا۔

حاصل : مخلصین کا ساتھ ہو تو حال بھی اچھا ہوتا ہے مستقبل بھی اچھا ہو گا۔

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ اور وہ اس میں باہم جھگڑیں گے اور سب ایک نتیجے پر پہنچیں گے۔

جہنمی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑیں گے۔ گمراہ کرنے والے کہیں گے، ہم نے انہیں گمراہ کیا جیسے خود گمراہ ہوئے تھے۔ گمراہ وہی ہوتا ہے جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ گمراہ ہونے والے اور گمراہ کرنے والے جھگڑتے جھگڑتے گمراہی کے اسباب کو دیکھیں گے، تو جھگڑا بے معنی ہو جائے گا۔ گمراہی اپنی خواہشات کی پیروی سے ہوتی ہے۔ استکبار کے ساتھ ہوتی ہے، اور حق کو سن کر جان بوجھ کر اس سے غافل رہنے سے ہوتی ہے۔ برائی کی ترغیب دینے والا اس لئے اچھا لگتا ہے کہ وہ گمراہ ہونے والے کی پسند کو اہمیت دے رہا ہوتا ہے۔

حاصل : جھگڑا جہنم میں یہی ہو گا، کہ گمراہ ہونے والے گمراہ کرنے والوں کو کوسیں گے، اور گمراہ کرنے والے گمراہ ہونے والوں سے کہیں گے تم نے وہی کیا جو تمہیں اچھا لگتا تھا۔ اسباب پر نظر ہو تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اور بات واضح ہو جاتی ہے۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اللہ کی قسم ہم صریحاً گمراہی میں تھے۔

جہنمی یہ اعتراف کریں گے، کہ وہ صریحاً گمراہی میں تھے۔ یہ اعتراف ایسے وقت میں ہو گا، کہ اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ حقائق کا انکار کرتے کرتے یہ لوگ حیات دنیا کو اور متاع حیات دنیا کو ضائع کر چکے ہوں گے، جس انجام سے ان کو ڈرایا جاتا تھا وہ انجام ان کو اس وقت گھیرے ہوئے ہو گا۔

حاصل : حقائق کا انکار گمراہی ہے۔ فلاح مطلوب ہو تو حال پر اصلاح کو قبول کرنا چاہئے۔

اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ جبکہ تمہیں رب العالمین کے مساوی ٹھہراتے تھے۔

گمراہ کرنے والوں کی بات ان کی خواہش اور غرض و غایت سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کو ماننے والے، ان کی بات ایسے مانتے ہیں جیسے رب العالمین کی بات کو ماننا چاہئے۔ رب العالمین کا فرمان علم مطلق سے ہوتا ہے، ماننے والوں کی بھلائی کے لئے ہوتا

ہے۔ اس فرمان کے ماننے سے نور ہدایت پھیلتا ہے۔ جب گمراہ کرنے والوں کی بات کو یہ اہمیت دی جائے جو اللہ کے فرمان کی شان ہوتی ہے، تو یہ گمراہی کو اپنے لئے مقدر کر لینے والی بات ہوتی ہے۔

حاصل : جس کی بات رب العالمین کی بات ہو، وہ خلوت و جلوت میں پاک ہوتا ہے۔ جو پاک نہ ہو اس کی بات کو اہمیت دینا اور اسے حق کے برابر ٹھہرانا گمراہی ہے۔

وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ اور ہمیں مجرموں نے ہی بہکایا۔

بھٹکنے والے یہ کہیں گے: جن لوگوں نے ہمیں خواہشات کی پیروی کی ترغیب دی، جن لوگوں نے اپنی بات کو اتنا بڑھا کر بیان کیا کہ اسے حق کے برابر ٹھہرانے کے مرتکب ہوئے، وہی مجرم ہیں، اور انہی لوگوں نے ہم کو بہکایا ہے۔ بھٹکنے والے اپنی سادگی کا بہت ذکر کرتے ہیں اور بہکانے والوں کی چالاکی کا بہت چرچا کرتے ہیں، حالانکہ بھٹکنے والے شعور کے ساتھ اس رخ کو اختیار کرتے ہیں جو انہیں پسند ہوتا ہے۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ تو اب ہمارا کوئی شافع نہیں۔

شاہد ہی شافع ہو سکتا ہے، کہ وہ مشہود کے بارے میں یہ گواہی دے کہ مشہود نے اتباع تو شاہد کا کیا ہے، مگر کمی علم کی وجہ سے بھولتا بھی رہا ہے اور اس سے خطا بھی ہوتی رہی ہے۔ جس کی بات خلوت و جلوت میں پاک نہ ہو، جس سے اللہ راضی نہ ہو اس کی شفاعت کا حق ہو ہی نہیں سکتا۔ حال پہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جس کی ہم پیروی کر رہے ہیں، وہ ہمیں حق کے مطابق ہونے کی تعلیم دیتا ہے، یا حق کو اپنے مطابق بنانے کی تعلیم دیتا ہے۔

حاصل : شاہد ہی شافع ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے، اللہ اُس سے راضی ہوتا ہے۔ شافع سے حال پر تعلق ہو تو مستقبل میں اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے، اور پہنچے گا۔

وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾ اور نہ کوئی حمایت کرنے والا دوست۔

دکھ کے وقت میں، حمایت کرنے والا دوست بڑا سہارا دیتا ہے۔ اس طرح دکھ کے قابل برداشت ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے۔ مگر قیامت کے دن ہر مجرم کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، وہ کسی کی کیا حمایت کرے گا۔

حاصل : دوست وہی ہونا چاہئے، جو پاک ہو۔ دوام اس عمل کو ہوتا ہے جو اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾ تو کسی طرح ہمیں پھر جانا ملے تو ہم مومنین

سے ہوں۔

دوزخ والے یہ عرض کریں گے، کہ اگر ہمیں عمل کرنے کی مہلت ملے، تو ہم مومنین میں شمار ہوں گے۔ وہ یہ دعا بھی کریں گے: اے ہمارے رب ہمیں اس جگہ سے نکال کہ ہم صالح عمل کریں، جو پہلے نہیں کرتے تھے۔ فرمایا جائے گا کیا ہم نے تمہیں وہ وقت نہیں دیا تھا، جس میں نصیحت ماننا جسے سمجھنا تھا، اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس آئے۔ حال سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو مستقبل میں اس وقت کے لوٹ آنے کی طلب ہوگی، مگر یہ وقت لوٹ کر نہیں آئے گا۔ مومنین حق کو سنتے ہیں اور ادب سے مانتے ہیں۔

حاصل: حال پر ملی ہوئی مہلت کو اس طرح استعمال کرنا چاہیے کہ ہم مومنین میں شمار ہوں۔ نصیحت کو ماننے کے لئے دیا گیا وقت محدود ہی ہوتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾

بے شک اس میں نشانی ہے اور وہ اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے، اس میں طلب ہدایت رکھنے والوں کے لئے یقیناً نشانی ہے۔ ہدایت تو اسے ہی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کی پیروی کرے، اور من مانی کرنے سے رک جائے۔ مگر اکثر لوگ اس رخ پر آتے ہی نہیں۔ ایمان انہیں کیوں کر نصیب ہو سکتا ہے۔

حاصل: حق کی نشانی ہمیشہ حال پر موجود ہوتی ہے، فائدہ اس سے طالب ہدایت لوگوں کو ہی ہوتا ہے۔ اکثر لوگ طالب ہدایت ہوتے ہی نہیں پھر ایمان انہیں کیونکر نصیب ہو سکتا ہے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾

اور بے شک تمہارا رب عزت والا، رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ربّ العالمین ہے، عزت والا ہے، رحم کرنے والا ہے۔ مخلوق سے جو تعلق ربّ العالمین کو ہے، وہ کسی دوسرے کو مخلوق سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے رحم کی شان دیکھیے، جو خطا کے بعد تائب ہو، ایمان لائے اور صالح عمل کرے، اس کے متعلق فلاح پانے والوں میں شمار ہونے کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔

حاصل: باعزت ہونے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہمارا شمار مومنین میں ہو۔ لوگوں پر رحم کرنے والا ہی اللہ کے قریب ہو سکتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص (28) میں فرمایا ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۷۰

اور وہی اللہ ہے، کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حمد اول و آخر اسی کے لئے ہے، اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۰۵ قوم نوح نے مرسلین کی تکذیب کی۔

ماضی کی بات کو ماننے میں لوگوں کو مشکل پیش نہیں آتی، حال کو ماننا ہمیشہ بڑا کام ہوتا ہے، کہ اس میں اپنی پسند اور ناپسند کی نفی ہو جاتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ماضی کے رسولوں کے علم کی تصدیق کی، تو لوگوں کے عقائد ان کے بارے میں درست نہ تھے۔ اللہ کے نزدیک دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور وہ اسلام ہے۔ جب قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو یہ ان مرسلین کی بھی تکذیب تھی، جن کی تصدیق حضرت نوح علیہ السلام نے کی تھی۔

حاصل : حال ماضی کا مصدق ہو تو حال کی تکذیب، ماضی کی بھی تکذیب ہوتی ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۰۶ جب انہیں ان کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا، کیا تم ڈرتے نہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا، کیا تم ڈرتے نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا فرمان علم الٰہی کے حوالے سے تھا۔ اس سے بڑی سند کوئی ہو نہیں سکتی۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت محدود ہوتا ہے۔ اس میں سے کچھ گزر چکا ہو، باقی کو غفلت میں ضائع کیا جا رہا ہو، تو اصلاح حال کب ہو گی۔

حاصل : خلاف حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرانا چاہئے۔ مگر ڈرانے کا حق انہی کو ہوتا ہے جو دائمی پاک دامنی کے مقام پر فائز ہوں۔

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۰۷ بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا، اے میری قوم میں تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا پیغام پہنچاتا ہوں، تمہیں بڑی نصیحت کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔ پیغام حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ جسے عطا ہو اس کے امین ہونے میں شک نہیں ہو سکتا کہ علیم مطلق ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ مخلوق کے لئے پیغام حق پہنچانے والے کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اس لئے اللہ کا ہر رسول اپنے اپنے وقت میں ہدایت کے طلب گاروں کے لئے یقیناً بہترین نمونہ تھا۔

حاصل : پیغام حق وہی پہنچا سکتا ہے جو امین ہو۔ خاتم النبیین کی تشریف آوری کے بعد ان کے اسوۂ

حسنہ کی پیروی کرنے والا ہی پیغام حق پہنچانے کا اہل ہو گا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ تو اللہ پر تقویٰ کرو اور میری اطاعت کرو۔

اللہ سے ڈرنا حسن نیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ کی قدرت کا اعتراف بندے کو ہر مقام پر پورا رہنے میں مدد دیتا ہے۔ مقصد حیات کا یقین ہو، مہلت کے محدود ہونے کا علم ہو تو ان صاحب سے بڑا محسن کون ہو سکتا ہے جو اصلاح حال کا پورا علم رکھتے ہوں، اور جن کی اطاعت سے بندہ ظلمات سے نور کی طرف آتے ہوئے مقصود کو پالے۔

حاصل : اللہ سے ڈرنا حسنِ نیت کا ثبوت ہوتا ہے، اور یہ خلوت کی پاکیزگی کو ثابت کرتا ہے۔ اللہ کے پاک بندے کی اطاعت صالح ہونے کی سند ہوتی ہے، اور یہ جلوت کی پاکیزگی کو ثابت کرتی ہے، اور خلوت و جلوت کی پاکیزگی لازم و ملزوم ہے۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ اور میں اس پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو ربّ العالمین پر ہی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ بھلائی کی راہ لو۔ تم لوگ خسارے کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہو۔ مجھے تمہاری راہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ میں قول و فعل میں ہر مقام پر تمہاری راہنمائی کے لئے حاضر ہوں، اور پھر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا۔ جس مالک کل نے مجھے یہ کام عطا کیا ہے، وہی مجھے اجر بھی دینے والا ہے اور اس سے بہتر کوئی اجر دینے والا نہیں۔

حاصل : ناصح کی شان یہی ہے کہ وہ بھلائی کی راہ دکھائے، کبھی لوگوں سے بے پرواہی نہ برتے اور کبھی اجر کا سوال بھی نہ کرے، اور اپنی زبان پاک سے کہے کہ اس کا اجر رب العالمین پر ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ تو اللہ پر تقویٰ کرو اور میری اطاعت کرو۔

اللہ سے ڈرنا، بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والا صورت کی طرف نہیں دیکھتا، صورت بنانے والے کی طرف دیکھتا ہے۔ جس کی اطاعت خوف و حُزن سے نجات دلا سکے اس کی اطاعت ہمیشہ باعث راحت ہوتی ہے۔ اصلاح حال کے لئے اللہ سے ڈرنا اور اللہ کے پاک بندے کی حال پر اطاعت کرنا ضروری ہے۔ خواہشات نفس کے دائرے سے نکلنے کی اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

حاصل : طلب ہدایت موجود ہو تو اللہ سے ڈرنا اور اللہ کے پاک بندے کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔

قَالُوٓا أَنُؤۡمِنُ لَكَ وَٱتَّبَعَكَ ٱلۡأَرۡذَلُونَ ﴿١١١﴾

کہنے لگے کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کا اتباع تو بڑے رذیل لوگ ہی کرتے ہیں۔

جب شرافت کو وسعت مال کے حوالے سے دیکھا جائے تو معاشی طور پر کمزور لوگ رذیل ہی نظر آسکتے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس متاع حیات زیادہ نہیں ہوتی، زندگی کے حقائق کی طرف ان کو آنے میں دیر نہیں لگتی۔ اس لئے حق کو ہر زمانے میں سب سے پہلے ماننے والے ایسے ہی لوگ ہوئے ہیں۔ اشراف کو اپنے مقام و رتبہ کو دیکھ کر چلنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے وہ دعوت حق کو سن کر یہ کہتے ہیں، کہ بات تو آپ کی قابل غور ہے مگر ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو آپ کی پیروی کر رہے ہیں، اشراف کے لئے ممکن نہیں۔ اشراف کا مطالبہ حق پہنچانے والوں سے یہی رہا ہے کہ رذیل لوگوں کو دور کیجئے تاکہ ماحول ساز گار ہو جائے اور آپ کی باتیں سنی جاسکیں۔

حاصل : معاشی طور پر کمزور لوگ حق کو ماننے میں ہمیشہ سبقت کرتے رہے ہیں۔ حق کو پانے کے لئے امتیازات کو ایک طرف رکھ دینا ضروری ہوتا ہے، اور اشراف کے لئے یہ بہت مشکل کام ہوتا ہے۔

قَالَ وَمَا عِلۡمِي بِمَا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ ﴿١١٢﴾

فرمایا مجھے یہ نہیں دیکھنا کہ وہ کام کیا کرتے ہیں۔

جسم کا ہر عضو اپنے اپنے مقام پر بڑی اہمیت رکھتا ہے، جسم میں باہمی ربط سے تمام نظام چل رہے ہیں۔ کوئی عضو دوسرے عضو پر اپنی فضیلت ثابت کرنے کے لئے زور نہیں لگاتا۔ معاشرہ بھی ایک جسم کی مانند ہوتا ہے، جس میں تمام اہل فن اپنا اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ کسی ایک کام کے رک جانے سے اجتماعی زندگی دکھ میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ عزت تو مومنین کی ہوتی ہے، جو مومن نہیں ہے وہ عزت والا نہیں ہو سکتا۔ ہر پیشہ ور مومن ہو سکتا ہے، اس لئے کسی پیشے سے تعلق کی بنا پر کسی کو حقیر جاننا خلاف حق ہے۔

حاصل : ہر پیشے کی اہمیت کو واضح کرنا امن کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ ہر پیشہ ور، ہر فن کار جس کے بغیر معاشرتی زندگی چل نہیں سکتی قابل قدر ہے۔ اس کو کمینہ اور رذیل کہنا قطعاً بے ہودگی ہے۔

إِنۡ حِسَابُهُمۡ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّيۖ لَوۡ تَشۡعُرُونَ ﴿١١٣﴾

ان کا حساب میرے رب ہی پر ہے اگر تمہیں شعور ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: جن لوگوں کو تم بڑے رذیل کہہ رہے ہو، اور جو تمہیں میرا اتباع کرتے نظر آتے ہیں، ان پر ان کو دی گئی توفیق کی نسبت سے کیا حق عائد ہوتا ہے اور وہ اسے کس قدر پورا کر رہے ہیں، یہ حساب تو رب العالمین ہی کر سکتا ہے۔ اس موضوع پر اس کے علاوہ جو بات بھی کی جائے گی وہ بات کرنے والے کی بے شعوری کا ہی ثبوت ہوگی۔

حاصل : اللہ ہی جانتا ہے، کس پر کیا حق عائد ہوتا ہے اور وہ اسے کس قدر پورا کر رہا ہے۔ شعور والے کسی کو اس کے پیشے کے حوالے سے رذیل نہیں کہتے۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ ج

اور میں مومنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔

وہ لوگ جن کو حضرت نوح علیہ السلام کے قریب ہونے میں یہ مشکل نظر آتی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کا اتباع کرنے والے بڑے رذیل لوگ ہیں، اور ان کے ساتھ بیٹھنا اشراف کی عزت کے منافی ہے، ان متکبر لوگوں پر حضرت نوح علیہ السلام نے یہ واضح فرما دیا کہ تمہاری خوشی اگر اس بات میں ہے کہ میں ان غریب مومنین کو اپنے پاس سے دور کر دوں تو میں یہ نہیں کروں گا۔

حاصل : ناصح امین کو وہی عزیز ہوتا ہے جو طلب ہدایت رکھتا ہو۔ طلب ہدایت ہی قلبی صفائی کا ثبوت ہوتی ہے۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ ط

میں تو صریحاً ڈر سنانے والا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مستکبرین سے فرمایا، میں ان مومنین کو اپنے پاس سے ہٹانے والا نہیں ہوں جن کو تم لوگ ارذل کہہ رہے ہو۔ میرا حق یہی ہے کہ میں اپنی قوم کو اس کے انجام سے خوب آگاہ کر دوں۔ جو حق کو سن کر اس کا انکار کرے وہ اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ ہدایت کے طالب یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں میں کثیر لوگ غریب ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک ہادی کے پہچاننے میں اس کے ماحول سے بڑی مدد ملتی ہے۔

حاصل : ڈر سنانے والا اپنا حق ادا کرنے پر نظر رکھتا ہے، لوگوں کی پسند کا لحاظ رکھنے والا پیغام حق پہنچا بھی نہیں سکتا۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ ط

کہنے لگے، اے نوح (علیہ السلام) اگر آپ باز نہ آئے تو ضرور آپ کو رجم کر

دیا جائے گا۔

قوم کے متکبرین نے یہ کہا: اے نوح (علیہ السلام) ہم آپ کو اس راستے پر نہیں دیکھتے، جس پر ہمارے آباؤ اجداد چلتے رہے ہیں۔ یہ بات ناقابل برداشت ہے۔ اگر آپ اپنی موجودہ روش سے باز نہ آئے تو پھر انجام یہی ہو گا کہ قوم آپ کو سنگسار کر دے گی، اور اس قوم سے کوئی ہمارے فیصلے کے خلاف آواز نہ اٹھائے گا۔

حاصل : منکرین حق کو اپنے آباؤاجداد کی روش کا بڑا لحاظ ہوتا ہے، اور وہ اس روش کو خلاف حق کہنے والے سے مقابلے پر اتر آتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾

عرض کی، اے میرے رب میری قوم نے میری تکذیب کی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے بارے میں یہ شہادت دی، کہ اے میرے رب یہ لوگ مجھے جھٹلا چکے ہیں، یہ مجھے تبلیغ حق سے باز رکھنے کے لئے کمربستہ ہیں، اور یہ مجھے سنگسار کرنے کی دھمکی دے چکے ہیں، اب یہ اصلاح کو قبول کرنے کے مقام پر نہیں آسکتے۔

حاصل : جس کی شہادت اللہ کے ہاں سند کا درجہ رکھتی ہے، اسی کی شہادت پر فیصلہ ہوتا ہے۔

فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾

تو میرے اور ان کے مابین فیصلہ فرما دے اور مجھے اور میری معیت میں ایمان والوں کو نجات دے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی اے میرے رب ان کافروں کا ایک دیار بھی زمین پر نہ چھوڑ، اگر تو انہیں چھوڑ دے گا، تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے، اور ان کی اولاد بھی فاجرو کافر ہی ہوگی۔ اس طرح آپ نے ان لوگوں کے ناقابل اصلاح ہونے کی شہادت دی اور اس کے ساتھ ہی دربار الٰہی میں یہ دعا کی کہ اے میرے رب مجھے اور میرے ساتھ ایمان والوں کو اس دکھ سے نجات دے، جو اس ماحول میں ہونے کی وجہ سے ہمیں پہنچ رہا ہے۔

حاصل : منکرینِ حق جب حد اصلاح سے گزر جاتے تھے تو ان کے بارے میں مرسلین یہی دعا کرتے رہے ہیں۔ دکھ وہ ماحول سے نجات دینے والا، اللہ ہی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾

تو ہم نے آپ کو اور جو بھری کشتی میں آپ کے ساتھ تھے، نجات دی۔

وہ لوگ جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، انہیں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ نجات ملی۔ کشتی اللہ تعالی کے حکم سے بنائی گئی تھی، اور ان تمام چیزوں کو حکم الٰہی کے مطابق اس میں سنبھال لیا گیا تھا، جن کو طوفان کے بعد زمین کی آبادی کے عمل میں استعمال کیا جانا تھا۔

حاصل : دکھ سے نجات دینے والا، اللہ ہی ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے، نجات پانے والوں کی بحالی کے لئے کیا کیا درکار ہوگا۔ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾ؕ

پھر ہم نے اس کے بعد باقیوں کو غرق کر دیا۔

جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے، اور جو چیزیں کشتی میں حکم الٰہی کے مطابق سنبھال لی گئیں، ان کو بچا لینا اللہ کو پسند تھا۔ باقی سب صفائی کر دی گئی۔ اور زمین پر سے اس اندھی قوم کو مٹا دیا گیا، جو انسانوں کے بنائے ہوئے اصول و ضوابط کو بڑی اہمیت دیتی تھی اور حق کا انکار کرتی تھی۔

حاصل : جس کے غرق کرنے کا فیصلہ اللہ تعالٰی کی طرف سے کر دیا جائے، اس کو بچانے کی قدرت کسی کے پاس نہیں ہوتی۔ اللہ کی قدرت کے سامنے کسی قوت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے، اور وہ اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔

مذکورہ واقعہ میں ہدایت کے طلب گاروں کے لئے بڑی نشانی ہے۔ مگر جو لوگ اپنی پسند کے دائرے سے نہ نکلیں انہیں ہدایت نہیں ملتی۔ جزا کا یقین ہو تو اصلاح حال کی طرف رغبت طبعی بات ہے۔ ایمان تو وہی لوگ لاتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کریں اور اس ناصح سے محبت رکھیں۔

حاصل : جس ناصح کے گرد غریب لوگ طلب ہدایت کے لئے موجود ہوں، اس سے محبت کا رشتہ استوار کرنا باعث ہدایت و فلاح ہوتا ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٢﴾ ع

اور بے شک تمہارا رب عزیز ہے، رحیم ہے۔

اللہ کی قدرت کے سامنے کسی قوت کا مقام ہی کیا ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ جو لوگ عزت کی راہ اختیار کرتے ہیں، وہی مومن ہیں۔ اور اللہ انھیں اپنے رحم سے نوازتا ہے۔ نشانی کو ڈھونڈنا نہیں پڑتا۔ طلب ہدایت موجود ہو تو نشانی حال پر نظر بھی آتی ہے، مفید بھی ہوتی ہے۔

حاصل : طلبِ ہدایت موجود ہو تو نشانی حال پر نظر بھی آتی ہے، مفید بھی ہوتی ہے۔ ہمارا رب عزت والا، رحم فرمانے والا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (35) میں فرمایا ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾

بے شک اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں، جو علم والے ہیں۔ بے شک اللہ عزت والا بخشنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ عاد نے مرسلین کی تکذیب کی۔

عاد کی طرف حضرت ھود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ حضرت ھود علیہ السلام کی تعلیم سے ماضی کے مرسلین کی تصدیق ہوتی تھی۔ جب حضرت ھود علیہ السلام کو جھٹلایا گیا، تو ان مرسلین کو بھی جھٹلایا گیا جن کی آپ تصدیق کرتے تھے۔ حال سے ہی ماضی کی تصدیق ہوتی ہے۔

حاصل : حال سے ہی ماضی کی تصدیق ہوتی ہے۔ بات حق کے حوالے سے ہونی چاہئے۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ جب ان سے ان کے بھائی ھود (علیہ السلام) نے فرمایا، کیا تم لوگ ڈرتے نہیں۔

حضرت ھود علیہ السلام کی بعثت اسی قوم میں ہوئی، جس میں سے آپ تھے۔ اس طرح اس قوم کے لوگوں نے حضرت ھود علیہ السلام کی حیات طیبہ کے سب مقامات کو دیکھا۔ حضرت ھود علیہ السلام کے لئے بھی کہیں اجنبیت نہ تھی۔ آپ نے مرسلین کی سنت کے مطابق اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں۔ جرأت غفلت، اللہ سے نہ ڈرنے کا ثبوت ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ سے ڈرنا فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے خود سری نہیں کرتے۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾ بے شک میں تمہارے لئے رسولِ امین ہوں۔

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنے تعارف میں اپنی قوم سے فرمایا: میں وہ ہوں جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے ایک امانت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ وہ امانت حق ہے جو تمہارے لئے ماننے کی صورت میں باعث فلاح ہو گا، اور نہ ماننے کی صورت میں باعث خسارہ ہو گا۔ اس حق کو تم پر روشن کرنے کے لئے مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔

حاصل : حق پہنچانے والا، لوگوں کی اہمیت کو اپنے بھیجنے والے کے حوالے سے دیکھتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ — تو اللہ پر تقویٰ کرو، اور میری اطاعت کرو۔

اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ مقصد حیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے، جزا کے یقین کے ساتھ وہ کچھ کیا جائے جس سے پاکیزگی کا ثبوت ملے۔ پیغام حق پہنچانے والے کو اپنا محسن اعظم مانا جائے تو اس کی اطاعت ہو سکتی ہے۔ اللہ سے ڈرنا اور پیغام حق پہنچانے والے کی اطاعت کرنا، لازم و ملزوم ہے۔

حاصل : اللہ سے ڈرنا اور ہدایت دینے والے کی اطاعت کرنا، باعث فلاح دارین ہوتا ہے۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾ — اور میں اس پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو رب العالمین پر ہی ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام نے مرسلین کی سنت کے مطابق یہ فرمایا کہ جس حق کو میں ادا کر رہا ہوں، اس کے بدلے کسی سے کسی اجر کا سوال نہیں کروں گا۔ جس ذات اقدس نے مجھے اس کام پر مامور کیا ہے، وہی سب سے بہتر اجر دینے والا ہے اور وہ رب العالمین ہے۔

حاصل : تبلیغ حق کا اجر رب العالمین ہی دے سکتا ہے۔ کسی دوسرے سے اس کا سوال ہی نہیں ہونا چاہئے۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾ — کیا تم ہر بلندی پر عبث نشان تعمیر کرتے ہو۔

امراء لوگوں کو اپنی برتری کا احساس دلانے کے لئے، عبث کام بھی کرتے ہیں۔ مال کا وہ استعمال جس سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ نہ پہنچے، کسی کام کے عبث ہونے کو ہی ثابت کرتا ہے۔ جو مال حق کے مطابق استعمال نہ ہو وہ خلاف حق ضرور استعمال ہوتا ہے۔ جو مال خلاف حق استعمال ہو اس سے معاشرے میں فساد بھی پیدا ہوتا ہے۔ وسیع المال لوگ ناداروں سے اپنے تعلق کو نہ جانتے ہوں تو پھر وہ عبث کاموں میں ہی مال کو لگاتے رہتے ہیں۔ تمدن، ثقافت یا اس کا کوئی اور نام رکھ لیا جائے، ہوتا یہ فساد ہی ہے۔ حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو درکار ہو وہ ضرور بنایا جائے، عبث تعمیرات کو گناہ سمجھا جائے، تو تعمیرات کے حوالے سے رخ درست ہو جائے گا۔

حاصل : مقصد تعمیر کو حق کے مطابق ہونا چاہئے۔ عبث تعمیر بلند جگہ پر کی ہی اس لئے جاتی ہے کہ دور سے نظر آئے اور لوگ اس سے مرعوب ہوں۔ عبث تعمیرات کو کسی قوم کے اجتماعی شعور کے پست ہونے کی سند ماننا چاہئے۔

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۲۹﴾ اور بڑے محل بناتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کے امراء سے فرمایا: تم لوگ بڑی شان دار عمارتیں بناتے ہو، جو تمہاری ضروریات کے حوالے سے نہیں بنائی جاتیں۔ یہ محلات جو لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے بنائے جاتے ہیں، اللہ کے عطا کردہ مال کو بے جا استعمال کرنے کا ثبوت ہیں۔ مال کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے تو اجتماعی دکھ کم ہونے لگتے ہیں، اور خلاف حق استعمال کیا جائے تو اجتماعی دکھ بڑھنے لگتے ہیں۔ عمارت جو بھی بنائی جائے اس سے جزا کا یقین واضح ہونا چاہئے۔

حاصل : ہماری ہر تعمیر کو جزا پر ہمارے یقین کا مظہر ہونا چاہئے۔

وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿۱۳۰﴾ اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو، تو جبر سے گرفت کرتے ہو۔

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کے زعماء سے فرمایا، کہ جب تم لوگ کسی کو پکڑتے ہو، تو جبر سے اس کو پکڑتے ہو۔ تمہارا منشاء فساد کو مٹانا نہیں ہوتا، فساد کو بڑھانا ہوتا ہے۔ تم لوگ اپنے تکبر کے اظہار کے لئے دوسروں پر جبر کرتے ہو، یہ بڑا ظلم ہے۔ تمہاری قوت حق کی تائید میں نہیں لگتی، تمہارے استکبار میں ہی لگتی ہے۔ تم لوگوں کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام نہیں سکھاتے، یہ جتانے میں لگے رہتے ہو کہ تمہاری پسند کے خلاف کرنے والے کو سختی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حاصل : جب قوت کا استعمال حق کے مطابق نہ ہو تو پھر جو بھی ہو گا ظلم ہی ہو گا۔ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے احترام کو قائم کرنے کے لئے گرفت کرنا فساد کو مٹانے کی صورت ہے، اپنی پسند کو لوگوں پر مسلط کرنا زمین پر فساد پھیلانے کی صورت ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۳۱﴾ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کے امراء سے یہ فرمایا، کہ تم عبث تعمیرات کو اپنا امتیاز بنا رہے ہو۔ ایسے محل بناتے ہو جیسے کہ تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ اور جب گرفت کرتے ہو تو بڑے جبر سے گرفت کرتے ہو۔ یہ سب اللہ سے نہ ڈرنے والی باتیں ہیں، اور یہ سب خسارے کی طرف ہی لے جا سکتی ہیں۔ دنیا و آخرت میں فلاح پانے کے لئے تمہیں اللہ کے رسول کی

اطاعت کرنی چاہئے۔

حاصل : اللہ سے ڈرنے کا دعویٰ ہو تو ناصح کی اطاعت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اور ڈرو اس سے جس نے تمہیں ان چیزوں سے مدد دی، جن کا تمہیں علم ہے۔

اللہ ہر شئے کا خالق ہے۔ اس لئے چیزیں سب اسی کی ہیں۔ اس کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے۔ اس لئے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ چیزوں کے استعمال کا علم بھی جس سے بندوں کو فائدہ پہنچتا ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ ڈر تو ہمیشہ اس بات کا ہونا چاہئے کہ اللہ نے جن چیزوں سے ہمیں مدد دی ہے یہ خلاف حق استعمال نہ ہوں۔ کہ اس سے ہمارا شمار ناشکروں میں ہو جائے گا۔

حاصل : اگر اللہ کی عطا کردہ چیزوں کا استعمال حق کے مطابق ہو رہا ہو تو ہمارا عمل بول کر بتا رہا ہوتا ہے کہ ہم اللہ سے ڈرتے ہیں۔

اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اس نے تمہاری مدد کی چوپایوں سے اور بیٹوں سے۔

حضرت ھود علیہ السلام نے اللہ کی مدد کو روشن کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو دیکھو، اللہ نے تمہیں چوپائے دیئے ہیں، تمہیں بیٹے دیئے ہیں۔ جو اسباب تمہاری کارکردگی کو بہتر بناتے ہیں، وہ اللہ کے دیئے ہوئے ہیں۔ ان کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنے سے فلاح حاصل ہوتی ہے، اور ان اسباب کو خلافِ حق استعمال کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کی مدد کا شکریہ ادا کرنے کے لئے حق کی احسن ادائیگی کو مقصود بنانا چاہئے۔

وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اور باغوں اور چشموں سے۔

حضرت ھود علیہ السلام نے اللہ کی مدد کو روشن کرتے ہوئے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ نے تمہیں باغ عطا کر کے تمہاری مدد کی ہے، تمہیں چشمے عطا کر کے تمہاری مدد کی ہے۔ اور یہ نعمتیں ایسی نہیں ہیں جن کو تم اپنی کاوش سے حاصل کر سکتے ہو۔ اور ایسی بھی نہیں ہیں کہ ان کے بغیر تمہارا معیار زندگی قائم رہے۔ تو پھر ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی راہ کیوں اختیار نہیں کرتے۔ ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرو گے تو اللہ سے ڈرنا اور میری اطاعت کرنا لازم ہو گا۔

حاصل : باغ اور چشمے، اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ ان کی قدر کرنی چاہئے، اور ان کا استعمال حق کے مطابق ہونا چاہئے۔

إِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾ بے شک مجھے خوف ہے کہ تم پر ایک ہولناک دن کا عذاب آئے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہوئے فرمایا کہ جو راستہ تم لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے، اس راستے پر تمہیں ایک ہولناک دن میں پکڑ لیا جائے گا، پھر تم کچھ بھی نہ کر سکو گے اور عذاب الٰہی تمہیں مٹا کے رکھ دے گا۔ جس نے تمہیں متاع حیات دی ہے، جس نے تمہیں مہلت دی ہے، اس کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھو، خلاف حق کرتے کرتے عمل کے لئے دیا گیا وقت تم ضائع کرتے چلے جا رہے ہو۔

حاصل : جو قوم خلاف حق کرنے کو اپنا معمول بنالے، وہ ایک دن عذاب الٰہی میں پکڑی جاتی ہے۔

قَالُواْ سَوَآءٌ عَلَيۡنَآ أَوَعَظۡتَ أَمۡ لَمۡ تَكُن مِّنَ ٱلۡوَٰعِظِينَ ﴿١٣٦﴾ کہنے لگے ہم پر برابر ہے، آپ ہمیں وعظ کریں، یا آپ واعظ نہ بنیں۔

قوم نے حضرت ہود علیہ السلام کو جواب دیا کہ آپ کا وعظ ہم پر کوئی اثر نہیں رکھتا۔ اس لئے آپ وعظ کریں یا وعظ نہ کریں، ہمارے لئے یہ برابر ہے۔ وعظ کرنے کی صورت میں آپ کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی جائے گی، اور وعظ نہ کرنے کی صورت میں اجتماعی زندگی میں کمی کی محسوس نہیں ہوگی۔ ہم آپ کے وعظ کو کس طرح دیکھتے ہیں، یہ آپ کے سامنے ہے۔ اب آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کو وعظ جاری رکھنا ہے، یا اسے ختم کرنا ہے۔

حاصل : وعظ کرنے والے کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔ اس کے فرمودات پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہی کا اعتراف کرنا بھی ادب ہے۔ واعظین کا ادب نہ کرنے والے عذاب الٰہی کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔

إِنۡ هَٰذَآ إِلَّا خُلُقُ ٱلۡأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ یہ تو بس پہلے لوگوں کا طریقہ ہے۔

قوم نے حضرت ہود علیہ السلام کو یہ جواب دیا، کہ جس طرح کی باتیں آپ کر رہے ہیں اس طرح کی باتیں، اسی طرح کا وعظ پہلے بھی کچھ لوگ کرتے رہے ہیں۔ آج یہ وعظ ہمیں سنایا جا رہا ہے، اس سے قبل یہ وعظ ہمارے آباؤ اجداد کو سنایا جاتا تھا۔ بعض لوگ اس طرح کے وعظ کو طرز زندگی بنا لیتے ہیں یہ بات قطعاً ہمارے لئے عجیب نہیں ہے۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہی کچھ ہمارے بڑے کرتے رہے ہیں، جو کچھ ہم آپ سے سن رہے ہیں یہی کچھ ہمارے بڑے بھی کسی سے سنتے رہے ہیں۔

حاصل : کافر حق کی اہمیت کو کبھی نہیں مانتے۔ تبلیغ حق کو پہلوں کی کہانیاں کہہ کر لاحاصل باتیں

ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ اور ہمیں عذاب نہیں ہو گا۔

جس عذاب سے حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو آگاہ کیا، اس کے بارے میں لوگوں نے یہ کہا کہ یہ عذاب ہم پر ہرگز نہیں آئے گا۔ ہمارے اعمال کو زمانے کے تغیرات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہر قوم کی زندگی میں اتار چڑھاؤ ہوتا ہی ہے اور اس کا ان کے عقائد سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

حاصل : حق کا انکار کبھی سند کے ساتھ نہیں ہوا۔ طلبِ ہدایت نہ ہو تو ہدایت کا حاصل ہونا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ تو ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی پھر ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، بے شک اس میں نشانی ہے، اور وہ اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

قوم کے سرداروں نے حضرت ھود علیہ السلام سے یہ کہا، کہ ہم آپ کو بے وقوف جانتے ہیں اور آپ کی باتوں پر بالکل یقین نہیں کرتے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی بندگی کریں اور ان سب کو چھوڑ دیں جن کی بندگی ہمارے آباواجداد سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم مجھ سے محض ان ناموں پر جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ لئے ہیں۔ تو اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو، میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ حق کا قطعی انکار کرنے پر منکرین حق سے یہ فرما دیا گیا، بے شک تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے منکرین حق کی جڑ کاٹ دی اور حضرت ھود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نوازا۔ نشانی ملاحظہ ہو، کہ جو لوگ اللہ کی عطا کو عبث تعمیرات میں ضائع کرتے ہوں، شان دار محلات بناتے ہوں جیسے انہیں ہمیشہ نہیں رہنا ہے، جب کسی پر گرفت کریں تو اپنا خلاف حق دبدبہ قائم کرنے کی کوشش کریں اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کرتے چلے جائیں، تو ایسے لوگ ہدایت کے طالب نہیں ہوتے۔ وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔ عذابِ الٰہی ان کو نابود کر کے رکھ دیتا ہے۔

حاصل : حق کا انکار باعث ہلاکت ہوتا ہے۔ سابقہ واقعات سے سبق لینا چاہئے۔ ایمان لانے والے اپنی نشانیوں سے پہچانے جاتے ہیں، ایمان نہ لانے والے بھی اپنی نشانیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾ اور بے شک تمہارا رب ضرور عزیز ہے، رحیم ہے۔

ہمارا رب ہی رب العالمین ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ باعزت ہونے کے لئے اللہ کو ماننا ضروری ہے۔ اور اللہ کے رحم سے فیض یاب ہونے کے لئے بھی اللہ کو ماننا ضروری ہے۔ جو سلامتی کا راستہ اختیار نہ کرے وہ خسارے سے بچ نہیں سکتا۔

حاصل : اپنے رب کو ماننا ہمارے لئے باعث عزت ہوتا ہے اور باعث رحمت ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ھود (11) میں ارشاد فرمایا ہے:
فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾
پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو میں تمہیں پہنچا چکا جو میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا گیا تھا، اور میرا رب تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے، بے شک میرا ربّ ہر شے پر نگہبان ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ ثمود نے مرسلین کی تکذیب کی۔

ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ قوم عاد کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ثمود نے بھی حال پر حق کا انکار کر کے مرسلین کی تکذیب کا ارتکاب کیا۔ مرسلین کی تکذیب سے ہی کسی قوم کی داستان ہلاکت شروع ہوتی ہے۔

حاصل : حال پر حق کا انکار ان تمام حضرات کا انکار ہے، جنہیں ماضی میں حق پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ جب انہیں ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے فرمایا، کیا تم ڈرتے نہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو پیغام حق پہنچاتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔ جو پہلے منکرین حق کو ہلاک کر چکا ہے، اس کے لئے تمہارا مٹا دینا کیا مشکل ہے۔ وہ غفلت جو پہلے لوگوں کی ہلاکت کا باعث بنی ہے، وہی غفلت تمہارا معمول ہے۔ جس انجام کو پہلے منکرین حق پہنچ چکے ہیں، اس انجام سے تم کیسے بچ سکو گے۔

حاصل : خلاف حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا، پاک لوگوں کی شان ہے۔ اللہ کے عذاب سے ڈرانے والوں کو اپنا ہی خواہ ماننا چاہئے اور ان کی قدر کرنی چاہئے۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: میں وہ بندہ ہوں، جسے اللہ نے تمہاری طرف ایک امانت کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں اس امانت کے حق کو ادا کرنے کے لئے حاضر ہوں۔

حاصل : جس کو حق پہنچانا ہو، اسے اس کی اہمیت کا احساس بھی دلانا ضروری ہوتا ہے اور اس سے اپنا تعلق بھی بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ تو اللہ پر تقویٰ کرو اور میری اطاعت کرو۔

اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ جزا کے یقین کے ساتھ حال پر اصلاح طلب مقامات کو پہچانا جائے، غفلت سے قطعاً اجتناب کیا جائے اور من مانی کرنے کو باعث گمراہی مان لیا جائے۔ اور حق پہنچانے والے کی اطاعت یہ ہے کہ اس کے احکام کو ادب سے مانا جائے، جاننے کا مقام آتا رہے گا۔ اگر اس کے ارشاد کو حکمت و مصلحت کے پیمانوں سے ناپ کر مانا جائے گا تو اس ذات بابرکات سے وہ تعلق بھی نہیں بنے گا جو بننا چاہئے، اور اس کی اطاعت کا حق بھی ادا نہیں ہو پائے گا۔

حاصل : اللہ سے ڈرنا، طلبِ ہدایت کی نشانی ہے۔ طلبِ ہدایت ہو تو فلاحِ دارین کا علم رکھنے والوں سے جو فائدہ پہنچ سکتا ہے، وہ کسی دوسری جگہ سے نہیں پہنچ سکتا۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اور میں تم سے اس پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو ربّ العالمین پر ہی ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: میں ربّ العالمین کی طرف سے جس کام پر مامور کیا گیا ہوں، وہی مجھے اس کا اجر دینے والا ہے۔ میں تم لوگوں سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ مرسلین کی سنت یہی رہی ہے، کہ وہ حق کی احسن ادائیگی کے بعد اپنا اجر رب العالمین پر بتاتے ہیں۔

حاصل : تبلیغِ حق کے پیچھے اجر کا سوال موجود ہو تو حق کی ادائیگی میں اللہ کی رضا مقصود نہیں ہوگی۔ ربّ العالمین سے بہتر کوئی اجر دینے والا نہیں ہے۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ کیا تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھٹکے چھوڑے رکھیں گے۔

حیاتِ دنیا کی زینت کو رکھا ہی اس لئے گیا ہے، کہ یہ دیکھا جائے کون اس کو حق کے مطابق استعمال کرتا ہے اور کون اس کو خلاف حق استعمال کرتا ہے۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت محدود ہوتا ہے، اور اسی وقت میں ہر ایک کو اپنی صداقت کا ثبوت دینا ہوتا

ہے۔ غفلت میں پڑے رہنا خلاف عقل ہے۔ جو سہولتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں ان کو لاانتہا ہی جاننا بھی درست نہیں ہے، پھر عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے گزر جانے کے بعد اصلاح کو قبول کرنا نفع بھی نہیں دیتا۔

حاصل : غفلت میں پڑے رہنا، حق کو ماننے والوں کی نشانی نہیں ہے۔

فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ باغوں اور چشموں میں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نعمتوں کی طرف متوجہ کیا، اور دعوت فکر دی، کہ باغ اور چشمے جس مالک کل نے عطا کیے ہیں، حق بھی اسی کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور اسی کے حکم سے پہنچایا جا رہا ہے۔ اگر تمہارے خلاف حق کام جاری رہیں گے تو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری ہو جائے گی۔ نعمت کی قدر و قیمت معلوم ہو اور نعمت کے بے بدل ہونے کا پتہ ہو، تو نعمت عطا کرنے والے کی رضا کے خلاف کرنے کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے۔

حاصل : نعمتیں اتمام حجت کا حصہ بھی ہوتی ہیں، ناشکری کرنے والے جلد اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔

وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾ اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم ہے۔

کھیتوں اور کھجوروں کی اہمیت لوگوں کے علم میں ہے، اور کھجوریں بھی وہ ہوں جن کا گابھا ملائم ہو تو وہ بڑا امتیاز جانا جاتا ہے۔ ان نعمتوں کے حصول میں کئی مقامات آتے ہیں۔ ہر ہر مقام پر یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی پرورش اور حفاظت رب العالمین کے علم سے ہو رہی ہے۔ نعمت کی قدر ہو تو نعمت عطا کرنے والے سے تعلق کو بڑھنا چاہئے۔ اگر نعمت کو اپنی محنت کی بدولت دیکھا جائے تو رخ درست نہیں رہے گا، پھر ناشکری ہی ہو گی۔

حاصل : نعمتیں اللہ عطا کرتا ہے۔ عطاء الٰہی کی قدر معلوم ہو تو بندگی کا حق بہتر طور پر ادا ہونا چاہئے۔

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ اور پہاڑوں سے گھر تراشتے ہو، اتراتے ہوئے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کے امراء پر واضح فرمایا، کہ تم لوگ محض اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے پہاڑوں کو تراش کر پر تکلف گھر بناتے ہو۔ اس قدر وقت، قوت اور سرمایہ ضائع کر کے گھر بنانا جس میں تمہیں ہمیشہ نہیں رہنا ہے یقیناً خلاف عقل ہے اور اسراف ہے۔ اس طرح اجتماعی بھلائی کے کاموں پر اپنی توجہ مرکوز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دیکھو جس اللہ نے پہاڑ بنائے ہیں، اس کے سامنے پتھروں کو تراشنے والے کتنی قدرت رکھتے ہیں۔ پہاڑ بنانے والا، انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑانے کی

قدرت بھی رکھتا ہے۔

حاصل : رہائش کو پر تکلف نہیں ہونا چاہئے۔ ضروریات زندگی کے لئے اہتمام ہو مگر لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش ہر گز نہ ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت صالح علیہ السلام نے عاقبت نااندیشوں پر یہ روشن کر دیا کہ تم لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت سے بہت سا وقت ضائع کر چکے ہو۔ حال پر ہی اصلاح کو قبول کرنا تمہارے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ سلامتی کا راستہ ایک ہی ہے، کہ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ دنیا میں بھی تمہارا بھلا ہو گا، آخرت میں بھی تمہارا بھلا ہو گا۔

حاصل : خلوت میں اللہ کی رضا کو مقصود بنانا اللہ سے ڈرنا ہے، جلوت میں اسوہ رسول کے مطابق رہنا حق کی اطاعت ہے۔

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾ اور اسراف کرنے والوں کے امر کی اطاعت نہ کرو۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تاکید کی، کہ اسراف کرنے والے لوگوں کا حکم نہ مانا کرو۔ جو لوگ حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دیتے ہیں، ان کا رخ روشنی سے اندھیرے کی طرف ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی اطاعت سے ظلمات کو عروج ملتا ہے۔ وسیع المال ہونے کی وجہ سے اسراف کرنے والے دوسروں کو واجب الاطاعت نظر آتے ہیں۔ مگر اسراف کرنے والے ہمیشہ خلاف حق کرتے ہیں، اور ہمیشہ خلاف حق کرنے کا حکم دیتے ہیں، اس لئے ان کی اطاعت سے کسی کا بھلا نہیں ہو سکتا۔

حاصل : جو لوگ حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دیتے ہوں وہ مسرف ہوتے ہیں، ان کی اطاعت نہ کرنے کا حکم ہے۔

الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾ وہ لوگ جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

اسراف کرنے والے لوگ زمین میں حق کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہ اپنی پسند لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہی فساد ہے اور لوگوں کو سلامتی کی راہ سے ہٹانا ہے۔ جب لوگ اپنی اپنی پسند کو حق کے مقابل اہمیت دیں گے تو امن قائم نہیں رہ سکتا۔ اسراف کرنے والے کبھی اصلاح نہیں کرتے۔ اپنے کام کو اجتماعی بھلائی کے بڑے بڑے ناموں سے جاری رکھتے

ہیں مگر عملاً راستے وہی کھولتے ہیں جن سے لوگوں کو خواہشات نفس کی پیروی کی ترغیب ملے۔

حاصل : اسراف کرنے والے ہمیشہ زمین میں فساد پھیلا رہے ہوتے ہیں۔ وہ جس عنوان کے تحت بھی کام کریں اس کا منشاء کبھی اصلاح نہیں ہو سکتا۔

قَالُوٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ کہنے لگے آپ یقیناً سحرزدہ لگتے ہیں۔

امراء نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کا وعظ سننے کے بعد یہ کہا، کہ آپ پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ سحرزدہ ہونے کی وجہ سے آپ ایک ہی طرح کی باتیں کرتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ کا مقام، آپ کا مرتبہ اگر آپ کو معلوم ہو تو آپ کو اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

حاصل : خواہش اور غرض و غایت کے تحت بولنے والوں کو حق کی بات کرنے والا سحرزدہ معلوم ہوتا ہے۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ آپ تو ہماری مثل بشر ہی ہیں تو لائیے نشانی اگر آپ سچے ہیں۔

امراء قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کا وعظ سننے کے بعد یہ کہا، کہ آپ تو ہماری ہی طرح کے بشر ہیں۔ رسول ہونے کی سند دیکھ کر ہی آپ کی صداقت کو مانا جا سکتا ہے۔ تو آپ کوئی نشانی لائیے، جو آپ کی رسالت کا ثبوت بنے۔ جب بھی کسی قوم نے اللہ کے رسول سے اس کی صداقت کی سند مانگی ہے، تو ایسی سند مانگی ہے جس کی وضاحت سے انسان عاجز ہو۔ اللہ کی قدرت کا وہ کرشمہ بھی جس کی وضاحت سے انسان عاجز ہو، انسان کو ماننے کے مقام پر کھڑا نہیں رکھ سکتا۔ طلب ہدایت نہ ہو تو معجزات کے دیکھ لینے کے بعد بھی لوگ من مانی ہی کرتے رہے ہیں۔ معجزہ طلب کرنا اور مطلوبہ معجزہ دیکھ لینے کے بعد خلاف حق کرنا، منکرین حق کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔

حاصل : جس کو ہم اپنی مثل کہیں گے، اس کی تعظیم اور توقیر نہیں ہو سکے گی، اس کے علم سے استفادہ کیسے ہو گا۔ نشانی طلب کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے، کہ ہم سنجیدگی کے اس مقام پر ہیں، کہ حق کو مان لینے کے بعد ہم من مانی کرنے سے باز آجائیں گے۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۚ﴿۱۵۵﴾ فرمایا یہ اونٹنی ہے، ایک باری اس کے لئے پانی پینے کی ہے اور ایک دن تمہارے لئے باری کا بتایا گیا ہے۔

قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے جس طرح کی نشانی مانگی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ نشانی پیدا کر دی گئی جیسی وہ مانگی گئی تھی۔ وہ ایک اونٹنی تھی، جسے اللہ کی اونٹنی فرمایا گیا۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا، کہ جس دن گھاٹ پر یہ اونٹنی پانی پیئے گی، باقی جانور نہیں پییں گے، اور جس دن باقی جانوروں کی باری ہوگی، یہ اونٹنی پانی نہیں پیئے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نشانی وہی تھی جو لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی رسالت کی سند کے طور پر مانگی تھی۔ اس نشانی کا احترام بھی ضروری تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقف لازم کا حکم کر دیا گیا۔

حاصل: تبلیغ حق کرنے والے سے اس کی صداقت کی سند مانگنے والوں کو وہ مطلوبہ سند دیکھ کر تبلیغ حق کرنے والے صاحب کی اطاعت میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵۶﴾

اور اسے برائی سے مس نہ کرنا پھر تمہیں یوم عظیم کا عذاب پکڑ لے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا لوگو تمہاری مطلوبہ نشانی یہ اللہ کی اونٹنی ہے، اس کا ادب کرو، جہاں سے یہ کھائے اسے مت روکو۔ اس کو برائی سے مس کروگے تو اس سے یہ ثابت ہو جائے گا، کہ تم نے اللہ کے رسول کی صداقت کی روشن سند دیکھ لینے کے بعد، عملاً اس کا انکار کیا ہے۔ پھر تمہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔ ایک دن تم پر عذاب آئے گا، اور وہ دن تمہارا آخری دن ہو گا، اور تم مٹا کر رکھ دیئے جاؤ گے۔

حاصل: مطلوبہ نشانی کو دیکھ لینے کے بعد بھی جو حق کو نہ مانے، عذابِ الٰہی یقیناً اس کو پکڑ لیتا ہے۔

فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿۱۵۷﴾

تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں، پھر وہ صبح کو پچھتاتے رہ گئے۔

ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی صداقت کی جو نشانی مانگی تھی، اسی نشانی کو برائی سے مس کرنے کے مرتکب ہوئے۔ اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر یہ کہنے لگے، اے صالح اگر آپ مرسلین سے ہیں تو لے آیئے وہ عذاب جس سے آپ ڈرایا کرتے ہیں۔ ان پر زلزلے کی صورت میں عذاب آیا، تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ حق کا انکار کرنے پر وہ نادم تھے، مگر اصلاح کو قبول کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔

حاصل: عرفانِ حق کے لئے جو نشانی طلب کی جائے اس کی بے حرمتی باعث گرفت ہوتی ہے۔ وہ ندامت باعث عبرت ہوتی ہے، جس کے بعد اصلاح کو اختیار کرنا ممکن نہ ہو۔

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾

تو انہیں عذاب نے پکڑ لیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ماننے والے نہیں۔

ثمود نے جس نشانی کو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے کے لئے شرط کے طور پر طلب کیا تھا، انہوں نے اسی نشانی کو ناقابل برداشت جانتے ہوئے کاٹ دیا تو انہیں عذاب الٰہی نے پکڑ لیا۔ وہ ہدایت کے طالب ہوتے تو حق کو ماننے کے لئے جو نشانی انہوں نے مانگی تھی۔ اس نشانی کو پالینے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرتے۔ جو حق کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے میں لگے رہیں وہ کب ایمان لاتے ہیں۔

حاصل : سابقہ واقعات سے سبق لینا بھلے لوگوں کا طریق زندگی ہے۔ ہدایت انہیں ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتے ہیں۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾ ع

اور بے شک تمہارا رب عزیز ہے، رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ جو حق کا انکار کرتا ہے، وہ اس انجام کو ضرور پہنچتا ہے، جس سے اس کو آگاہ کیا جاچکا ہوتا ہے۔ اللہ کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر موجود ہے۔ جو حق کو مان لے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم ہی کیا جاتا ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کے ہیچ ہونے کو دیکھنا چاہئے۔ حق کو مان لینا باعث رحمت الٰہی ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل (27) میں قوم ثمود کے متعلق فرمایا ہے۔

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾

تو یہ ان کے گھر ڈھے پڑے ہیں، اس لئے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔ بے شک اس میں علم والے لوگوں کے لئے نشانی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ ج

قوم لوط نے مرسلین کی تکذیب کی۔

حق فرمان خداوندی ہے۔ اس کے ماننے والے ہمیشہ مسلم کہلاتے رہے ہیں۔ حق کا انکار ہمیشہ اور ہر زمانے میں جرم مانا گیا ہے۔ مخلصین کا وجود واحد ہوتا ہے، کہ ان کا مقصود واحد ہوتا ہے۔ اس لئے حال پر کسی مخلص کا انکار ماضی کے مخلصین کا بھی انکار ہی ہوگا۔ اللہ کے بھیجے ہوئے کا انکار ہی اللہ کا انکار ہے۔ ماضی کے واقعات میں ہدایت کے طلب گاروں کے لئے نور ہدایت موجود ہوتا ہے۔

حاصل : تبلیغ حق کرنے والوں کو کبھی جھٹلانا نہیں چاہئے۔ کسی ایک کا انکار سب کا انکار ہوگا، کہ

مخلصین کا وجود واحد ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ جب ان سے ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے فرمایا، کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا : کیا تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں۔ جس نے تمہیں متاع دی ہے، جس نے تمہیں توفیق دی ہے، وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا بھی دے گا اور اللہ کی قدرت کے احاطے سے نکل جانا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

حاصل : اللہ سے ڈرنے والے اپنے قول کی حفاظت کرتے ہیں، اپنے حال اور اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ سے ڈرنا اخلاق حسنہ کی جان ہے۔ اللہ کا ڈر نہ ہو تو اخلاق ضرور بگڑ جاتا ہے۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ بے شک میں تمہارے لئے رسولِ امین ہوں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا : اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ مجھے وہ امانت عطا فرمائی گئی ہے، جس کے ماننے میں یقیناً تمہاری فلاح ہے۔ اللہ کی رضا کے مطابق میں وہ امانت آپ لوگوں تک پہنچانے والا ہوں۔

حاصل : اللہ کے رسول اپنے تعارف میں یہی فرماتے رہے ہیں: لوگو ہمیں اپنا بھی خواہ جانو، ہم سے زیادہ کسی کو تمہاری بھلائی عزیز نہیں ہے، کہ ہمیں اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور تمہاری فلاح کے یقینی علم کی امانت ہمیں عطا فرمائی ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

رسولِ امین سے فیض حاصل کرنے کے لئے اللہ کا ڈر ہونا چاہئے اور حق کی اطاعت ہونی چاہئے۔ اللہ کا ڈر ہو تو طلب ہدایت موجود ہوتی ہے اور طلب ہدایت موجود ہو تو نور ہدایت تقسیم کرنے والے کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح وہ انعامات ملتے ہیں جو بندوں کو خوف و حزن سے پاک رہنے میں مدد دیتے ہیں۔

حاصل : اللہ کا ڈر ہو تو طلب ہدایت موجود ہوتی ہے۔ طلب ہدایت موجود ہو تو نور ہدایت تقسیم کرنے والے کی اطاعت سے بڑی راحت ملتی ہے۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ اور میں تم سے اس پر کسی اجر کا سوال نہیں

اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾ کرتا، میرا اجر تو رب العالمین پر ہی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: تمہاری بھلائی کے لئے میں جو کچھ بھی کرتا ہوں اور جو کچھ بھی کروں گا میں اس کا اجر تم سے نہیں مانگتا۔ جس نے مجھے یہ کام عطا کیا ہے اس سے بہتر اجر دینے والا کوئی نہیں۔ میرا اجر اس پر ہے جو رب العالمین ہے۔ تم لوگ اس یقین کے ساتھ میرا کہا مانو کہ میری طرف سے تم پر کوئی بوجھ نہیں پڑے گا۔

حاصل : تبلیغ حق کرنے والوں کی ایک نشانی ہمیشہ یہ رہی ہے، کہ وہ کسی اجر کا سوال نہیں کرتے اور وہ کہتے ہیں کہ ان کا اجر رب العالمین پر ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾ کیا جہان سے مردوں پر شہوت رانی کو دوڑتے ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان سے کسی نے نہیں کی، تم صنف ذکور پر شہوت رانی کو دوڑتے ہو۔ بے حیائی بڑھتے بڑھتے جب قومی رویہ بن جائے تو اس سے لوگوں کو روکنے کی کوشش بہت بڑا کام ہو جاتا ہے۔

حاصل : مردوں سے شہوت رانی کرنے والے بے حیائی کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ اور انہیں چھوڑتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے لئے ازواج بنائی ہیں، بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت کے لئے جاتے ہو، تم اسراف کرنے والے لوگ ہو۔ بقاء نسل کے لئے اللہ نے مرد و عورت کا جوڑا بنایا ہے۔ اس جنسی تعلق کے لئے آداب ہیں، اس کی حدود ہیں، اور یہ تعلق صرف شہوت رانی کے لئے نہیں ہوتا۔ اگر عورتوں کو چھوڑ کر صنف ذکور سے شہوت رانی کی جائے تو یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود سے بغاوت ہے اور جہالت ہے۔

حاصل : بقاء نسل کے لئے اللہ کے مقرر کردہ طبعی راستے کو چھوڑ دینا، حدود اللہ سے تجاوز ہے اور اسراف ہے۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ کہنے لگے اے لوط (علیہ السلام) اگر آپ

مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ باز نہ آئے تو یقیناً آپ کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

قوم نے حضرت لوط علیہ السلام کا وعظ سننے کے بعد یہ جواب دیا کہ اس نصیحت کو ختم کیجئے، بہت ہو چکا آپ کا وعظ۔ اس بستی میں آپ کو رہنا ہو تو پھر وعظ کو ختم کرنا ہو گا، اور اگر آپ اس وعظ سے باز نہ آئے تو پھر آپ کو اس بستی سے نکال دیا جائے گا۔

حاصل : ناپاک عادات کی طرف جب کسی قوم کی رغبت انتہا کو پہنچ جائے تو انہیں پاک لوگوں کی بات سننا بھی گوارہ نہیں ہوتا۔

قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ فرمایا بے شک میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی دھمکی کو سنا تو آپ ان کی بے حیائی کے انتہا کو پہنچ جانے پر شاہد ہو گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام تو ربّ العالمین کے بھیجے ہوئے تھے۔ اس لئے لوگوں سے خوفزدہ ہونے کا تو کوئی مقام ہی نہ تھا۔ آپ نے اپنی قوم پر واضح فرما دیا۔ کہ میں تمہاری ناپاکی سے بالکل بےزار ہوں، اور اس بیزاری کا اظہار نہ کرنا، ممکن نہیں۔

حاصل : اللہ کے پاک بندوں کو ناپاکی سے بیزاری ہوتی ہے، اور جن اعمال سے اللہ کے پاک بندے بیزار ہوں وہ اعمال یقیناً ناپاک اور قابل نفرت ہوتے ہیں۔

رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ اے میرے ربّ مجھے اور میرے اہل کو اس سے نجات دے جو عمل یہ کرتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ قوم حق کے انکار سے باز آنے والی نہیں، اور اسی راستے پر جا رہی ہے جس راستے پر یہ عذاب الٰہی میں پکڑی جائے گی، اپنے رب سے دعا کی: اے میرے رب مجھے اور میرے اہل کو جن میں وہ سب لوگ شامل ہیں، جو میرے ساتھ قلبی تعلق رکھتے ہیں اور عملاً میرا اتباع کرتے ہیں، نجات دے اور ہمیں اس انجام کے اثرات سے بچا جو اس قوم کی بداعمالی کی وجہ سے اس پر مسلط ہونے والا ہے۔

حاصل : جس کے عمل غیر صالح ہوں وہ اللہ کے پاک بندے کے اہل میں شمار نہیں ہوتا۔ اظہارِ بندگی میں یہ مقام بھی آتا ہے کہ اپنے ربّ سے یہ دعا کی جاتی ہے، کہ اے میرے ربّ مجھے اور میرے اہل کو اس انجام کے اثرات سے بچا جو انجام منکرینِ حق پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے مسلط

ہونے والا ہے۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ پھر ہم نے آپ کو اور آپ کے اہل کو اکٹھے نجات دی۔

حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کا اتباع کرنے والے سب لوگ، حضرت لوط علیہ السلام کی معیت میں حکم خداوندی کے مطابق اس مقام پر چلے گئے، جو انہیں بتا دیا گیا تھا، اور اس وقت سے پہلے چلے گئے جو انہیں معلوم تھا۔ اللہ نے ان پاک لوگوں کی حفاظت کا اہتمام جس مقام پر کر رکھا تھا، اس مقام پر ان لوگوں کے پہنچ جانے کے بعد لائقِ عذاب اور لائق نجات لوگوں کے مابین حد واضح ہو گئی۔ عذابِ الٰہی کے نزول سے پہلے یہی ہوا کرتا ہے۔

حاصل : صالح ہی پاک لوگوں کے ساتھ سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ عذابِ الٰہی کے نزول سے پہلے پاک لوگوں کی حفاظت کا اہتمام کر دیا جاتا ہے۔ جب لائقِ عذاب اور لائقِ نجات لوگوں کے مابین حد فاصل واضح ہو جائے تو نزولِ عذاب میں دیر نہیں لگتی۔

اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ مگر ایک عورت پیچھے رہنے والوں میں ہوئی۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی آپ پر ایمان لانے والوں میں شامل نہ تھی۔ حضرت لوط سے طبعی قرب کے باوجود یہ عورت کافروں کے ساتھ کو پسند کرتی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام سے دغا کرتی تھی، اس لئے یہ ان لوگوں میں شامل نہ تھی، جن کو اس مقام سے نکالنا ضروری تھا جہاں عذاب الٰہی آنے ہی والا تھا۔ ظاہری قرب اگر باطنی تعلق کے ساتھ ہو تو باحقیقت ہوتا ہے ورنہ بے حقیقت ہوتا ہے۔

حاصل : پاک بندے کا ظاہری قرب اگر صالح اعمال کے بغیر ہو تو وہ قطعاً بے حقیقت ہوتا ہے۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ پھر دوسروں کو ہم نے دے مارا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سے جن لوگوں کو اللہ نے نجات دینی پسند کی، ان کو اس مقام پر پہنچنے کا حکم دیا گیا، جسے اللہ نے ان کے لئے محفوظ بنایا تھا۔ جب وہ وہاں پہنچ گئے، تو بستی میں باقی وہی لوگ رہ گئے جو لائقِ عذاب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بستی کو الٹ دیا اور انہیں عبرتناک سزا دی۔

حاصل : اللہ کبھی لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ فساد کو مٹانے کے لئے ان لوگوں کو مٹا دینا ضروری ہوتا ہے جو فساد کو منشاء حیات بنا لیتے ہیں۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿١٧٣﴾

اور ہم نے ان پر ایک برساؤ برسایا، تو کیا ہی بُرا برساؤ تھا جو ان پر برسا جنہیں انجام سے ڈرایا گیا تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا۔ ان پر ایک بارش برسائی گئی جو ہولناک سزا کی صورت میں تھی۔ جس انجام سے ان لوگوں کو ڈرایا گیا تھا اور جس کی ان لوگوں نے پرواہ نہ کی تھی، اس عبرتناک انجام نے ان کو بچھا کر رکھ دیا۔

حاصل : عذابِ الٰہی کے سامنے کسی قوم کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا بڑے علم سے دی جاتی ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور وہ اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

اسراف کرنے والے لوگ بے حیائی کو رواج بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ بُرائی پھیل جائے اور لوگ اسے انسانی تہذیب کا حصہ جان لیں۔ انہیں ان کے انجام سے ڈرایا جائے تو وہ بے پرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ عذاب الٰہی انہیں مٹا کر رکھ دیتا ہے۔ جن کو ہدایت کے مقابل فساد عزیز ہوتا ہے وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔

حاصل : بے حیائی کو جس نام سے بھی پھیلایا جائے اس کا انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ اسراف کرنے والے ایمان نہیں لایا کرتے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾

اور بے شک تمہارا رب ضرور عزیز ہے رحیم ہے۔

اللہ کی قدرت کے سامنے کسی طاقت کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ماضی کی اقوام کا حال بیان فرما کے اللہ نے آئینۂ قدرت ہمارے سامنے رکھا ہے، کہ ہم اس میں اپنے آپ کو دیکھ سکیں اور اپنے انجام کو بھی دیکھ سکیں۔ اصلاح حال کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔

حاصل : ہمیں اپنے رب کی جو رب العالمین ہے، قدر کرنی چاہیے۔ ہمیں عزت کی راہ لینی چاہیے پھر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب (33) میں ارشاد فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾

تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اس کے لئے جو اللہ کی اور یوم آخر کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧٦﴾ ایکہ والوں نے مرسلین کی تکذیب کی۔

ایکہ والے اور مدین والے ایک ہی لوگ تھے۔ دنیاوی آسانیاں انہیں حاصل تھیں۔ ان لوگوں کو بھی جب اصلاح حال کی طرف متوجہ کیا گیا، تو انہوں نے حال کا انکار کر کے ماضی کا بھی انکار کیا۔ مخلصین کا وجود واحد ہوتا ہے، اس لئے ایک رکن کا انکار سب کا انکار ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کے پاک بندوں کا نام ادب سے لینا چاہئے۔ کسی ایسی نسبت سے ان کا ذکر کرنا جو خلاف حق ہو یقیناً بے ادبی ہے۔ مخلصین میں سے کسی ایک کا انکار سب کا انکار ہو گا۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾ جب ان سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔

مرسلین کی سنت کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔ اللہ سے ڈرتے رہنا عقل والوں کی نشانی ہے۔ جو لوگ اپنے قول و فعل میں جزا کا یقین رکھتے ہیں، وہ یقیناً اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ان کی زبان سے لوگوں کو دکھ نہیں پہنچتا، ان کے ہاتھوں سے لوگ خسارہ نہیں اٹھاتے۔

حاصل : اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور ساتھیوں کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کرنی چاہئے۔ معاملات کے درست ہونے کی یہی صورت ہے، اور معاملات کے درست ہونے سے ہی امن قائم ہو سکتا ہے۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٧٨﴾ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، اور اس امانت کے ساتھ بھیجا گیا ہے جس میں اللہ نے ماننے والوں کے لئے بھلائی رکھی ہے۔ ہدایت کے طلب گاروں کے لئے اس سے زیادہ اہمیت کی کوئی بات نہیں ہوتی۔

حاصل : سامعین سے اپنے تعلق کو واضح کر کے تبلیغ حق کی ابتدا کرنی چاہئے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، صرف یہی راستہ تمہاری فلاح کا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے ہی ہدایت کے طالب ہوتے ہیں، اور ہدایت کے طالب، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کی اطاعت میں راحت پاتے ہیں۔

حاصل : اللہ سے ڈرنے والے ہی تبلیغ حق کرنے والوں کی اطاعت کر سکتے ہیں۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ؕ

اور میں اس پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو رب العالمین پر ہی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: مجھے تمہاری طرف جس امانت کے ساتھ بھیجا گیا ہے وہ امانت تم لوگوں تک پہنچانا میرے ذمے ہے۔ اسی حق کو ماننے میں تمہاری بھلائی ہے۔ مجھے رب العالمین نے یہ کام عطا کیا ہے۔ سب سے بہتر اجر بھی وہی دینے والا ہے۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اس کا صلہ تم سے نہیں مانگتا۔ مرسلین کی سنت یہی رہی ہے۔

حاصل : تبلیغ حق کے ساتھ یہ کہنا ضروری ہے، کہ میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو رب العالمین پر ہی ہے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ۚ

ماپ پورا رکھا کرو اور خسارہ دینے والے نہ بنو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اس فساد میں مبتلا ہوئی، کہ کاروبار میں بددیانتی ان کا طریق زندگی بن گیا۔ آپ نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا: خریدنے والا جس شے کی قیمت دے رہا ہو، جس مقدار کی قیمت دے رہا ہو، اسے وہ شے اس مقدار میں دی جائے اور اس معیار کے حوالے سے مقدار کا تعین ہو، جو سرکاری طور پر مقرر کردہ ہو، تو ماپ کو پورا رکھنے کی صورت ہے۔ کاروبار میں باہمی اعتماد نہ ہو تو بہت ساوقت، قوت اور سرمایہ شکوک وشبہات کو دور کرنے میں لگ جاتا ہے۔ خریدار کو شے اس کی خرید کردہ مقدار سے کم دینا، دکھائی ہوئی معیاری شے کی بجائے غیر معیاری شے دے دینا یا کسی طریقے سے بھی اس کو گھاٹا دینے کی کوشش کرنا خلاف حق ہے۔

حاصل : ماپ کو پورا رکھنا حق ہے۔ لوگوں کو گھاٹا دینے والا، اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہوتا۔

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ۚ

اور درست ترازو سے وزن کیا کرو۔

درست ترازو وہی ہوتا ہے، جو معیاری ہو اور خالی اٹھایا جائے تو کسی طرف اس کا جھکاؤ نہ ہو۔ اس میں جب شے پوری تول کر دی جائے اور یہ یقین ہو کہ اللہ نیت کو بھی جانتا ہے، عمل کو بھی دیکھ رہا ہے، تو پھر معاملہ درست ہو گا۔

حاصل : حکمِ خداوندی کے مطابق درست ترازو سے وزن کرنا چاہئے. اور ترازو کی درستگی کو یقینی بنانا چاہئے۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ اور لوگوں کی اشیاء انہیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: خریدتے وقت جو احتیاط تمہارے پیش نظر ہوتی ہے، بیچتے وقت بھی اسی کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ جو مال تم لوگوں سے لیتے ہو، اس کے عوض دیانت کے ساتھ لوگوں کو ان کی خرید کردہ چیزیں دے دو۔ جب لوگوں کو یہ احساس ہو جائے گا کہ ان کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے، تو پھر شکوک و شبہات بڑھنے لگیں گے اور جو نگری شکوک و شبہات کے اندھیروں میں گھر جائے اسے اندھیر نگری کہتے ہیں۔ زمین میں فساد مچانے والے اللہ کی قدرت سے غافل ہوتے ہیں۔

حاصل : لوگوں کو ان کے مال کے عوض طے شدہ اور پوری چیزیں دینی چاہئیں۔ شکوک و شبہات کے دروازوں کو کھولنے والا ہر عمل، زمین میں فساد مچانے کے مترادف ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾ اور ڈرو اس سے جس نے تمہیں خلق فرمایا اور تم سے پہلوں کو بھی۔

جس قادرِ مطلق نے ہمیں خلق فرمایا ہے، وہ نہ ہونے سے ہونا بناسکتا ہے اور ہونے سے نہ ہونا بنا سکتا ہے۔ وہ لوگوں کو توفیق دیتا ہے۔ راہِ حق کو ان کے سامنے واضح کرتا ہے۔ خلاف حق کرنے کے انجام سے آگاہی دیتا ہے۔ اور پھر عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے پورا ہونے کے بعد لوگوں کو ان کے اعمال کے نتائج دکھا دیتا ہے۔ ہم جو بھی کرتے ہیں، احاطہ قدرتِ الٰہی کے اندر رہ کر ہی کرتے ہیں۔ پھر خلاف حق کرنے کے انجام سے بچ جانا نہ پہلے کبھی ممکن ہوا ہے، نہ اب ہو سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو پہچانا چاہئے۔ جو قادر مطلق پہلے خلاف حق کرنے والوں کو ان کے انجام تک پہنچا چکا ہے، اس سے بچ کر بھاگ جانا نہ کبھی ممکن ہوا ہے، نہ کبھی ممکن ہو گا۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٨٥﴾ کہنے لگے آپ سحرزدہ ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سے منکرین حق نے آپ کا وعظ سننے کے بعد آپ کو یہ جواب دیا: کہ آپ پر کسی نے جادو کر دیا ہے، اسی لئے آپ مروجہ اصولوں کی نفی کر رہے ہیں اور ہمیں اس میں آپ کی کوئی غرض بھی نظر نہیں آتی۔ اس لئے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی عقل پر کسی کے جادو کا اثر ہو گیا ہے۔

حاصل : خلاف حق کرنے والوں کو اللہ کے پاک بندے اظہار حق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو وہ انہیں سحرزدہ کہہ کر اپنے طریق زندگی کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور آپ ہماری مثل ایک بشر ہی ہیں اور ہمارے خیال میں آپ درست نہیں کہہ رہے۔

منکرین حق نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنے جیسا ایک بشر کہا، اور اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا، کہ بشر کیسے رسول اللہ ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ بشر ہی بشر کے لئے قابل اتباع ہو سکتا ہے، اور قابل اتباع وہی بشر ہوتا ہے، جو پاک ہو، معلم ہو اور سیکھنے والوں سے کسی اجر کا سوال نہ کرے۔ منکرین حق نے حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو درست ماننے سے انکار کیا۔ پہلے وہ لوگ آپ کو سحرزدہ کہہ چکے تھے، اور سحرزدہ کی باتوں میں ربط نہیں ہوتا۔ اب وہ اپنے گمان میں جس کی کوئی سند موجود نہیں تھی، آپ کو کاذب کہہ رہے تھے۔ کاذب کے حواس تو درست ہوتے ہیں، وہ تو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے حق کو چھپایا کرتا ہے۔

حاصل : اپنے معلم کو اپنے جیسا بشر کہنا بے ادبی ہے، اور بے ادبی سے سیکھنے کی صلاحیت ضائع ہو جاتی ہے۔ حق کے مقابلے میں اپنے گمان کو وقعت دینا کافروں کا طریق زندگی ہے۔

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾

تو ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دیجئے اگر آپ سچے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سے منکرین حق نے یہ کہا: اے شعیب (علیہ السلام) آپ کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم آپ کو اپنے درمیان ضعیف جانتے ہیں۔ اگر آپ کا کنبہ نہ ہوتا، تو یقیناً آپ کو سنگسار کر دیا جاتا اور آپ ہم پر زبردست نہیں ہیں۔ اگر آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے صرف وہی حق ہے، تو اپنے رب سے کہئے کہ وہ ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دے۔ جب ہم خلافِ حق کر رہے ہیں، تو پھر ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔

حاصل : منکرین حق جب عذاب الٰہی کو آواز دینے لگیں تو پھر ان کا خاتمہ قریب ہی ہوتا ہے۔

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

فرمایا۔ میرے رب کو بڑا علم ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کے اس مطالبے کو سن کر کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر عذاب الٰہی لے آیئے، یہ جواب

دیا کہ عذاب اللہ کے حکم سے آئے گا۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو، وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ جب تمہیں عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو جائے گی، تمہیں فوراً عذاب الٰہی میں پکڑ لیا جائے گا۔ جس کی خلوت پاک ہو، اس کی نیت درست ہوتی ہے۔ جس کی نیت درست ہو اس کا عمل درست ہوتا ہے۔ تم اپنے مقام کو خود دیکھ لو۔

حاصل : عذاب الٰہی کو آواز دینے والے لوگ جلد باز ہوتے ہیں۔ ان کو یہی جواب دینا چاہئے، جس نے تمہیں مہلت دے رکھی ہے اس کو بڑا علم ہے یہ مہلت کب تک ہے۔ اس کے بعد عذابِ الٰہی کو دیکھ کر تمہارا ایمان لانا بے معنی ہو جائے گا۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾

تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی تو انہیں بادل کے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو پہلے سے آگاہ کر دیا تھا، کہ تم پر ایک دن عذاب آئے گا، جو تم کو اپنے احاطے میں لے کر تباہ کر دے گا۔ آپ کی تکذیب کرنے والے، ماننے والوں سے الگ ہو گئے تو منکرین حق کو ایک بادل نے گھیر لیا، پھر ایک زبردست آواز کے ساتھ یہ لوگ اپنے کیے کے انجام کو پہنچ گئے اور ایسے مٹا دیئے گئے جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے ایمان والے ساتھیوں کو اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا۔ اور ان حضرات کو محفوظ مقام پر رکھ کر منکرین پر عذاب کا کوڑا مارا گیا۔

حاصل : حق کی تکذیب، راہ ہلاکت ہے۔ عذابِ الٰہی برائی کو مٹانے کے لئے ہوتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور وہ اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

جو لوگ ناپ کو پورا نہ رکھیں اور لوگوں کو خسارہ پہنچانے کو اپنا کام سمجھنے لگیں، جو لوگ اپنے ترازو کو درست نہ رکھیں، لوگوں کو دھوکا دیں اور کاروبار کے نام پر خیانت کو پھیلاتے چلے جائیں، وہ یقیناً عذابِ الٰہی کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ پھر وہ کہیں بھاگ کر نہیں جاسکتے۔ ہدایت وہی پاتے ہیں جنہیں ہدایت کی طلب ہوتی ہے۔ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہمیشہ حال پر موجود ہوتی ہیں، ان سے فائدہ اٹھانا تبھی ممکن ہوتا ہے، جب جزا کا یقین ہو اور اصلاح حال میں اپنی فلاح نظر آئے۔

حاصل : ہدایت انہیں نصیب ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کریں۔ ناپ اور تول میں لوگوں کو گھاٹا دینے والے ایمان نہیں لایا کرتے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾

اور بے شک تمہارا رب ضرور عزیز ہے رحیم ہے۔

رب العالمین کی قدرت کے سامنے کسی طاقت کا کوئی مقام نہیں۔ رب العالمین کی مہربانی ہے کہ اس نے رحمت خداوندی سے فیض یاب ہونے والے لوگوں کی صفات بھی بیان کر دی ہیں، اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے والوں کی صفات بھی بیان کر دی ہیں۔ اب اگر کوئی حق کو مان کر باعزت ہونے کی راہ اختیار نہ کرے تو وہ ضرور دکھ میں پڑے گا۔ اور جو حق کو مان لے گا جیسے مان لینے کا حق ہے تو وہ رحمت خداوندی سے نوازا جائے گا۔

حاصل: حق کو مان لینا ہی عزت والوں میں شمار ہونے کا راستہ ہے۔ اسی راستے پر چلنے والے رحمت خداوندی سے نوازے جاتے ہیں۔

شہادت: حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ بھی فرمایا تھا:

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿٩٠﴾

اور اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف رجوع لاؤ، بے شک میرا رب رحم فرمانے والا، محبت کرنے والا ہے۔

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾

اور بے شک یہ رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔

جو کچھ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے، وہ حق ہے۔ یہ علم مطلق سے ہے، بے مثل ہے، اس میں شک کا کوئی مقام نہیں۔ اور بیان کوئی ہو، کہیں ہو اس سے بڑی کوئی سند نہیں ہو سکتی۔

حاصل: قرآن پاک کا حوالہ جہاں سامنے آجائے، فوراً ساکن ہو جانا چاہیے، اسے سننا چاہیے اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾

روح الامین اسے لے کر نازل ہوا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام روح الامین ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا ہے کہ وہ قرآن پاک کو حکم الٰہی کے مطابق بحفاظت تمام لے کر نازل ہوئے۔ جس کے امین ہونے کی اللہ نے سند نازل فرمائی ہو، اس کی شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے متعلق بات کی جائے تو ادب قائم رہتا ہے، ورنہ نہیں رہتا۔

حاصل: قرآن پاک، فرمان خداوندی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، روح الامین کو اسے نازل

کرنے کی سعادت سے نوازا گیا ہے۔

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ آپ کے قلب پر کہ آپ ڈر سنانے والے ہوں۔

قرآن پاک فرمان الٰہی ہے۔ ماننے والوں کی فلاح کی ضمانت اس میں موجود ہے۔ روح الامین نے حکم الٰہی سے قلب خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ یہ فرمان ہدایت اور شفا ہے۔ لانے والے کو امین ہونے کا مرتبہ حاصل ہے۔ جن پر نازل ہوا ہے، وہ امین ہیں۔ فیض یاب بھی وہی ہوں گے جو اس امین سے رشتہ محبت استوار کر کے امین ہو جائیں گے۔

حاصل : قلب کو بشر کے جسم میں انتہائی اہمیت حاصل ہے، کہ اسی میں ایمان داخل ہو تو فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾ واضح عربی زبان میں۔

قرآن پاک صریحاً عربی زبان میں ہے، رب العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے اور تاقیامت ہر لحاظ سے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ جب اللہ نے اسے عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، تو پھر قرآن پاک وہی ہے، جس میں سورتوں کے مجموعے اور ترتیب کی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کی ہے۔ عجمی زبانوں میں ترجمہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، مگر معیار وہی رہے گا جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہم تک پہنچا ہے۔

حاصل : عجمی زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ انسانی ضرورت ہے، مگر کسی ترجمے کو قرآن پاک کے مساوی قرار دینا بے ادبی ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾ اور بے شک اولین کے صحیفوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔

سابق صحیفوں میں قرآن پاک کا ذکر ہے۔ انبیاء سابقین اس کے بارے میں پیشین گوئی کرتے رہے ہیں، اور یہ تعلیم دیتے رہے ہیں، کہ جب وہ فرمان الٰہی تمہارے سامنے آجائے تو اس کو سند مان کر اس کے مطابق خود کو ڈھال لینے میں ہی تمہاری شان ہوگی۔ سمجھنے، سمجھانے کے لئے ترجمہ تمام زبانوں میں ہو، مگر معیار وہی رہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے اور سورتوں کی اس ترتیب اور آیات کے اس مجموعے کو سند مانا جائے جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک پہنچایا ہو۔

حاصل : انبیائے سابقین اپنے اپنے حال پر لوگوں کو قرآن پاک کے بارے میں آگاہ کرتے رہے

ہیں، اور اس طرح لوگوں کو قرآن پاک کے ماننے کی تاکید کے ساتھ ایک ہونے کی ترغیب بھی دیتے رہے ہیں۔ بین الاقوامی طور پر امن کے قائم ہونے کی صرف یہی صورت ہے، کہ تمام اقوام کے سامنے حوالے کے لئے معیار ایک ہو، اور وہ قرآن پاک ہو۔

أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾

اور کیا یہ ان کے لئے نشانی نہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء کو اس کا علم ہے۔

بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو اپنے علم کے حوالے سے واجب الاحترام مانے جاتے تھے اور جن کی بات سند مانی جاتی تھی، انھوں نے قرآن پاک کے فرمان الٰہی ہونے کی تصدیق کی، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں کو بیان کر کے اور لوگوں کو وہ نشانیاں دکھا کر آپ پر ایمان لائے۔ جس کی صداقت کی اسناد موجود ہوں اس کو ماننا آسان ہو جاتا ہے، مگر مانتا وہی ہے جو طالب ہدایت ہو۔

حاصل : قرآن پاک کے بارے میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علماء بنی اسرائیل کو آسمانی صحیفوں کی بدولت حقائق کا علم ہونا، یقیناً ان کی صداقت کی بڑی نشانی ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾

اور اگر ہم اسے کسی عجمی پر نازل فرماتے۔

قرآن پاک کا عربی زبان میں ہونا، اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا۔ اس کی حکمت پہلے بیان فرمائی جا چکی ہے۔ اللہ کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ قرآن عربی کو کسی عجمی پر بھی نازل فرما سکتا تھا۔ یہ بھی اس کی صداقت کی نشانی ہو سکتی تھی، مگر شبہات میں پڑنے والوں کے لئے راستہ پھر بھی کھلا تھا، اور اس سے تفہیم قرآن پاک میں مشکلات بھی پیش آتیں۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ لوگوں کو آسانیاں عطا کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ مہربانی کرتا ہے، ان پر رحم کرتا ہے۔

حاصل : اللہ نے لوگوں پر مہربانی فرمائی ہے، ان پر رحم فرمایا ہے کہ قرآن پاک کو کسی عجمی پر نازل نہیں فرمایا، ورنہ اس کی تفہیم میں مشکلات بھی پیش آتیں۔

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾

پھر وہ ان پر پڑھتا، تب بھی اس پر ایمان نہ لاتے۔

اللہ کا نبی اگر عجمی ہوتا اور قرآن پاک کا نزول اس پر ہوتا، پھر وہ لوگوں کو عربی میں فرمان خداوندی پڑھ کر سناتا، تب بھی ہدایت کی طلب نہ رکھنے والے، اس بڑی نشانی کو دیکھ کر ایمان نہ لاتے۔ منکرین حق کا طریق یہی رہا ہے کہ وہ اللہ کے پاک بندوں کے معجزات کو دیکھ کر بھی انھیں ساحر کہتے رہے ہیں۔ مقصد حیات کا عرفان ہو تو جزا کا یقین بھی ہو گا، اللہ کا ڈر بھی ہو گا اور

ماننے کا مقام بھی آئے گا۔

حاصل : کوئی بھی نشانی ایمان لانے کے لئے اسے ہی فائدہ دیتی ہے، جو طالبِ ہدایت ہو۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ ہم مجرموں کے قلوب میں اس کو اسی طرح ڈالتے ہیں۔

مجرم کا قلب خواہش نفس کے تابع ہونے کی وجہ سے حق کو سننے اور عملاً دیکھنے کے باوجود نہیں مانتا۔ حق سے کراہت کا مرض مجرم کے قلب میں اپنی جگہ بنالیتا ہے، تو پھر مجرم کے غلط رخ پر چلنے کی وجہ سے یہ مرض بڑھتا ہی رہتا ہے۔ جس دل میں ناصح سے محبت نہ ہو، وہ دل کفر، فسق اور عصیان کا دل دادہ ہو جاتا ہے اور اس رخ پر رہتے ہوئے ایک وقت کے بعد اس پر ناقابل اصلاح ہونے کی مہر لگا دی جاتی ہے۔

حاصل : مجرموں کے قلوب میں حق سے کراہت ہوتی ہے، یہ کراہت انہیں ماننے کی طرف آنے نہیں دیتی، تا آنکہ وہ عذاب الٰہی میں پکڑے جائیں، اور اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ وہ ایمان نہیں لاتے حتیٰ کہ المناک عذاب کو دیکھ لیں۔

مجرمین کے قلوب میں مرض اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔ اپنی بات منوانے کی طلب ان کے اندر اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ حق کو ماننے کی طرف آتے ہی نہیں۔ اور جب وہ اپنے آپ کو المناک عذاب کے احاطے میں دیکھتے ہیں، پھر حق کا انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مگر اس وقت حق کو ماننا بھی نفع نہیں دیتا، عمل کے لئے دیا گیا وقت تو پورا ہو چکا ہوتا ہے۔

حاصل : حال پر ایمان لانا نفع بخش ہوتا ہے، کیونکہ ہم اپنے ایمان کا ثبوت صالح اعمال سے پیش کر سکتے ہیں۔ عذاب خداوندی کو دیکھ کر، اعمال کے لئے دی گئی مہلت کے ختم ہونے پر ایمان لانا کسی کو سچا ثابت نہیں کر سکتا۔

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ تو وہ ان پر اچانک آئے گا، اور انہیں شعور بھی نہ ہو گا۔

جو حال پر خلاف حق کرتا ہے، وہ مجرم ہے اور جزا سے غافل ہے۔ جب اس پر عذاب الٰہی آتا ہے تو یہ گرفت اس کے لئے اچانک ہوتی ہے اور اسے اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔ یوں وہ خود کو ہلاکت کے احاطے میں دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایمان

لاتا ہوں مگر اس وقت ایمان لانا نفع نہیں دیتا۔

حاصل : مجرمین خلاف حق کرتے کرتے المناک عذاب کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اس قدر غافل ہوتے ہیں کہ اپنے انجام کو دیکھتے ہی نہیں۔ ان پر عذاب کی گرفت اچانک آتی ہے اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔

فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ پھر کہیں گے، کیا ہمیں کچھ مہلت ملے گی۔

المناک عذاب جب مجرمین کو اچانک اپنی گرفت میں لے لے گا، تو وہ عرض کریں گے، کیا ہمیں کچھ مہلت ملے گی کہ ہم ماننے والوں میں شمار ہو جائیں۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو چکا ہو گا، اب ایمان لانا نفع نہ دے گا۔

حاصل : حال پر ملی ہوئی مہلت کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے تو فلاح حاصل ہوتی ہے۔ عذابِ الٰہی میں پکڑے جانے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی، کہ ایسی توبہ کو صالح اعمال کے ساتھ سچا ثابت کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ کیا ہمارے عذاب کو جلدی مانگتے ہیں۔

مجرمین حق کا انکار کرتے ہوئے تبلیغ حق کرنے والوں سے یہ کہتے رہے ہیں، کہ آپ اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے وہ عذاب لاکر دکھایئے جس کا آپ ڈراوا دیتے ہیں، عذاب الٰہی کو دیکھنے کے بعد یہ بھی کہتے رہے ہیں، کیا ہمیں کچھ مہلت ملے گی کہ ہم ایمان لے آئیں۔ جو لوگ جلد بازی میں حق کو ماننے کے لئے عذاب الٰہی کو دیکھنے کی شرط لگا دیتے ہیں، انہیں سابقہ واقعات سے سبق لینا چاہئے۔ عذاب الٰہی کے سامنے نہ کبھی کسی کا بس چلا ہے، نہ کبھی چلے گا۔

حاصل : جہالت کی انتہا ہے یہ کہ عذاب الٰہی کو جلدی مانگا جائے۔

أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ بھلا دیکھو تو اگر ہم انہیں چند برس متاع دیں۔

جو متاع اللہ کے پاک بندوں کو حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ حدود اللہ کے ماننے والوں کو جو رزق ملتا ہے، وہ پاک ہے اور اللہ کا دیا ہوا ہوتا ہے۔ جو متاع منکرین حق کو حاصل ہوتی ہے، وہ مشیت الٰہی کے تحت ہوتی ہے، ملتا انہیں وہی ہے جو ان کے حصے کا ہوتا ہے مگر وہ خلاف حق کرنے کی وجہ سے اسے ناپاک کر کے لیتے ہیں۔ یہ متاع بھی ایک محدود وقت کے لئے ہی ہو سکتی ہے، اس وقت میں اتمام حجت ہو رہا ہوتا ہے۔ جب اللہ کے نزدیک منکرینِ حق کو دی گئی مہلت کا منشاء پورا ہو جائے، تو یہ مہلت ختم ہو جاتی ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنا چاہئے۔ متاعِ حیات دنیا اظہارِ بندگی کے لئے استعمال ہو تو رخ درست ہو گا، متاعِ حیات دنیا کو مقصود ٹھہرا لیا جائے تو رخ درست نہیں ہو گا۔

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ پھر ان پر آئے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت کے خاتمے پر منکرین حق عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ اس وقت وہ متاع جس کو وہ اپنی بڑائی کی سند جانتے ہیں، بے معنی معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت ایمان لانا مشکل نہیں رہتا، مگر اس وقت ایمان لانا جب صالح اعمال سے اس کو سچا ثابت کرنے کا وقت ختم ہو چکا ہو، اللہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوتا۔

حاصل : جس انجام کا وعدہ دیا جاتا ہے، جو انجام تبلیغ حق کرنے والے واضح کرتے رہتے ہیں، اس انجام سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ جسے یہ مطلوب ہو کہ وہ فلاح پائے، اسے مومنین کے ساتھ ہو جانا چاہئے کہ مومن یقیناً فلاح پاتے ہیں۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ تو کیا کام آئے گا ان کے جو کچھ وہ برتتے رہے۔

مجرمین کو جو متاع بھی حاصل ہے، یہ ہے تو کچھ وقت کے لئے۔ جس قادر مطلق نے انہیں توفیق دی ہے، وہی انہیں ان کے اعمال کی جزا بھی دے گا، وہی انہیں دی گئی مہلت کے ختم ہونے پر پکڑ بھی لے گا۔ جب یہ لوگ پکڑے جائیں گے، تو ان کو ماضی کا سکھ بہت ہی تھوڑا معلوم ہو گا، اور جس دکھ میں وہ اس وقت مبتلا ہوں گے، وہ بہت بڑا معلوم ہو گا۔

حاصل : جو متاع خلافِ حق استعمال ہو، وہ باعث عذاب بن جاتی ہے۔ حق کی احسن ادائیگی کی تصدیق شاہدین کی معیت سے ہوتی ہے۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ اور ہم نے کوئی قریہ ہلاک نہیں کیا، جس کے لئے ڈر سنانے والے نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربانی کرتا ہے ان پر رحم فرماتا ہے۔ حق کے ماننے کے لئے لوگوں کو حال پر جس سہولت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مہیا کرتا ہے۔ ڈر سنانے والے لوگوں کو خلاف حق کرنے کے انجام سے آگاہ کرتے ہیں۔ جب تک حجت تمام نہ ہو جائے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا جاتا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کسی طاقت کا نہ کبھی کوئی مقام تھا، نہ ہے اور نہ کبھی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس بستی کو بھی ہلاک کیا گیا، اتمام حجت کے بعد کیا گیا۔

ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ نصیحت کے لئے، اور ہم ظالم نہیں۔

اتمام حجت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے، اس سے آگے کسی بات کا تصور کرنا بھی گناہ ہے۔ جو تعلق اللہ کو لوگوں سے ہے، وہ اللہ کے علم مطلق سے ہے، اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ نصیحت کے لئے ڈر سنانے والوں کو بھیجے بغیر اگر لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیا جائے، تو یہ ظلم ہے اور ظلم اللہ کی شان کے خلاف ہے۔

حاصل : لوگوں کو نصیحت کیے بغیر اگر انہیں خلاف حق کرنے کی سزا دی جائے تو یہ ظلم ہے، اور اللہ کو ناپسند ہے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ اور شیاطین کے ذریعے اس کا نزول نہیں ہوا۔

شیاطین خلاف حق کرتے ہیں۔ ان کا رخ ہمیشہ ظلمات کی طرف ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو خواہشات نفس کی پیروی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف لازم کو پسند کرتا ہے، اس لئے شیاطین کبھی نزول حق کے قریب بھی نہیں جا سکتے۔

حاصل : حق کو بطور امانت پہنچانا چاہئے، اور امانت کبھی خیانت کرنے والوں کے ذریعے نہیں پہنچائی جاتی۔

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اور وہ اس قابل نہیں اور نہ انہیں استطاعت ہے۔

شیاطین انسانوں کے کھلے دشمن ہیں، اس لئے وہ اس قابل ہی نہیں کہ انہیں حق کے نزول میں ذریعے کا درجہ دیا جائے۔ حق کی پاکیزگی کی شان اس قدر ہے، کہ شیاطین اس کو سنبھالنے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔

حاصل : حق پہنچانے والے یقیناً انسانوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ہمیشہ پاک ہوتے ہیں۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ ان کو تو سننے کی جگہ سے ہی معزول کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے۔ اس نے نزول حق میں حفاظت کا ایسا انتظام کیا کہ شیاطین کو اس مقام تک رسائی ہی نہ ملی، جہاں سے وہ سن گن لے سکتے تھے۔

حاصل : پیغام حق کی شان کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اس امانت کے اپنے محل پر پہنچنے تک اس کی پوری پوری حفاظت کرنی چاہئے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾

تو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود مت پکارو، پھر تم عذاب میں پڑو گے۔

یہ فرد سے خطاب ہے، کہ معبود ایک ہے اور لاشریک ہے۔ جب اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے گا، تو یہ ظلم عظیم ہو گا، اور باعث عذاب الٰہی ہو گا۔ اللہ کی رضا کے لئے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے صاحب کا اتباع کیا جائے گا، تو یک سوئی حاصل ہو گی۔ اور جب ایک وقت میں کئی معیار سامنے ہوں گے، تو پھر نام جو بھی رکھ لیا جائے، اتباع اپنی خواہش کا ہی ہو گا۔ اس کا نتیجہ گمراہی ہی ہو سکتا ہے، اور گمراہی باعث عذاب ہوتی ہے۔

حاصل : شرک سے بچنے والا ہی، عذاب الٰہی سے بچ سکتا ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈر سناؤ۔

تبلیغ حق کی ابتدا اپنے قریبی رشتہ داروں سے کی جائے، تو نور ہدایت خلوت میں پھیلنے کے بعد جلوت میں آئے گا۔ یہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اگر اپنے قریبی رشتہ داروں کی اصلاح کیے بغیر دوسروں کو حق سنایا جائے گا، تو وہ موثر نہیں ہو گا، اور لوگ یہ کہیں گے کہ ہمیں من مانی کرنے سے روکا جا رہا ہے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو من مانی کرنے سے نہیں روکا جا رہا۔ اگر یہ بھلائی کی راہ ہے تو اس سے قریبی رشتہ داروں کو پہلے فائدہ پہنچنا چاہئے۔

حاصل : تبلیغ حق کا کام اپنے قریبی رشتہ داروں سے شروع کرنا چاہئے، انہیں خلاف حق کرنے کے انجام سے ڈرانا چاہئے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾

اور مومنین سے جو آپ کا اتباع کرتے ہیں، ان کے لئے بازو بچھائیے۔

مومنین اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجوع لانے والے کا اتباع کرتے ہیں۔ اس عمل میں انہیں اس قدر راحت ہوتی ہے کہ وہ دشمنان دین کی مخالفت کو برداشت کرتے ہوئے معیت حق میں پورے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ حق پہنچانے والے صاحب پر لازم ہے کہ وہ شفقت و مہربانی کے ساتھ ان لوگوں کو نوازتا رہے، ان کو آسانیاں مہیا کرے، اور ان کو

حق کی ادائیگی کے لئے سہارا دے۔

حاصل : صاحب حال پر لازم ہے کہ وہ مومنین کے لئے جو اس کی پیروی کرتے ہیں شفقت و مہربانی سے پیش آئے۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾ پھر اگر تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دے کہ میں اس سے بیزار ہوں جو عمل تم کرتے ہو۔

صاحب حال کے فرمان کو ماننے والے امر کے کوٹ کے اندر رہتے ہیں۔ اس کی نافرمانی کرنے والے امر کے کوٹ کے اندر نہیں رہتے۔ ان سے بیزاری کا اظہار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ من مانی کرنے والے کے ساتھ صاحب حال کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو اس کی اطاعت ہی اطاعت حق ہوتی ہے، اور اس کی نافرمانی کو معصیت کہتے ہیں۔ جو طلب ہدایت نہ رکھتا ہو، اس سے بیزاری کا اظہار کرنا بھی صاحب حال کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

حاصل : صاحب حال کی شان یہی ہے کہ وہ طلب ہدایت نہ رکھنے والوں سے بیزاری کا اظہار کرے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ اور اللہ پر توکّل کرو جو عزیز بھی ہے رحیم بھی ہے۔

نافرمانی کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار کرنے کے بعد ان کی حیثیت کی طرف دیکھنا منع ہے۔ اس حال پر یہ یقین رکھنا ضروری ہے، کہ جو کچھ مومنین کے پاس ہے وہ پورا ہے اور جو مستقبل میں درکار ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کر دیا جائے گا۔ یہ اللہ کی شان ہے، کہ اس سے بڑی قوت والا کوئی نہیں۔ یہ بھی اس کی شان ہے کہ وہ مومنین کی حسنِ نیت کو دیکھتے ہوئے انہیں اپنے رحم سے نوازتا رہتا ہے۔

حاصل : نافرمانی کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار کرنے کے بعد ان کی حیثیت اور استعداد کی طرف دیکھنا منع ہے۔ اللہ پر توکّل کرنا چاہئے، جو سب سے بڑی قوت والا ہے اور سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ جو تمہیں دیکھتا ہے جب کھڑے ہوتے ہو۔

نافرمانی کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار کرنے کے بعد اللہ کی بندگی میں زیادہ وقت گزارنا چاہئے۔ نمازوں کے لئے مقررہ اوقات پر نمازیں ادا کی جائیں، اور پھر شب و روز میں نوافل بھی پڑھے جائیں تو اس سے بڑی استطاعت حاصل ہوتی ہے، بندے کو اللہ کے قریب ہونے کا شرف ملتا ہے۔

حاصل : مومنین کے ساتھ رہنے سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ نماز میں ادب سے کھڑے ہونا چاہئے، آواز کو نہ بلند ہونا چاہئے نہ بالکل خفی ہونا چاہئے، بلکہ اس کے درمیان کی کیفیت ہونی چاہئے۔

وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اور سجدہ کرنے والوں میں تمہاری آمد و شد کو۔

رات کے آخری حصے میں جاگنا نفس پر بھاری ہوتا ہے، اس لئے تربیت نفس کے لئے شب بیداری بزرگان دین کی طریقت تھی، ہے اور رہے گی۔ معلم اپنے ساتھیوں کو عبادت الٰہی میں منہمک دیکھ کر راحت پاتے ہیں، ان کو انعامات سے نوازتے ہیں، ان کی تصدیق کرتے ہیں، اور یہ بتاتے ہیں کہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہو، جلوت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پاک رہو، اس طرح دائمی پاک دامنی کا شرف پالوگے۔

حاصل : معلم کی، عبادت کرنے والوں کے پاس آمد و شد، اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہوتی ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ بے شک وہی سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر حال میں سنتا ہے۔ وہ دل کے بھید کا بھی علم رکھتا ہے۔ اس سے کسی کی نیت بھی مخفی نہیں ہوتی۔ اس کے سامنے اپنا حال بیان کرنا، اظہار بندگی کا حصہ ہے۔ اس کا حکم ہے، کہ اس سے اس کا فضل مانگا جائے، اور یہ بھی کہا جائے کہ یا اللہ تو سب سے بڑے علم والا ہے، ہم جو کچھ مانگ رہے ہیں، یہ ہمارے لئے دکھ کا باعث بننے والا ہو تو ہمیں اس سے بچالے، ہمیں وہ عطا فرما جو ہمارے لئے دنیا و آخرت میں باعث فلاح ہو۔

حاصل : اپنا حال، اللہ تعالیٰ کے سامنے بیان کرنا چاہئے، یہ اظہار بندگی کا حصہ ہے۔ اپنے علم کو علیم مطلق کے علم کے تابع رکھنا چاہئے۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ کیا میں تمہیں بتاؤں شیاطین کس پر اترتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا پاک کلام، اللہ تعالیٰ کے پاک بندے پر نازل ہوا، جس کی صداقت اور امانت کا اعتراف سب دیکھنے سننے والوں کو تھا۔ شیاطین کی باتیں ناپاکی سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے پاک لوگوں سے شیاطین کو کراہت ہوتی ہے۔ شیاطین انہی لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں، جو اپنی خواہشات کی پیروی کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

حاصل : جو بُری صفات کا حامل ہو، شیاطین کو اس ناپاک تک پہنچنے میں دیر نہیں لگتی۔ عباد مخلصین پر شیطان کا کوئی داؤ نہیں چلتا۔

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾ اترتے ہیں ہر جھوٹے گناہ گار پر۔

شیطان ان لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں، جن کو حق سے کراہت ہو، جو جھوٹ کو پسند کرتے ہوں، بدکردار ہوں اور جزا کا انکار کرتے ہوں۔ پاک اور ناپاک کے درمیان فرق کو ہمیشہ دیکھنا چاہیے۔ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے والے کبھی ہدایت نہیں پاتے۔

حاصل : جھوٹے اور گناہ گار لوگوں سے دور رہنا چاہیے، کہ وہ شیطان کے پیروکار ہوتے ہیں، اور شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾ سنی ہوئی بات ان پر ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں۔

شیاطین، بدکاروں، گناہ گاروں پر اپنی سنی ہوئی بات لاڈالتے ہیں، جو حقیقتاً انسان دشمنی پر مبنی ہوتی ہے۔ پھر ان بدکاروں میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے، جو جھوٹ گھڑتے ہیں۔ جو چاہا گھڑ لیا اور نام کسی جن کا لے دیا۔ ان کے سننے والے تو ان کی باتوں کو بلاتحقیق ماننے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

حاصل : شیطان کی بات ہمیشہ انسان دشمنی پر مبنی ہوتی ہے۔ جھوٹے کی کسی بات کو بلاتحقیق ماننا نہیں چاہیے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ اور شعراء کا اتباع تو بے راہ ہی کرتے ہیں۔

منکرین حق، کلام پاک کو شعر بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ منشاء یہ ہوتا تھا کہ اشعار کا اثر لوگوں پر ہوا ہی کرتا ہے، اس لئے اس کلام کا بھی لوگوں پر اثر ہو رہا ہے۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شعراء کی پیروی کرنے والے تو بے راہ لوگ ہوتے ہیں۔ اپنی خواہشات کا ذکر کرنے کے علاوہ ان کے پاس ہوتا ہی کیا ہے۔ اور حق کو ماننے والے تو کبھی اپنی خواہشات کو وقعت نہیں دیتے۔

حاصل : شاعر اگر لوگوں کو ان کی خواہشات کے دائرے سے نکلنے میں مدد دے اور حق کو ماننے کی ترغیب دے، تو وہ لائق احترام ہوتا ہے۔ اگر وہ لوگوں کو ان کی خواہشات کے دائرے میں الجھاتا چلا جائے تو پھر وہ گمراہ لوگوں کا امام ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں

سرگردان پھرتے ہیں۔

شاعروں کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ وہ یک سوئی کے مقام پر نہیں ہوتے۔ کسی سے راضی ہوں تو اس کی شان میں بے سند باتوں کا گلدستہ بنا کر پیش کر دیں گے۔ کسی سے ناراض ہوں تو اس کو قابلِ نفرت بنا کر دکھا دیں گے۔ بات کبھی حق کے حوالے سے نہیں کریں گے۔ ان کے تخیلات انہیں ہمیشہ سرگرداں ہی رکھتے ہیں۔

حاصل : شعراء عموماً یک سو نہیں ہوتے۔ ان کے تخیلات انہیں ہمیشہ سرگرداں ہی رکھتے ہیں۔ ان کی ذات کبھی کسی کے لئے ہدایت کا نمونہ نہیں ہوتی۔

وَاَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۲۶﴾ اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔

شعراء کی باتیں ان کے حال سے تعلق نہیں رکھتیں۔ وہ جو کہتے ہیں، ان کے اعمال سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ محبت کی باتیں کرتے ہیں، خود محبت نہیں کرتے۔ محب ہمیشہ اپنے محبوب کے رنگ میں رنگے جانے کی طلب رکھتا ہے، اور شاعر محبوب کے رویئے کی شکایت ہی کرتے رہتے ہیں۔ عشق کی باتیں شاعر ضرور کرتے ہیں مگر خود پاک نہیں ہوتے۔ ان کی باتوں سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، کسی دوسرے کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

حاصل : ہمیں وہ بات نہیں کرنی چاہئے، جس کی ہمارے عمل سے تصدیق نہ ہوتی ہو۔

اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّانْتَصَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا ؕ وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے اور اللہ کا ذکر کثیر کیا، اور بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور ظلم کرنے والوں کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ پلٹتے ہیں۔

وہ شعراء جو ایمان والے ہوں اور صالح اعمال سے ان کے ایمان کی تصدیق ہوتی ہو، وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہوں اور بدلہ لیں تو اسی وقت جب ان پر ظلم کیا گیا ہو، ان پاک لوگوں سے اللہ کی مخلوق کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ شعراء جو اس پاک جماعت میں شامل نہیں ہیں، انہیں ان کے ظلم کا انجام جلد ہی نظر آ جائے گا۔ انہیں معلوم ہو جائے گا، کہ حق کیا ہے، لیکن اس وقت حق کو مان لینا انہیں نفع نہ دے گا۔

حاصل : وہ شعراء جو ایمان والے ہوں، جو صالح عمل کرتے ہوں، اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہوں، بدلہ لیں تو اسی وقت لیں جب ان پر ظلم ہوا ہو، لائقِ احترام ہیں۔ خلافِ حق باتیں بنانے

والے ظالم ہیں، اور ان کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر (15) میں فرمایا ہے:

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝

کافر بہت آرزو کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے۔

سُورَةُ النَّمْلِ
آیاتہا ۹۳ — رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰسٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱﴾

طٰسٓ، یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیات ہیں۔

حروف مقطعات پر زبان کھولنا، اللہ کے رسول سے آگے قدم بڑھانے والی بات ہوگی، اور قطعاً بے جا ہوگی۔ قرآن پاک، کتابِ مبین بھی ہے۔ اس کی روشنی کو وہی پاسکتا ہے، جو حق کو دیکھ کر حق پر قائم ہو جائے۔ کتابِ مبین کی ہر آیت روشن ہے، اپنے اندر فلاح کا پیغام رکھتی ہے، لیکن فلاح پاتا وہی ہے جو حکم الٰہی کو مانتا ہے اور طالب ہدایت ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

حاصل : حروف مقطعات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے روشن نشان ہیں۔ کسی بھی مقام پر انتہائی سند قرآن پاک کی آیت ہی ہو سکتی ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲﴾

ہدایت و بشارت، مومنین کے لئے۔

کتاب مبین کی آیات میں مومنین کے لئے ہدایت ہے اور بشارت ہے کہ وہ فلاح پائیں گے۔ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ متقین اس سے ہدایت پاتے ہیں۔ انھیں جزا کا یقین ہوتا ہے، صراط مستقیم کی جستجو ہوتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں، کہ ان کا قول درست ہو جائے۔ وہ چاہتے ہیں، ان کے اعمال کی اصلاح ہو جائے۔ ایسے لوگوں کے لئے اس کتاب میں نور ہدایت ہے، اور یہ بشارت بھی ہے کہ وہ فلاح پائیں گے۔ قرآن پاک میں مومن لوگوں کی نو صفات کا ذکر کیا گیا ہے: توبہ، عبادت، حمد، سیاحت، رکوع، سجود، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور حدود اللہ کی حفاظت۔ جن لوگوں کو یہ نو مقامات حاصل ہوں وہ شاہد ہوتے ہیں کہ کتاب مبین ہی ہدایت و بشارت کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتی ہے۔

حاصل : راستے کی باتیں کرنے سے کبھی راستہ طے نہیں ہو جاتا، راستہ چلنے سے طے ہوتا ہے۔ مومن کی مذکورہ نو (9) صفات کو اپنا حال بنایا جائے، تو ہدایت و بشارت کے انعام کے ساتھ شاہد ہونے کا مرتبہ بھی عطا ہوگا۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾

وہ جو نماز قائم رکھتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور انہیں آخرت کا یقین ہے۔

جن کے لئے قرآن پاک ہدایت اور بشارت کا پیغام ہے، وہ لوگ نماز قائم رکھتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنے کا عہد کیا جاتا ہے۔ یہ عہد سچا ثابت ہو جائے تو نماز قائم ہو جاتی ہے۔ زکوۃ ادا کرنے سے مال پاک ہو جاتا ہے، اور اللہ کی راہ پر خرچ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ صلوۃ و زکوۃ لازم و ملزوم ہیں۔ لوگوں کو دکھانا یا داد طلب نگاہوں سے ان کو دیکھنا درست نہیں ہوتا۔ آخرت کا یقین رکھنے والے کبھی ایسا نہیں کرتے۔ انہیں یقین ہوتا ہے، کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نزدیک معیار ہے۔ اور اس معیار کے حوالے سے ان کا قول و فعل بہت ہی چھوٹا ہے۔

حاصل : نماز قائم رکھنا، زکوۃ ادا کرنا اور آخرت پر یقین رکھنا، قرآن پاک سے ہدایت و بشارت پانے والوں کی نشانیاں ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾

وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے اعمال ان کے لئے مزیّن کر دیئے ہیں، تو وہ بھٹک رہے ہیں۔

وہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے، ان کے نزدیک من مانی کرنے سے زیادہ اہمیت کسی کام کی نہیں ہوتی، اس لئے انہیں اپنے اعمال میں بڑی خوبی نظر آتی ہے۔ متاع حیات کو مقصد حیات بنا لینے والے جب یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے ماحول میں موجود لوگوں کے مقابل وسیع الامال ہو گئے ہیں، تو وہ اسے اپنی کامیابی جانتے ہیں اور ہدایت سے دور ہوتے جاتے ہیں، اور راہ حق سے بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔ جو طالب ہدایت نہ ہو اس کے لئے مشیت الٰہی یہی ہوتی ہے۔

حاصل : جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، مشیت الٰہی ان کے لئے یہی ہوتی ہے کہ وہ بھٹکتے چلے جائیں۔ طلب ہدایت نہ ہو تو ہدایت نہیں ملتی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾

وہی لوگ ہیں جن کے لئے بُرا عذاب ہے، اور وہی آخرت میں سب سے بڑھ کر خسارے میں ہیں۔

حیات دنیا میں جن لوگوں کو من مانی کرنے سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں ہے، ان کے اعمال انہیں بھلے لگتے ہیں۔ عمل کے

لئے دیا گیا وقت ختم ہو جانے پر انہیں عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ اس عذاب کے بعد انہیں اصلاحِ حال کی مہلت نظر نہیں آتی۔ اس لئے یہ ان کے لئے بُرا عذاب ہوتا ہے۔ اور آخرت میں تو یہ لوگ سب سے بڑے خسارے میں ہوں گے ہی، کہ ان کے سب اعمال آخرت کے انکار پر مبنی ہوں گے۔ اور آخرت ناقابلِ تردید صورت میں ان کے سامنے ہو گی۔

حاصل : وہ عذاب جس کے بعد اصلاح کو اختیار کرنا ممکن نہ ہو، بُرا عذاب ہوتا ہے۔ آخرت کا انکار کرنے والے ہی آخرت میں سب سے بڑھ کر خسارے میں ہوں گے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۞

اور بے شک یہ قرآن آپ کو حکیم و علیم کے لدُن سے القا ہوتا ہے۔

قرآن پاک کی تنزیل رب العالمین کی طرف سے ہوئی ہے۔ یہ لوگوں کے لئے نازل فرمایا گیا ہے۔ رسول امین وہ معیار ہیں، جو حکمِ الٰہی کی عملی صورت متعین کرتے ہیں۔ قرآن پاک حکیمِ مطلق کی طرف سے ہے، علیمِ مطلق کی طرف سے ہے، اس لئے حکمت و علم کی طلب رکھنے والوں کے لئے یہ انتہائی مستند کتاب ہے۔

حاصل : قرآن پاک حکیم و علیم کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ جس ذات پاک پر نازل فرمایا گیا ہے، اس کا اسوۂ حسنہ ہدایت کے طلب گاروں کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ من مانی کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے نہیں ہوتے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۞

جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: میں نے آگ دیکھی ہے، جلد ہی اس کی خبر لاتا ہوں یا کوئی سلگتی چنگاری لاتا ہوں تاکہ تم تاپو۔

مدین کی طرف سے واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی تھیں۔ بی بی پاک کو آگ تاپنے کی ضرورت تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روشنی دیکھی تو فرمایا، میں اس کی خبر لاتا ہوں یا چنگاری سلگا کر لاتا ہوں۔ روشنی کی موجودگی، روشنی کرنے والے کی موجودگی کا ثبوت ہوتی ہے، اور روشنی کرنے والا اپنے ماحول کا علم رکھتا ہے۔ اور موجود سے ہی مقصود کا راستہ ملتا ہے۔ آگ انسانی ضروریات میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، اس لئے جہاں بندہ رہتا ہو وہاں آگ بھی ہوتی ہی ہے، اور سردی میں آگ تاپنے کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ ٹھنڈک کا احساس بڑھتا جائے تو قوت کارکردگی کم ہوتی جاتی ہے۔

حاصل : اپنے ہم سفروں کی حفاظت کا حق ادا کرنا چاہیے۔ مسافروں کو آگ مہیا کر دینا بھی بڑی خدمت ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧

پھر جب وہاں آئے تو ندا آئی، برکت والا ہے وہ جو تجلی میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔ اور پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب روشنی کے قریب آئے تو ندا آئی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) میں آپ کا رب ہوں تو اپنے جوتے اتار دیجئے۔ بے شک آپ مقدس وادی طویٰ میں ہیں۔ پھر فرمایا گیا، برکت والا ہے جو تجلی میں ہے۔ اللہ مالکِ کل ہے، وہ سب برکات کا مالک ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی برکات سے نواز دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس ماحول میں ہونے کی بدولت جو احساس اپنی ذات کے بارے میں ہو رہا تھا، اس کی تصدیق فرمائی گئی، اور یہ بھی فرمایا گیا، کہ اللہ کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے، ہر شے پر ہے اور وہی سب کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔

حاصل : مقام حیرت پر بندے کو مدد کی فوری ضرورت ہوتی ہے، اس لئے آسانی مہیا کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨

اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک میں ہی اللہ ہوں عزت والا، حکمت والا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے یہ فرمایا گیا: بے شک میں ہی اللہ ہوں، مجھ سے بڑی قوت والا کوئی نہیں، مجھ سے بڑی حکمت والا بھی کوئی نہیں، کسی قوت سے میرا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، کسی حکمت سے میرا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے بڑا صاحب یقین وہی ہے، جس کو اللہ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ سب سے بہتر راستہ بھی وہی ہے، جو اللہ کا بتایا ہوا ہے۔ اور جزا دینے والا تو ہے ہی اللہ، جو ایک ہے اور لاشریک ہے۔

حاصل : حق کو ماننے سے جو قوت حاصل ہوتی ہے، اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ حق کو ماننے میں جو حکمت ہوتی ہے، اس کا اندازہ لگانا ہی نہیں چاہئے۔ اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح استعمال کرنے کی صورت یہی ہے کہ حق کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى

اور اپنا عصا ڈال دیجئے، پھر آپ نے اسے لہراتا ہوا سانپ دیکھا مڑ کر چلے اور پیچھے نہ دیکھا۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) خوف نہ

لَا تَخَفْ ۖ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾

کیجئے۔ بے شک میرے حضور مرسلوں کو خوف نہیں۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ اللہ سب کو علم دینے والا ہے۔ کوئی اللہ کو علم دینے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ نے عرض کیا، یہ میرا عصا ہے۔ میں اس پر تکیہ لگا لیتا ہوں، اس سے اپنے ریوڑ پر پتے جھاڑ لیتا ہوں، اور اس سے دوسرے کام بھی لیتا ہوں۔ آپ نے اپنے عصا کے استعمال کے محل بیان کئے۔ حکم ہوا اسے زمین پر ڈال دیجئے۔ زمین پر ڈال دینے سے وہ فوراً سانپ بن گیا۔ آپ کو خیال ہوا، اللہ کے حضور آداب کا لحاظ رکھنے میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے، اس لئے آپ مڑے اور پیچھے نہیں دیکھا۔ پھر پکارا گیا، اے موسیٰ (علیہ السلام) خوف نہ کیجئے، بے شک میرے حضور مرسلوں کو خوف نہیں۔ یہ الہام بھی مل گیا، کہ آپ مرسل ہیں۔

حاصل : سفر میں عصا کو ساتھ رکھنا چاہئے۔ خوف اسی بات کا ہونا چاہئے کہ حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ پاک لوگوں کا ساتھ اختیار کرنا چاہئے۔

إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾

مگر جس نے زیادتی کی پھر برائی کو احسن طور پر بدل دیا تو بے شک میں بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہوں۔

پاک لوگوں سے زیادتی ہو جائے تو وہ خلاف حق کرنے کی نیت سے نہیں ہوتی۔ بھول ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ ان پاک لوگوں کی بدولت رحمت کا ایک دروازہ کھول دیتا ہے اور لوگ اسی سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ جب برائی کو بھلائی سے بدل دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے برائی کی نفی کر دی جاتی ہے، اور اس بندے کو بخشش و رحمت سے نواز دیا جاتا ہے۔

حاصل : بھول جانا، پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ عمداً خلاف حق کرنا منکرینِ حق کی نشانی ہے۔ بھول کے بعد حسنِ عمل سے اصلاح حال کا ثبوت دیا جائے تو اللہ تعالیٰ بخشش و رحمت سے نواز دیتا ہے۔

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۖ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٢﴾

اور اپنا ہاتھ اپنی جیب میں ڈالئے، کہ بے مرض چمکتا ہوا نکلے گا۔ نو نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جائیے۔ بے شک وہ فاسق لوگ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوسرے معجزے کے عطا کرنے سے پہلے ہی اس کی صورت بتا دی گئی، تاکہ آپ کو حیرت نہ ہو۔ یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ ہاتھ میں کوئی مرض نہ ہو گا۔ جب آپ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکال کر دکھائیں گے، تو یہ چمکتا ہوا نکلے گا۔ ان دو معجزات کے علاوہ جو کچھ آپ کو حق کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے درکار ہو گا، وہ بھی آپ کو عطا کر دیا گیا۔ آپ ان نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جایئے۔ فرعون اور آل فرعون جب گرفتار عذاب ہوتے، تو ایمان لانے کا وعدہ کرتے اور بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دینے کا وعدہ بھی کرتے۔ جب عذاب کو کھول دیا جاتا، تو وہ اپنے وعدے سے پھر جایا کرتے تھے۔

حاصل : کام تفویض کرنے والے کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جس کو کام تفویض کیا گیا ہے، اس کو وہ سب کچھ دیا جائے جو اس کام کی تکمیل کے لئے ضروری ہے، تاکہ حق روشن ہو اور اتمام حجت بھی ہو جائے۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾

پھر جب ان کے پاس ہماری آنکھیں کھولنے والی نشانیاں پہنچیں، کہنے لگے یہ تو صریحاً جادو ہے۔

فرعون اور آل فرعون نے حق کو جھٹلاتے ہوئے یہ بھی کہا: اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آئیں، کہ ہم پر اس سے جادو کریں، ہم کبھی آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ان لوگوں نے حق کو روشن کرنے والی سب نشانیوں کو دیکھ کر یہی کہا، یہ تو صریحاً جادو ہے۔

حاصل : ہدایت کی طلب ہو تو آنکھیں کھولنے والی نشانیوں کو دیکھ کر حق کو ماننا اور اللہ کا شکر ادا کرنا، حال ہو جاتا ہے۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے، حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر اسے صریحاً جادو کہہ دیتے ہیں۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع ۱۶

اور ان کا انکار کیا، ظلم اور غرور سے اور اپنے جی میں ان کا یقین کر چکے تھے۔ تو نظر کیجئے، مفسدین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

آنکھیں کھولنے والی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد، اپنے جی کے اندر ان کے بارے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ مگر منکرین حق کا ظلم اور غرور حق کو ماننے میں آڑے آتا ہے۔ ظالم اور مغرور کو یہ نظر آتا ہے کہ حق کو ماننے سے اس کا تشخص ختم ہو جائے گا، اس لئے وہ فساد سے رکتا نہیں۔ اس کی عاقبت ہمیشہ عبرتناک ہوتی ہے۔

حاصل : مفسد لوگ ظلم و غرور کو طریق زندگی بنا لیتے ہیں۔ ان کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٣٦﴾

تو ہم نے ان سے انتقام لیا، پھر انہیں دریا میں غرق کر دیا، اس لئے کہ وہ ہماری آیات کی تکذیب کرتے تھے، اور وہ ان سے غافل تھے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥﴾

اور بےشک ہم نے داوٗد (علیہ السلام) کو اور سلیمان (علیہ السلام) کو علم عطا فرمایا۔ اور دونوں نے شکر کرتے ہوئے کہا، حمد اللہ ہی کی ہے، جس نے اپنے مومن بندوں سے ہم کو کثیر پر فضیلت دی۔

حضرت داوٗد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم الہٰی سے نوازا گیا۔ ان حضرات نے اس سلطنت کو جو انہیں عطا فرمائی گئی تھی، بڑی حکمت اور معرفت کے ساتھ چلایا، اور بڑی شان و شوکت رکھتے ہوئے یہ کلمات شکر کہے: حمد اللہ ہی کی ہے، جس نے اپنے مومن بندوں سے ہم کو کثیر پر فضیلت دی ہے۔ باعزت ہونے کے لئے مومن ہونا ضروری ہے، اور فضیلت علم حقیقی سے تعلق رکھتی ہے۔

حاصل : علم حقیقی رکھنے والوں کی فضیلت کا اعتراف کرنا چاہئے، یقین رکھنا چاہئے کہ صرف مومن ہی باعزت ہوتا ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ ۖ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾

اور سلیمان (علیہ السلام)، داوٗد (علیہ السلام) کے وارث ہوئے اور بتایا اے لوگو ہمیں منطق الطیر کا علم دیا گیا ہے، اور ہر شے سے ہمیں عطا ہوا ہے۔ بےشک یہ صریحاً فضل ہے۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی بادشاہت کے وارث ہوئے۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے اللہ کے فضل کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو دیکھو یہ اللہ کا فضل ہے، کہ اس نے ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم سکھایا

ہے اور ہم ان سے بڑی خدمات لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت کچھ عطا کیا ہے، اور یہ سب کچھ یقیناً اللہ کا فضل ہے۔

حاصل : جو بات ہمارے لئے وجہ فضیلت ہو، اس کے بارے میں یہ بتانا ہمارا حق ہے، کہ یہ یقیناً اللہ کی عطا ہے اور اس کا فضل ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے آپ کے لشکر جمع کیے گئے، جِنّ و انس اور طیور اور ان کی درجہ بندی کی جارہی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ان کے لشکر جمع کیے گئے، کہ آپ ان کا جائزہ لے سکیں۔ اس لشکر میں جِنّ بھی تھے، انسان بھی تھے اور پرندے بھی تھے۔ اس لشکر کے ہر حصے کو اپنے اپنے کام کا علم تھا اور اس لشکر کے سب حصے باہم مربوط تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ماحول کے بارے میں بڑے باخبر رہ سکتے تھے، جن و انس کی فوجوں کو مطلوبہ کام پر لگا سکتے تھے اور بڑے بڑے کام بآسانی کر سکتے تھے۔ یہ بڑی شان تھی، مگر اس شان کے ساتھ آپ نے اظہار بندگی کر کے دکھایا، اور فخر و غرور کی کوئی بات نہیں کی۔

حاصل : کام کے حوالے سے لشکروں کی درجہ بندی ہونی چاہئے، ان کے مابین بڑا ربط ہونا چاہئے، اور شان و شوکت عطا کرنے والے مالکِ کل کی بندگی خلوت و جلوت میں ہونی چاہئے۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

حتیٰ کہ جب چیونٹیوں کی وادی پر پہنچے، ایک چیونٹی نے پکارا، اے چیونٹیو اپنے مساکین میں داخل ہو جاؤ، کہیں تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان (علیہ السلام) اور آپ کے لشکر اور انہیں پتہ بھی نہ ہو۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر گزرتے ہوئے چیونٹیوں کی ایک وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے، چیونٹیوں کو خبردار کیا اور کہا کہ اے چیونٹیو اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کے ساتھ آرہے ہیں، کہیں تم کچلی نہ جاؤ اور انہیں اس بات کا پتہ بھی نہ ہو کہ تم کچلی جارہی ہو۔ چیونٹیاں حیات اجتماعی کے اعتبار سے بڑی منظم ہوتی ہیں۔ اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے بڑے نظم سے کام میں لگی رہتی ہیں۔ جن کا کام دَل کو خطرات سے آگاہ کرنا ہو، وہ ہی یہ کام کرتی ہیں۔ ان کی آواز ان کے اختیارات کے دائرے میں سنی بھی جاتی ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے۔ چیونٹی کو یہ یقین تھا، کہ یہ

لشکر چیونٹیوں کو کچلنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ بے خبری میں ان سے ایسا ہو سکتا ہے۔

حاصل : چیونٹیوں کی حیات اجتماعی بڑی منظم ہوتی ہے۔ اس سے بڑا مفید علم حاصل ہوتا ہے۔ حشرات کو کچلے جانے سے بچانا چاہیے۔ نیچے دیکھ کر چلنا چاہئے۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَأَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

تو اس کے قول سے آپ تبسم فرما کر ہنسے اور دعا کی اے میرے رب، مجھے شرف دے کہ میں تیری نعمت کا شکریہ ادا کروں، جو نعمت تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی، اور یہ کہ میں صالح عمل کروں جس سے تو راضی ہو، اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں میں داخل فرما۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ایک چیونٹی کی آواز کو سنا جو اپنے دَل کو خبردار کر رہی تھی، تو آپ نے اللہ کے عطا کردہ علم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تبسم فرمایا، اور دعا کی: اے میرے ربّ جس عطاء بے بہا سے تو نے مجھے نوازا ہے، مجھے یہ شرف دے کہ میں تیری نعمت کا شکریہ ادا کروں۔ یقیناً تو نے مجھے اور میرے والدین کو بڑی نعمت سے نوازا ہے۔ میں تیرے سہارے کی درخواست کرتا ہوں کہ اس عطاء بے بہا کو تیری رضا کے مطابق استعمال کروں، صالح رہوں اور صالحین کے ساتھ رہوں۔

حاصل : اللہ کی عطا کردہ نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ صالح عمل وہی ہے جس سے اللہ راضی ہو، اور جو صالحین کی طریقت کے مطابق ہو۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور طیور کا جائزہ لیا، تو فرمایا، کیا ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا، یا وہ غائب ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں میں پرندے اس نظم کے ساتھ موجود تھے، کہ انہیں پتہ تھا کہ ان کا مقام کیا ہے، ان کے ذمے کام کیا ہے، اور وہ کس کے سامنے جواب دہ ہیں۔ جب آپ نے ہدہد کو اس کے مقام پر نہیں دیکھا، تو فرمایا: ہدہد کو میں نہیں دیکھ رہا، یا وہ کہیں غائب ہے۔

حاصل : جس کو اپنے مقام کا علم ہو، اسے اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے مقررہ مقام پر موجود ہونا چاہئے۔

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

اسے ضرور سزا دوں گا، شدید سزا، یا اسے ذبح کر ڈالوں گا، یا وہ میرے پاس کوئی واضح ثبوت لائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کے بارے میں فرمایا کہ اس کو فرائض کی بجا آوری میں غفلت کی سزا دی جائے گی، وہ سزا شدید ہوگی یا انتہائی ہوگی اور جرم کی نوعیت اور نسبت سے ہوگی۔ سزا سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے، کہ ہُدہُد اپنی عدم حاضری کا واضح جواز پیش کرے۔ پرندوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام جو کام لیتے تھے، وہ اللہ کے عطا کردہ علم کی بدولت تھے، اندازے سے اس کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ علم کسب رکھنے والے بھی پرندوں سے ان کی کسی خصوصی حس کے حوالے سے کئی کام لے لیتے ہیں۔

حاصل : سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہئے۔ جس کی مجبوری کا واضح ثبوت مل جائے، اس کو سزا دینا خلاف حق ہوتا ہے۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾

تو زیادہ دیر نہ کی پھر حاضر ہو کر ہُدہُد نے عرض کی، کہ میں وہ دیکھ آیا ہوں جو آپ نے نہیں دیکھا اور میں سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

وقت مقررہ پر ہُدہُد نے اپنی عدم حاضری کا جواز پیش کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام سے یہ گزارش کی، کہ میں وہ کچھ دیکھ آیا ہوں جو آپ کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا، اور میری پیش کردہ باتیں آپ کے لئے مفید ہوں گی۔ یہ باتیں سبا سے متعلق ہیں اور میرے یقین کے مطابق بالکل درست ہیں۔ حکومتوں کے مخبر اسی انداز میں بات کرتے ہیں۔

حاصل : اپنی کوتاہی کا جواز پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مخبر حاکم وقت کی پسند کو اپنی سمجھ کے مطابق بڑی وقعت دیتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ حکومت کو صرف یقینی خبر کی ضرورت ہوتی ہے۔

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

میں نے ایک عورت دیکھی ہے جو ان پر بادشاہی کرتی ہے، اور اسے ہر شے سے

عطا ہوا ہے، اور اس کا تخت عظیم ہے۔

ہُدہُد نے اپنی گزارش پیش کرتے ہوئے یہ کہا: کہ میں نے ایک عورت دیکھی ہے، جو ملک سبا پر حکومت کر رہی ہے۔ اسے سبھی کچھ حاصل ہے۔ محکوم رعایا ہوتے ہیں، وہ اگر حکومت وقت سے خوش ہوں تو پھر حکومت کے پاس سبھی کچھ ہوتا ہے، اور لوگ ملک کی رفاہیت اور ترقی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اگر رعایا خوش نہ ہو تو حکومت کے پاس پریشانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ہدہد نے یہ بھی بتایا کہ ملکہ سبا کا تخت عظیم ہے۔ تخت شاہی بادشاہوں کے جاہ و جلال اور مال و منال کا مظہر ہوا کرتا تھا، اس لئے اس کو سجانے کی کوشش بہت ہوا کرتی تھی۔

حاصل : عورت کی بادشاہی اچنبھے کی بات تھی۔ محکوم حاکم وقت پر اعتماد کرتے ہوں، تو حاکم وقت کے پاس سبھی کچھ ہوتا ہے۔ تخت جلال شاہی کا مظہر سمجھا جائے تو حکومتیں اس کو بنانے سجانے میں زور لگاتی ہی ہیں۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

میں نے پایا کہ وہ عورت اور اس کی قوم اللہ کے مقابل سورج کو سجدہ کرتے ہیں، اور شیطان نے انہیں ان کے اعمال کو زینت دے کر دکھایا ہے اور انہیں راہ سے روک دیا ہے تو وہ ہدایت نہیں پاتے۔

ہُدہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے ملک سبا کے لوگوں کے دین و اخلاق کے بارے میں یہ بتایا: کہ وہ لوگ سورج پرست ہیں، مشرک ہیں۔ شیطان نے انہیں یہ دکھایا ہے کہ تم دنیا میں بڑے کامیاب لوگ ہو، اس طرح انہیں طلب ہدایت کی راہ سے روک دیا ہے۔ طلب ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ ہدایت نہیں پا رہے ہے۔

حاصل : اپنے مشاہدے کو بیان کرنے کے بعد ان اسباب کو بھی واضح کرنا چاہئے جن کا ان واقعات سے یقینی تعلق ہے۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾

کیوں سجدہ نہیں کرتے اللہ کو اور جو آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں نکالتا ہے، اور جسے علم ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔

ہُدہُد نے ملک سبا کے لوگوں کے بارے میں یہ بتانے کے بعد کہ وہ کیا کرتے ہیں، یہ بتانا بھی اپنا حق سمجھا کہ انھیں کیا کرنا چاہئے، اور یہ کہا کہ سجدہ تو اللہ کو کیا جانا چاہئے، جو آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں نکالتا ہے۔ جلوت میں آنے سے پہلے خلوت میں ہر شے اپنے منشاء تخلیق کے مطابق بنائی جاتی ہے۔ خالقِ کل اللہ ہے، وہ باطن کو بھی جانتا ہے ظاہر کو بھی جانتا ہے۔ بندگی تو اس کی ہونی چاہئے جو خالقِ کل ہے، مالکِ کل ہے، علیمِ مطلق ہے، قادرِ مطلق ہے اور یومِ الدین کا مالک ہے۔

حاصل : اپنے مشاہدے کو بیان کرنے کے بعد یہ بھی بتانا چاہئے، کہ ہونا کیا چاہئے۔ اسی سے واضح ہو گا، کہ ہدایت کی طلب رکھنے والوں پر حق کیا عائد ہوتا ہے۔

السجدة ۸

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔

جس کو ہر حال میں اللہ کی رضا مقصود ہو، وہ اللہ کو معبود مانتا ہے۔ مشیتِ الٰہی جس کو ہر مقام پر غالب نظر آئے، وہ مانتا ہے کہ عرشِ عظیم کا مالک اللہ ہی ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ مالکِ کل کے سامنے کسی فرد یا جماعت کی کیا حیثیت ہوگی۔ بندے کا مقابلہ تو بندے سے ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کی رضا کو ہر مقام پر مقصود ہونا چاہئے۔ مشیتِ الٰہی کے سامنے کسی کی پسند کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

فرمایا: ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تو سچا ہے یا تو جھوٹوں سے ہے۔

ہُدہُد کی بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، تم نے اپنی عدم حاضری کا جواز پیش کرتے ہوئے جو بیان دیا ہے، ہم ابھی اس کی صداقت یا کذب کو دیکھتے ہیں۔ ہُدہُد کے بیان کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ یہ ہے کہ اس نے کیا دیکھا ہے۔ دوسرا حصہ یہ ہے کہ وہاں ہونا کیا چاہئے تھا۔ صداقت و کذب کا تعلق صرف پہلے حصے سے ہی ہو سکتا ہے، دوسرا حصہ قطعاً حق ہے۔

حاصل : جس کے سچے یا جھوٹے ہونے کا فیصلہ کرنا ہو، اس کو بتانا چاہئے، ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تم سچے ہو یا جھوٹے ہو۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

میرا یہ خط لے جا اور انہیں پہنچا دے، پھر ان سے ہٹ آ، تو دیکھ وہ کیسے رجوع

ہوتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کو یہ حکم دیا، کہ سبا کی ملکہ کے دربار میں آپ کا نامہ پہنچا دیا جائے۔ خط پہنچانے کے بعد وہاں سے ہٹ کر بیٹھنے کا حکم بھی دیا گیا اور ان کے ردِ عمل پر نظر رکھنے کی تاکید بھی کی گئی۔ ہُدہُد کے لئے نامہ بری کا کام نیا نہیں تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی صلاحیت کو جانتے ہوئے اسے حکم دے رہے تھے، اور ہُدہُد کی لائی ہوئی خبر سے ہی اس کے سابقہ بیان کی صداقت یا کذب کا ثبوت ملنا تھا۔

حاصل : مخبر کی صداقت یا کذب کا یقین حاصل کرنے کے لئے ضروری کاروائی کرنی چاہئے۔ مخبر کو جو کام سونپا جائے وہ اس کی صلاحیت کے مطابق ہونا چاہئے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّىْٓ اُلْقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ملکہ نے کہا اے درباریو مجھ پر ایک عزت والا خط ڈالا گیا ہے۔

ملکہ سبا نے ہُدہُد کے ذریعے خط آنے پر کسی اچنبھے کا اظہار نہیں کیا۔ درباریوں کے لئے بھی اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ پرندوں کے ذریعے نامہ بری اس وقت معروف تھی۔ مگر یہ بات ملکہ اور اس کے درباریوں کے علم میں نہ تھی کہ ہُدہُد ان کو دیکھ رہا ہے اور وہ اپنا مشاہدہ اپنے بھیجنے والے کے پاس جا کر بیان کرے گا اور بھیجنے والے اس کی زبان کو جانتے ہیں۔ ملکہ نے اپنے درباریوں سے کہا، مجھ پر ایک عزت والا خط ڈالا گیا ہے۔ جو خط اپنے اندر پیغام حق رکھتا ہو، اور بھیجنے والے کے مرتبے کو واضح کرتا ہو وہ عزت والا خط ہوتا ہے۔

حاصل : جس خط میں مکتوب الیہ کے درجے کا لحاظ ہو اور خط کے مندرجات حق کے حوالے سے پورے ہوں تو وہ خط یقیناً عزت والا خط ہوتا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾

بے شک وہ سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے جو الرحمٰن اور الرحیم ہے۔

عزت والے خط کے بارے میں ملکہ نے اپنے درباریوں کو یہ بتایا، کہ یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور اس خط میں اللہ کا ذکر ہے، جو الرحمٰن بھی ہے الرحیم بھی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں درباریوں کو کوئی وضاحت درکار نہ تھی، کہ وہ محتاج تعارف نہیں تھے۔ سبا کے لوگ سورج پرستی کرتے تھے، اس لئے یہ خالق کل کو جانتے تھے اور اس کی صفات کو بھی جانتے تھے۔ حق ان لوگوں نے سن ضرور رکھا تھا، اس لئے اللہ اور الرحمٰن اور الرحیم کو سمجھنے میں ان کو کوئی مشکل پیش

نہیں آئی۔

حاصل : خط کے مندرجات بتانے سے پہلے بھیجنے والے کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ نفس مضمون میں سب سے اہم بات پہلے ہونی چاہئے۔

أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۱﴾

یہ کہ مجھ پر بڑائی نہ چاہو اور سلامتی سے حاضر ہو۔

خط کا مقصود بیان کرتے ہوئے ملکہ سبا نے بتایا کہ اے درباریو اس خط میں یہ لکھا ہے کہ مجھ پر بڑائی نہ چاہو اور سلامتی کے ساتھ میرے پاس آؤ۔ درباریوں کو اس خط کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ بڑائی چاہنے والے ہی متکبر ہوتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ سلامتی سے حاضر ہونے کے معنی یہ ہیں، کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں آپ لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ حاضر ہو کر اپنا حال سناؤ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے حق کو سنو۔

حاصل : دین میں جبر کا کوئی مقام نہیں ہے۔ فساد فی الارض کو روکنے کی تدابیر ضروری ہوتی ہیں۔ فساد کے رک جانے کا یقین حاصل ہو جانے کے بعد حق کو بیان کرنے میں اور حق کے بارے میں لوگوں کے سوالات کا جواب دینے میں ماحول سمجھنے سمجھانے کا ہونا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (39) میں ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۹﴾

فرما دیجئے کیا برابر ہیں علم رکھنے والے اور وہ جو علم نہیں رکھتے۔ بے شک نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿۳۲﴾

ملکہ نے کہا اے سردارو۔ میرے اس کام میں مجھے مشورہ دو، میں طے نہیں کرتی کوئی کام جب تک تم حاضر نہ ہو۔

ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عزت والے خط کے مندرجات کا ذکر کرنے کے بعد اپنے درباریوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہا: اے سردارو مجھے اس کام میں مشورہ دو۔ میں تمہاری اہمیت کو جانتی ہوں۔ تم سے مشورہ کیے بغیر اہم امور میں فیصلہ کرنا میرا طریقہ نہیں ہے۔ سرداروں کے احساسات معلوم کرنے کا یہی طریقہ ملکہ کو مناسب معلوم ہوا۔

حاصل : ساتھیوں کے سامنے مسئلہ بیان کر کے ان سے مشورہ لینا چاہئے، اس سے فیصلہ کرنے

میں بڑی مدد ملتی ہے۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

کہنے لگے ہم بڑی قوت والے ہیں، اور شدید لڑائی والے ہیں۔ امر آپ کی طرف سے ہے، تو دیکھ لیجئے جو امر آپ کرتی ہیں۔

سرداروں نے ملکہ سے یہ کہا کہ ہم بڑی قوت والے ہیں، اور عددی قوت کے ساتھ ساتھ ہم لڑائی سے بھاگنے والے نہیں ہیں۔ ہمارا امتیاز یہی ہے کہ ہم شدید لڑائی لڑتے ہیں، اور آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ جنگ کرنے کا فیصلہ یا جنگ نہ کرنے کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ اگر آپ جنگ کرنے کا فیصلہ کرتی ہیں تو ہمیں آپ مستعد پائیں گی، یہی ہمارا مشورہ ہے۔ اس سے آگے ہمارا کام صرف آپ کے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔

حاصل : فیصلہ کرنے والے کی طرف سے مشورہ مانگا جائے تو اپنے مقام کے مطابق اس کا جواب دینا چاہئے۔ یہ یقین مشورہ دینے والے کو ہونا چاہئے، کہ فیصلہ کرنے والا اپنے مقام کے حوالے سے جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ مشورہ دینے والا نہیں دیکھ رہا۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾

ملکہ نے کہا بادشاہ جب کسی قریے میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے ذی وقار لوگوں کو بہت ذلیل کرتے ہیں، اور یہی کریں گے۔

ملکہ نے اپنے درباریوں سے مشورہ لینے کے بعد یہ کہا: کہ بادشاہ جب کسی بستی میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوتے ہیں، تو بہت کچھ برباد کر دیتے ہیں۔ اس بستی کے بڑے عزت والے لوگ فاتحین کے نزدیک انتہائی ذلت آمیز سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔ ایسے ہی سلوک کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ملکہ نے جنگ کے نتائج کا ذکر کر کے درباریوں کو غور و فکر کا موقع دیا۔

حاصل : پاک لوگوں کو فتح حاصل ہو تو وہ مفتوحہ بستی میں فساد نہیں مچاتے، وہاں کے عزت والے لوگوں کو ذلیل نہیں کرتے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ

اور میں ان کی طرف ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر

يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

دیکھتی ہوں، بھیجے ہوئے کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔

ملکہ نے اپنے درباریوں کو بتایا کہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تحائف بھیجنے والی ہوں۔ میری پیشکش کو وہ کس نظر سے دیکھتے ہیں اور میرے بھیجے ہوئے سفیروں کے ساتھ وہ کیسا سلوک کرتے ہیں، یہ جاننے کے لئے سفیروں کی واپسی کا انتظار کرنا چاہئے۔

حاصل: خواہشات کی پیروی کرنے والا یہی سوچ سکتا ہے کہ دوسرے بھی اسی رخ پر ہوں گے۔ متکبر کو وہ چیز بہت عزیز ہوتی ہے، جو دوسروں پر اس کی برتری کو ثابت کرے۔ انتہائی مشکل مقام پر وہ ایسی چیز بطور تحفہ دینے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

پھر جب وہ سلیمان (علیہ السلام) کے پاس حاضر ہوا، آپ نے فرمایا کیا مال سے میری مدد کرتے ہو، تو مجھے جو اللہ نے عطا کیا ہے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں عطا ہوا ہے، بلکہ تم ہی اپنے ہدیے سے فرحت پاؤ۔

ملکہ سبا کا بھیجا ہوا تحفہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا، تو آپ نے تحفہ پیش کرنے والے سے یہ فرمایا: مجھے مال تو درکار نہیں ہے، جو کچھ اللہ نے مجھے عطا کیا ہے وہ یقیناً اس سے بہتر ہے جو آپ لوگوں کو عطا ہوا ہے۔ یہ تحفہ تمہارے لئے بہت اہم ہے۔ یہ تمہیں بہت فرحت دیتا ہے، اس لئے تم اس سے فرحت پاؤ۔

حاصل: تحفہ بھیجنے والے کے منشاء کو دیکھنا چاہئے۔ جو حق کی اطاعت سے گریز کرے اس کا تحفہ اسے واپس کر دینا چاہئے۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

لوٹ جا ان کی طرف، تو ضرور ہم وہ لشکر لائیں گے جس کا مقابلہ نہ ہو سکے، اور انہیں وہاں سے نکال دیں گے ذلیل کر کے اور وہ پست ہوں گے۔

ملکہ سبا کا ہدیہ اور پیغام لانے والے کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا، کہ تم اپنے ملک میں واپس جاؤ اور انہیں خبر دو جنہوں نے تم کو بھیجا ہے، کہ ہم مال کے طالب نہیں ہیں، حق کو روشن کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم لوگوں کو خلاف حق کرنے پر اصرار ہے، تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہیں۔ تم لوگوں کو اپنی قوت پر ناز ہے، مگر تم اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکو گے جو ہم تم پر لائیں گے۔ اور تمہارے غرور کا انجام یہ ہو گا کہ تم ذلیل ہو گے اور قریئے سے نکال دیئے جاؤ گے۔ حق سے مقابلہ کرتے ہوئے پٹ جانے کے بعد پستی ہی تمہارا مقدر رہے گی۔ تمہیں یہ توفیق ہی نہیں ملے گی کہ تم کبھی حق سے مقابلہ کرنے کی جرات کر سکو۔

حاصل : پاک لوگوں کا مقصود اظہارِ حق ہوتا ہے، حصولِ مال نہیں ہوتا۔ متکبر لوگوں کو ان کے انجام سے پوری طرح آگاہ کرنا چاہئے، تاکہ ان پر حجت تمام ہو جائے۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٨﴾

فرمایا، اے درباریو تم میں کوئی ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ سلامتی سے میرے پاس حاضر ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں کو یہ بشارت دی کہ ملکہ سبا تو میرے دربار میں حاضر ہونے والی ہے، اور وہ اطاعت گزار بن کر آئے گی۔ اس کے ساتھ اس کے درباری بھی ہوں گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں آ جائے۔ آپ نے درباریوں سے پوچھا تم میں سے کون ہے جو یہ خدمت بجالائے گا۔ آپ یقیناً اپنے درباریوں کی اہلیت سے واقف تھے۔ پوچھنے کا منشاء یہ تھا کہ کام کی نوعیت اور مطلوبہ وقت میں اس کی تکمیل کو سامنے رکھ کر درباری اس کے بارے میں اپنی خدمات کی پیشکش کریں۔

حاصل : درباریوں کو ان کی اہلیت کے حوالے سے جاننے کے باوجود، بڑے کاموں کو چیلنج بنا کر ان کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔ اس سے کسی کو اپنی حق تلفی کی شکایت کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾

ایک بڑا جن عرض کرنے لگا۔ میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا قبل اس کے کہ آپ اس مقام سے اٹھیں، اور میں اس کام پر قدرت رکھنے والا امین ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں کے سامنے کام کی نوعیت اور اس کی تکمیل کے لئے مطلوبہ وقت بیان کیا، تو ایک بڑے زور آور جن نے یہ عرض کیا، کہ میں اس تخت کو آپ کی اس مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے حاضر کر دوں گا۔

مجھے اس کام پر قدرت بھی ہے اور میں امین بھی ہوں۔ میں اس کو پوری طرح سنبھال کر لاؤں گا۔ اور وہ آپ کی خدمت میں اسی حالت میں پیش ہو گا جس حالت میں وہ وہاں پایا جائے گا۔

حاصل: کام تفویض کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے، کہ جس کو کام سپرد کیا جارہا ہے، وہ اس کے لئے قوت بھی رکھتا ہو اور امین بھی ہو۔

قَالَ الَّذِىۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ‌ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّىۡ ۖ لِيَبۡلُوَنِىۡۤ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ‌ ؕ وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىۡ غَنِىٌّ كَرِيۡمٌ ﴿۴۰﴾

وہ عرض کرنے لگا جس کے پاس کتاب کا ایک علم تھا، میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا قبل اس کے کہ آپ کی آنکھ آپ کی طرف لوٹے۔ پھر جب سلیمان (علیہ السلام) نے لائے اپنے پاس رکھا دیکھا، پکار اٹھے یہ فضل ربی سے ہے، میرے دیکھنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا نہیں کرتا۔ اور جو شکر کرتا ہے، اس کا شکر اسی کے لئے ہے۔ اور جو ناشکری کرے تو بے شک میرا ربّ بے پرواہ کریم ہے۔

زور آور جنّ کا دعویٰ سن کر کہ وہ مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے ملکہ سبا کے تخت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پیش کر سکتا ہے، آپ کے درباریوں سے ایک صاحب نے جو کتاب الٰہی کا علم رکھتے تھے یہ کہا: کہ میں ملکہ سبا کے تخت کو آپ کے پاس اتنی دیر میں لے آؤں گا، جتنی دیر میں آپ کی نگاہ کسی چیز کی طرف سے لوٹ کر آپ کی طرف آتی ہے۔ اس سے کم وقت میں یہ کام ہونا ممکن نہ تھا، اس لئے آپ نے اس عالم کتاب کو حکم دیا کہ آپ یہ کریں۔ پھر جلد ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا، تو آپ پکار اٹھے کہ یہ میرے رب کے فضل سے ہے، اور یہ میرے دیکھنے کے لئے ہے کہ میں اپنے رب کا شکر گزار ہوتا ہوں یا نہیں ہوتا۔ جو اپنے رب کے فضل کا شکر ادا کرتا ہے، تو وہ اپنے شکر گزار ہونے کی بدولت فلاح پاتا ہے۔ جو ناشکری کرتا ہے وہ میرے رب کا کچھ نقصان نہیں کر سکتا، میرے رب کو کسی کی احتیاج ہی نہیں ہے، وہ تو کرم کرنے والا ہے۔

حاصل: کتاب الٰہی کا علم جس قدر باعث قوت ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

محیرالعقول کام ہو جائیں تو اسے اپنے رب کا فضل جاننا چاہئے، اور شکر گزاری کرنی چاہئے۔ اللہ کی عطا کو بیان کر کے اظہار بندگی کرنی چاہئے، اور یہ کہنا چاہئے کہ ہمیں ہر مقام پر اللہ کے فضل کی احتیاج ہے، اور اللہ بہرحال احتیاج سے پاک ہے۔

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٤١﴾

فرمایا، اس کے تخت کی وضع بدل دو، ہم دیکھیں وہ ہدایت پاتی ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جو ہدایت نہیں پاتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے تخت میں کچھ تبدیلیاں کرنے کا حکم دیا، منشاء یہ دیکھنا تھا کہ وہ اس تخت کو یہاں دیکھ کر اپنی جسمانی زبان سے کیا تاثر دیتی ہے۔ جس تخت کو وہ اپنا امتیاز جانتی تھی ویسا ہی تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس دیکھ کر وہ کونسا رخ اختیار کرتی ہے۔ ہدایت پانے کی صورت یہ تھی کہ جو کچھ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں نظر آرہا تھا وہ اسے انسانی کوشش و کاوش کا نتیجہ نہ سمجھتی، اسے اللہ کا فضل مان لیتی، اور ہدایت نہ پانے کی صورت یہ تھی کہ وہ اپنی کوشش و کاوش کے نئے زاویے تلاش کرنے کی طرف چل پڑتی۔

حاصل: علم و حکمت رکھنے والے کا حکم علم و حکمت سے ہوتا ہے۔ جو مظاہر کو دیکھ کر خالقِ کل کی طرف رخ کرے وہ ہدایت پانے والا ہوتا ہے، جو اشیاء کے حسن دلفریب میں پھنس جائے وہ ہدایت پانے والا نہیں ہوتا۔

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾

پھر جب وہ آپہنچی اس سے پوچھا گیا، کیا آپ کا تخت ایسا ہی ہے۔ کہنے لگی، گویا یہ تو وہی ہے، اور ہم کو اس سے پہلے ہی علم ہو چکا ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں۔

ملکہ سبا جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اپنے مقربین کے ساتھ آپہنچی تو خاطر مدارات کے بعد ان سے یہ سوال کیا گیا، کہ یہ تخت دیکھئے، کیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے۔ ملکہ نے جواب دیا، ایسا ہی کیا یہ تو گویا وہی لگتا ہے۔ اور کہا: یہ حیرت تو اپنی جگہ رہی، ہم کو اس سے پہلے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے مرتبے کا علم ہو چکا ہے اور ہم ان کی فضیلت کو تسلیم کرتے ہیں، ہم ان کے علم کی قدر کرتے ہیں، ہم ان کی حکمت کی قدر کرتے ہیں، آپ کا علم اور آپ کی حکمت انسانی سوچ سے پیدا نہیں ہوئی۔

حاصل: علم و حکمت جہاں بھی ہو، اپنی نشانیوں سے واضح ہوتا رہتا ہے، پتہ اسے ہی لگتا ہے جو

ہدایت کا طالب ہو۔ جو ہدایت کا طالب ہو وہ تسلیم کے مقام پر ضرور آ پہنچتا ہے۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور اسے ان چیزوں نے روک رکھا تھا. جن کی وہ اللہ کے مقابل بندگی کرتی تھی۔ بے شک وہ تھی قوم کافرین سے۔

ملکہ کی دانائی اپنی جگہ تھی، مگر اس کا مقام قیادت کے حوالے سے ایسا تھا کہ وہ کافرلوگوں سے خود کو الگ نہ کر سکی۔ جن چیزوں کی وہ پرستش کرتی تھی، وہ چیزیں اس کو معبود حقیقی لگتی نہیں تھیں، مگر ان چیزوں کی عبادت سے انکار بڑی جرات کا کام تھا اور اس کا انجام بھی ملکہ کی نظر میں تھا۔ سیادت و قیادت کی طلب اس کے لئے سدراہ بنی رہی۔ قومی روایات نے اسے روکے رکھا اور وہ سورج پرستی کو درست نہ سمجھنے کے باوجود قوم کافرین میں شامل رہی۔

حاصل: اپنے منصب کو طلب ہدایت کے حوالے سے سدراہ نہیں بننے دینا چاہئے۔ سیادت قیادت فلاح دارین کے مقابل عزیز نہیں ہونی چاہئے۔ پاک لوگوں کی روایات ضرور قابل احترام ہوتی ہیں کہ ان کا تعلق اللہ کی رضا سے ہوتا ہے اور ہدایت سے ہوتا ہے۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع ۱۸

اس سے کہا گیا کہ محل میں تشریف لے جایئے۔ پھر اسے دیکھ کر گہرا پانی سمجھی اور اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ فرمایا یہ تو ایک شیشوں جڑا محل ہے۔ پکار اٹھی اے میرے رب میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اور اب میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ اللہ کو مانتی ہوں جو رب العالمین ہے۔

ملکہ سے یہ کہا گیا، کہ محل کے اندر تشریف لے جایئے۔ جب وہ محل میں داخل ہوئی، تو اس نے یہ سمجھا کہ آگے پانی ہے۔ اس نے اپنے کپڑوں کو گیلا ہونے سے بچانے کے لئے کپڑے اوپر اٹھائے۔ اس طرح اس کی پنڈلیاں نظر آنے لگیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، یہ ایک شیش محل ہے آپ اطمینان رکھئے آپ کے کپڑے گیلے نہیں ہوں گے۔ ملکہ سبا کو جو ناز تھا کہ اس کے پاس زندگی کی جدید ترین آسائشیں اور حیرت انگیز چیزیں ہیں، وہ ناز اس واقعہ سے جاتا رہا۔ اور اس ناز کے ختم ہوتے ہی ملکہ نے پکار کر اپنے خلافِ حق اعمال کا اعتراف کیا، اللہ کو ماننے کا اعلان کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی تسلیم پر گواہ بنایا، اور

کہا میں رب العالمین کو مانتی ہوں۔

حاصل : جو مصنوعات پر ناز کرنے کی بجائے صانع حقیقی کی شان کو دیکھنے لگے، اس کے لئے اپنے محسن کے حوالے سے اللہ کو ماننا آسان ہو جاتا ہے، پھر حجابات کے اٹھنے میں دیر نہیں لگتی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (20) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴿۸۲﴾

اور بے شک میں ضرور بخشنے والا ہوں، جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور صالح عمل کرے پھر ہدایت پر رہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو تو جبھی وہ دو فریق ہو کر جھگڑنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی ہلاکت کے بعد قوم ثمود کو خلیفہ ٹھہرایا۔ یہ لوگ بھی جب حق سے دور ہو گئے تو حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا گیا۔ صالح علیہ السلام کا پیغام وہی تھا جو مرسلین کا پیغام رہا ہے۔ پیغام یہ تھا کہ اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اللہ کے مقابل کسی کو معبود ٹھہراؤ گے تو یہ شرک ہو گا اور ظلم عظیم ہو گا۔ مقصود ہر مقام پر اور ہر حال میں اللہ کی رضا ہو گی تو اللہ کی بندگی ہو گی، من مانی کسی شکل میں ہو وہ کبھی اللہ کی بندگی نہیں ہو گی۔ ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی رسالت کی نشانی مانگی، مطلوبہ نشانی کو دیکھ لینے کے بعد کچھ لوگ آپ پر ایمان لے آئے اور بہت سے لوگ من مانی کرنے پر مصر رہے۔ اس طرح ایک حق کو ماننے والے ہو گئے ایک حق کا انکار کرنے والے ہو گئے۔

حاصل : حق کو ماننے کے لئے نشانیاں ہمیشہ حال پر موجود ہوتی ہیں، من مانی کرنے کی طلب انسان کو ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتی۔

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

فرمایا اے میری قوم بھلائی سے قبل کیوں برائی کی جلدی کرتے ہو، کیوں اللہ سے استغفار نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم تم لوگوں پر حجت تمام ہو رہی ہے۔ تم لوگ خلاف حق

کرنے سے باز نہیں آتے۔ تمہیں عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہئے۔ منکرین حق نے یہ جواب دیا کہ اے صالح (علیہ السلام) اگر آپ اللہ کے رسول ہیں، تو لے آیئے وہ عذاب جس سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں۔ ہم اسی عذاب کو دیکھ کر آپ کی صداقت کو تسلیم کریں گے۔ آپ نے فرمایا: تم بہت غافل لوگ ہو. عذابِ الٰہی کو جلدی مانگ رہے ہو. بھلائی کیوں نہیں چاہتے. اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش کیوں نہیں طلب کرتے. یہ صورت تمہارے لئے باعث رحمت ہوگی۔

حاصل : حق کے انکار اور تکبر کی انتہا ہے یہ کہ عذابِ الٰہی کو مانگنے میں جلدی کی جائے۔ اللہ سے استغفار کرنے والے سخت گیر نہیں ہوتے. وہ خود بھی لوگوں کو اپنی ذات کے حوالے سے معاف کر دیا کرتے ہیں، یہ رویہ باعث رحمت الٰہی ہوتا ہے۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ ۚ قَالَ طَائِرُكُمْ عِندَ اللَّهِ ۖ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٤٧﴾

کہنے لگے ہم آپ سے اور آپ کے ساتھیوں سے بُرا شگون لیتے ہیں۔ فرمایا، تمہارا بُرا شگون عنداللہ ہے، بلکہ تم فتنے میں پڑی ہوئی قوم ہو۔

منکرین حق نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ کہا، کہ آپ اللہ کے رحم کی بات کر رہے ہیں، ہمیں تو یہ پتہ ہے کہ آپ کا قدم اور آپ کے ساتھیوں کا قدم ہمارے لئے نحوست لایا ہے۔ ہم کسی نہ کسی دکھ میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ پہلے ایسا نہیں تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: نتائج باذن اللہ ہوتے ہیں، مشیت الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور اتمام حجت ہو رہی ہو تو یہی دیکھا جاتا ہے کہ تم اپنی حیثیت کو اللہ کی قدرت کے سامنے ہیچ دیکھ کر خلاف حق کرنے سے رکتے ہو. یا غفلت میں پڑے خلاف حق کیے چلے جاتے ہو۔

حاصل : تبلیغ حق کرنے والوں سے اور ان کے ساتھیوں سے بُرا شگون لینا، منکرین حق کا طریق زندگی ہے۔ مصائب و آلام کو باذن اللہ ماننے والے کسی سے بُرا شگون نہیں لیتے۔ جو قوم اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو نہ دیکھے وہ ہلاکت کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾

اور اس شہر میں نو خاندان تھے، جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہیں چاہتے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت پر کمربستہ. نو خاندان تھے۔ یہ لوگ من مانی کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ لوگوں کو ان کی خواہشات میں الجھاتے چلے جاتے تھے، اور فساد کو بڑھاتے رہتے تھے. اور اصلاح کی طرف نہیں آتے تھے۔ جو ان لوگوں کو دوسروں کے لئے پسند تھا، وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے۔ اصلاح کی طرف آنے کے لئے یہ ضروری ہے، کہ جو اپنے لئے پسند

ہو دوسرے کے ساتھ وہی کیا جائے۔ اگر مفسدین صرف نو شخص تھے، تو پوری بستی میں ان کو فساد سے روکنا کثیر لوگوں کے لئے مشکل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ نو خاندان تھے، جو خلاف حق کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔

حاصل : وہ خاندان جو فساد کرنے کے لئے مشہور ہو جاتے اور کبھی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوتے، ان کی اہمیت کو کم کرتے رہنا لوگوں کے لئے سکھ کا باعث ہوتا ہے۔ جرم کرنے والے ایک دوسرے کی مدد اپنی خواہش اور سلامتی کے حوالے سے کرتے ہیں۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

کہنے لگے، اللہ کی قسم کھاؤ، ضرور ہم اس پر اور اس کے اہل پر رات کو جا پڑیں گے، پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت پر شاہد نہیں اور ہم سچے ہیں۔

مذکورہ نو خاندانوں کے سربراہوں نے یہ طے کیا کہ ہم آپس میں ایک معاہدہ کر کے متحد ہو جائیں، اللہ کی قسم کھا کر اس معاہدہ کو یقینی بنائیں، اور معاہدہ یہ ہو کہ ہم سب متحد ہو کر رات کو حضرت صالح (علیہ السلام) اور ان کے سب اہل کو ختم کر دیں گے، پھر اگر کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرے گا تو اس سے یہ کہہ دیں گے کہ ہم موقع پر موجود نہیں تھے اور ہم اپنی صداقت کے دعوے کو دہراتے رہیں گے، اس طرح ہم سب اس کام میں شریک ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی حفاظت سے غافل نہیں ہوں گے۔

حاصل : خلاف حق کرتے وقت اللہ کی قسم کھانا، اللہ کی شان میں گستاخی کرنا ہے۔ مجرم کو اپنی سلامتی اسی امر میں نظر آتی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو شریک جرم کرے، پھر جرم کے بعد وہ سب اپنی بے گناہی اور صداقت کے ڈھول پیٹتے رہیں۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور انہیں پتہ بھی نہ لگا۔

مذکورہ نو خاندانوں نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے اہل کو رات کے اندھیرے میں ختم کرنے کے لئے جو متفقہ تجویز کی، یہ ان کا مکر تھا۔ اردو زبان میں لفظ مکر صرف منفی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، عربی زبان میں ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر الماکرین بھی ہے۔ جو خفیہ تدبیر اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے وہ منکرین حق کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور انہیں ان کی ہلاکت سے پہلے اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ یہ سب لوگ جب ایک مقام پر جمع ہو گئے، اور حضرت صالح علیہ السلام کے مخالفین میں سے کوئی باقی نہ رہا، تو

انہیں عذابِ الٰہی نے پکڑ لیا۔ یہ پکڑ اس قدر اچانک تھی کہ انہیں ہلاکت میں مبتلا ہونے سے پہلے اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔

حاصل : منکرینِ حق کی کوئی خفیہ تدبیر اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوتی، اور منکرینِ حق جب عذابِ الٰہی کی گرفت میں آتے ہیں تو انہیں اس کے اچانک آنے کا پتہ بھی نہیں لگتا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾

تو نظر کرو ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا، ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو اکٹھے کر کے ہلاک کر دیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو اور آپ کے اہل کو رات کے اندھیرے میں ختم کرنے کا ارادہ رکھنے والے سب جمع ہو گئے، اور یہ سمجھ لیا کہ ان کا مکر چل جائے گا، تو مقصد کے حصول سے پہلے ان لوگوں کو اپنی چال کے کارگر ہونے میں اپنے یقین کی وجہ سے خوشی بھی ہوئی۔ اس لمحے انہیں عذابِ الٰہی نے آگھیرا اور انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوا، اور یہ منکرینِ حق عبرتناک انجام کو پہنچے۔ صبح کو یہ سب لوگ اوندھے منہ پڑے تھے۔

حاصل : منکرینِ حق کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔ حق کو ماننے والوں سے دشمنی، منکرینِ حق کو اکٹھا کر دیتی ہے۔ وہ سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ان کا ارادہ انتہائی بُرائی کا ہو تو وہ سب منکرینِ حق ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾

تو یہ ہیں ان کے گھر جو برباد پڑے ہیں، اس لئے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔ بے شک اس میں علم والے لوگوں کے لئے نشانی ہے۔

ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کو ختم کرنے کی خفیہ تدبیر کی، تو حضرت صالح علیہ السلام تک پہنچنے سے پہلے ہی یہ لوگ عذابِ الٰہی میں پکڑ لئے گئے۔ ان ظالم لوگوں کے آثارِ قدیمہ اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ علم والے لوگوں کے لئے اس میں یہ نشانی ہے، کہ خلافِ حق کرنے والے جتنا بڑا محاذ بھی بنالیں، ان ظالموں کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

حاصل : آثارِ قدیمہ سے درسِ عبرت ملتا ہے۔ خلافِ حق کرنے والے ظالم ہوتے ہیں، اور ان کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾

اور ہم نے انہیں نجات دی، جو ایمان

والے تھے اور تقویٰ کرتے تھے۔

نجات پانے والوں کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ وہ ایمان والے ہوتے ہیں، ان کو ناصحین سے محبت ہوتی ہے، اور وہ اللہ سے ڈرتے ہیں کہ کوئی کام اللہ کی رضا کے خلاف نہ ہو جائے، اس معیار کو ملحوظ رکھنے میں کوتاہی نہ ہو جائے جسے اسوۂ حسنہ فرمایا گیا ہے۔ نجات اللہ ہی دیتا ہے اور اپنے علم سے دیتا ہے۔

حاصل : نجات اللہ ہی دیتا ہے، اور ایمان والوں اور تقویٰ کرنے والوں کو دیتا ہے۔

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۵۴﴾

اور لوط (علیہ السلام) کو جب آپ نے اپنی قوم سے فرمایا، کیا تم کھلی بے حیائی کرتے ہو اور تم دیکھ رہے ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے قبل جہان سے کسی نے نہیں کی۔ اس کام کے برے ہونے کے بارے میں اور اس کے صریحاً بے حیائی ہونے کے بارے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا، اور تم لوگ کھلی آنکھوں دیکھتے ہوئے اس برائی کو کیسے چلے جا رہے ہو۔

حاصل : بے حیائی کو روکنے کی کوشش کرنا پاک لوگوں کا حق ہے۔

اَئِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۵۵﴾

کیا تم عورتوں کے مقابل مردوں کے پاس شہوت کے لئے جاتے ہو، بلکہ تم جاہل لوگ ہو۔

اپنی قوم کی بداعمالی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم لوگ عورتوں کے مقابل مردوں کے پاس شہوت کے لئے جاتے ہو، یہ تو انتہائی جہالت ہے اور اسراف ہے۔ ازدواجی زندگی کی طبعی صورت کو چھوڑ کر جو راستہ بھی اختیار کیا جائے، اس میں کبھی بھلائی نہیں ہو سکتی۔

حاصل : ازدواجی زندگی میں عورتوں کے پاس طبعی صورت میں جانا حق ہے۔ حق کے علاوہ جو بھی ہے وہ گمراہی ہے۔ جان بوجھ کر خلاف حق کرنے والے جاہل ہوتے ہیں۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡۤا

تو آپ کی قوم کا جواب کچھ نہ تھا سوائے اس کے کہ آل لوط کو اپنے قریے سے

اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾

نکال دو، بے شک یہ لوگ تو پاکی ہی چاہتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا وہ حق تھا، اور کوئی اس کا انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا، اس لئے آپ کو قوم کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ لوگ اس بے حیائی کو یقیناً بے حیائی جانتے تھے۔ مگر اس کو چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ اس لئے وہ اس بات پر متفق ہوئے کہ لوط علیہ السلام اور ان کی آل کو اپنی بستی سے نکال دیا جائے، یہ پاک بندے ناپاک لوگوں کے ساتھ کیوں رہتے ہیں۔

حاصل : جو لوگ بے حیائی کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں، وہ ناصحین سے پیچھا چھڑانے کی کسی ترکیب پر متفق ہو جاتے ہیں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

تو ہم نے آپ کو اور آپ کے اہل کو نجات دی، سوائے آپ کی بیوی کے جسے ہم نے پیچھے رہ جانے والوں میں ٹھہرایا۔

آل میں وہ سب شمار ہوتے ہیں جو عقیدے کے لحاظ سے ایک ہوں، طریقِ زندگی کے لحاظ سے ایک ہوں اور حال پر ان کا رخ بہرصورت ایک ہو۔ اہل میں گھر والے اور متعلقین شمار ہوتے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی آپ کے گھر والوں میں سے تھی، مگر وہ پاکیزگی کی قدر نہیں کرتی تھی، اس لئے اللہ نے اس کو نجات پانے والوں میں نہ رکھا۔ یہ پیچھے رہ جانے والوں میں ٹھہرا دی گئی۔

حاصل : نجات دینا اللہ کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکیزگی اور ناپاکی کے درمیان وقف لازم کو پسند کرتا ہے۔ حق کو روشن کرنے والوں کا قرب نصیب ہونے کے باوجود خلاف حق کیا جائے تو سزا بھی اسی نسبت سے ہونی چاہئے۔

ع وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۱۹

اور ہم نے ان پر ایک برساؤ برسایا، تو کیا ہی بُرا برساؤ تھا ڈرائے گئے لوگوں پر۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھروں کا برساؤ برسایا گیا، اور ان لوگوں کی بستی کو تہس نہس کر دیا گیا۔ حق کا پہنچایا جانا، لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کر دینا، یہ اتمام حجت کا حصہ ہے اور اتمام حجت کے بغیر کسی جگہ عذاب نہیں آیا۔ اور جب عذاب الٰہی نے منکرین حق کو گھیر لیا ہے تو پھر وہ کبھی اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہوئے۔ منکرین حق کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہی

ہوا ہے۔

حاصل : عذاب الٰہی، اللہ کے علم سے ہوتا ہے، جرم کے حوالے سے ہوتا ہے، اتمام حجت کے بعد ہوتا ہے اور ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

شہادت : ان لوگوں کے متعلق سورۃ الاعراف (7) میں فرمایا گیا ہے۔
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۸۴﴾
تو نظر کرو مجرمین کا انجام کیسا ہوا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰى ۗ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

فرما دیجئے، حمد اللہ ہی کی ہے، اور سلام ہے اس کے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا۔ بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے، ہر شے کا مالک ہے، ہر شے کو پالنے والا ہے۔ اس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ پاک بندوں کو پسند کرتا ہے۔ جن بندوں کو اللہ پسند کرتا ہے، وہ لائق احترام ہو جاتے ہیں۔ ان کی قدر و منزلت کی جائے اور ان سے محبت کا رشتہ استوار کر لیا جائے تو راہ حق پر چلنا آسان ہو جاتا ہے، کفر، فسق اور عصیاں سے کراہت ہو جاتی ہے۔ بھلا اللہ سے کسی کا مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ توفیق دینے والا، لاشریک ہے۔ جزا دینے والا لاشریک ہے۔ قادر مطلق لاشریک ہے۔ علیم مطلق لاشریک ہے۔ لوگوں پر مہربانی کرنے والا، رحم کرنے والا، لاشریک ہے۔ جو لوگ اپنی خواہشات کی بندگی کرتے ہیں، وہ شے کو مانتے ہیں، شے کے مالک کو نہیں مانتے۔ بھلا اس سے بڑی بے سمجھی اور کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل : اللہ کی حمد کے ساتھ اس کے پاک بندوں کو سلام عقیدت پیش کرنا چاہئے۔ اللہ سے زیادہ ہماری پرواہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ سے زیادہ ہم پر مہربانی اور رحم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا ظلم عظیم ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ

بھلا کس نے خلق فرمائے آسمان اور زمین اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا۔ تو ہم نے اس سے رونق والے باغ اگائے، تم شجر اگانے والے نہیں۔ کیا اللہ کے

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ ﴿۶۰﴾

ساتھ کوئی معبود ہے۔ بلکہ وہ لوگ راہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔

آسمان سے انسان کو جوں جوں اپنے تعلق کا علم ہو رہا ہے، آسمان کے بنانے والے کے علم کی شان بھی واضح ہو رہی ہے۔ زمین سے انسان کا تعلق ان فوائد کے حوالے سے ہے، جو اسے زمین سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کو شمار کرنا بھی مشکل ہے، اور یہ زمین جس خالق کل نے بنائی ہے، اس کے علم کے مقابل کسی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جب زمین کی قوت روئیدگی بہت کم ہو جاتی ہے یا ختم ہو جاتی ہے تو زمین کو مردہ کہا جاتا ہے، اس مردہ زمین کو زندہ کرنا بھی اللہ کا کام ہے۔ وہ اسے بارش سے زندہ کر دیتا ہے۔ زندہ زمین سے خوش منظر باغ اگانے والا بھی اللہ ہی ہے۔ شجر اگانے کے لئے موزوں ماحول، موزوں نمی اور موزوں درجہ حرارت کے علاوہ علم سے اگانے والا بھی ہو گا تو شجر اگے گا۔ کون ہے اللہ کے سوا، جو اس علم کا حامل ہونے کا دعویٰ کرے۔ اللہ کے ساتھ کسی معبود کا تصور ہی درست نہیں، کہ احتیاج معبود کی شان کے منافی ہے۔ ان روشن اسناد کو دیکھتے ہوئے بھی جو لوگ اللہ کو لاشریک نہیں مانتے، وہ راہ راست سے ہٹے ہوئے لوگ ہیں۔

حاصل : آسمان و زمین کو خلق فرمانے والا اللہ ہی ہے۔ آسمان سے پانی برسانے والا بھی اللہ ہی ہے۔ پُر رونق باغ اگانے والا بھی اللہ ہی ہے۔ ہمیں اگر محنت کرنے کی توفیق حاصل ہے تو یہ بھی اللہ کی دی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ لاشریک ہے۔ روشن اسناد کو دیکھ کر جو صحیح نتائج اخذ نہ کر سکے وہ راہِ راست سے ہٹا ہوا ہے۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ ﴿۶۱﴾

بھلا کس نے زمین کو قرار ٹھہرایا، اور اس میں ندیاں بہائیں، اور اس میں لنگر رکھے، اور بحرین کے مابین پردہ بنایا۔ کیا اللہ کے ساتھ کسی کو معبود بتاتے ہو۔ بلکہ وہ اکثر لاعلم ہیں۔

اللہ نے زمین کو جائے قرار بنایا ہے۔ یہاں رہنے والوں کی ضروریات کا جو علم اللہ کو ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ دریا کا انسانوں کی بستی سے ایک طبعی رشتہ ہوتا ہے۔ ندیاں بھی انسانی علم سے نہیں بہہ رہیں۔ ان سے حاصل ہونے والے فوائد بھی بے حساب ہیں۔ پہاڑوں کو بنانے والا بھی اللہ ہے۔ پہاڑوں سے حاصل ہونے والے فوائد بھی بے شمار ہیں۔ میٹھے اور کھاری پانی کے دریا بھی ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ان کے درمیان غیر مرئی پردہ رکھنے والا بھی اللہ ہی ہے۔ اس میں بھی انسانوں کے لئے بہت سے فوائد رکھے گئے ہیں۔ ان روشن نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا، وہ لاعلمی کے اندھیرے میں رہنے پر بضد ہو گا۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں وہ ایسے ہی لوگ ہیں۔

حاصل : زمین کو جائے قرار بنانے والا اللہ ہی ہے. دریاؤں کو بہانے والا بھی اللہ ہی ہے، پہاڑوں کا بنانے والا بھی اللہ ہی ہے۔ کھارے اور میٹھے پانی کے دریاؤں کے درمیان ایسا غیر مرئی پردہ رکھنا بھی اللہ کی شان ہے، جو ان کے پانیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملنے نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ لاشریک ہے، شرک پر اڑے رہنے والے کو لاعلم کہنا چاہئے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ (۶۲)

بھلا بے کس کی کون سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے، اور سختی کو کھول دیتا ہے۔ اور اس نے تمہیں زمین میں خلیفہ ٹھہرایا ہے۔ کیا کوئی معبود ہے اللہ کے ساتھ۔ تم نصیحت کو کم ہی مانتے ہو۔

مصیبت ہمیشہ باذن اللہ آتی ہے، اور بندہ جس وقت تمام آسروں کو تاقع نہیں پاتا، تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ کو پکارتا ہے۔ یہ اعتراف بھی کرتا ہے، کہ اس مقام پر تو ہی مدد کر سکتا ہے، تو ہی میری سختی کو کھول سکتا ہے، تو ہی مجھے اس مشکل سے نکال سکتا ہے۔ اسباب سے مالک کل کی طرف رجوع لانا درست راستہ ہے۔ درست راستہ اختیار کرنے والے کی مدد کی جاتی ہے۔ مدد کرنے والا علیم مطلق ہے۔ وہ اپنے علم سے کرتا ہے جو بھی کرتا ہے۔ بندہ اگر اس کے کرم کو مان لے تو صاحب نظر ہو جاتا ہے۔ اللہ نے ہی بندے کو زمین میں خلیفہ ٹھہرایا ہے۔ حق کی احسن ادائیگی کے لئے اسے جو کچھ بھی درکار ہو، وہ اللہ ہی دے سکتا ہے اور وہی دیتا ہے۔ اپنی بے علمی کی وجہ سے اگر بندہ کسی شے کو اپنی ضرورت سمجھ لے تو وہ اس کے لئے دکھ کا باعث بن جاتی ہے۔ بندے کو یہی کہنا چاہئے کہ یا اللہ تیری عطا تیرے علم سے ہے، جو کچھ تیرے نزدیک میرے لئے بہتر ہے وہ عطا کر دے اور مجھے راہ راست پر رکھ۔ بندے کی اپنی سوچ اس کا مسئلہ بنی رہے تو پھر وہ نصیحت کم ہی مانتا ہے۔

حاصل : مصائب و آلام باذن اللہ ہوتے ہیں۔ اسباب کا آسرا ختم ہو جائے تو مالکِ کل کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر اسی کو پکارا جاتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مدد کر بھی وہی سکتا ہے۔ جس علیم مطلق نے ہمیں کام سونپا ہے، اس کی عطا یقیناً اس کے علم سے ہے اور پوری ہے۔ نصیحت وہی مانتا ہے، جو علمِ الٰہی کے سامنے اپنی بے علمی کو دیکھ لے۔

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ

بھلا بری اور بحری ظلمات میں کون تمہیں راہ دیتا ہے، اور تم پر اس کی رحمت کے آگے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے۔

رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ اللہ ان سے اعلیٰ ہے جنہیں یہ شریک بتاتے ہیں۔

بندہ ظلمات میں راستے کا تعین نہیں کر سکتا۔ خشکی ہو یا سمندر مطلوبہ مقام تک جاتے کا محفوظ راستہ بندے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ معیار جس سے راستے کا تعین ممکن ہوتا ہے۔ اللہ نے رکھے ہیں اور وہی معیار ہمیشہ قابلِ اعتماد ہوتے ہیں۔ ستاروں کو دیکھ کر رخ کا تعین کرنے والے اللہ کے بنائے ہوئے نظام سے ہی فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں۔ بارانِ رحمت انسانی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اچانک نہیں بھیج دیتا۔ اس کے آنے سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے کہ بارانِ رحمت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی تیاری کر لی جائے۔ جب بندہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنانے کی بات کرتا ہے تو پھر وہ اپنی خواہشات کے دائرے سے کبھی نکل نہیں سکتا۔ یک سوئی کی باتیں بھی کرتا رہے تو اسے یک سوئی حاصل نہیں ہو جاتی۔ قادرِ مطلق سے مجبورِ محض کا تقابل بڑی جہالت ہے۔ بڑا ظلم ہے۔ اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔

حاصل : ستاروں کے حوالے سے رخ متعین کرنے کا علم سیکھنا چاہیے۔ بارانِ رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں یہ بتاتی ہیں کہ لوگوں کو فیض دینے سے پہلے حصولِ فیض کے لئے تیاری کا وقت بھی دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، خالقِ کل بھی وہی ہے۔ مخلوق کی ضروریات کا علم رکھنے والا بھی وہی ہے۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

بھلا کون ہے، جو خلق کی ابتداء فرماتا ہے پھر اس کا اعادہ فرمائے گا، اور کون تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ فرما دیجئے لاؤ برہان اگر تم سچے ہو۔

اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے۔ جو پہلے خلق فرما چکا ہے۔ اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں۔ پہلے اس نے لوگوں کو پیدا کر کے عمل کرنے کی توفیق دی ہے۔ دوبارہ اٹھا کر وہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ آخرت کا یقین رکھنے والا ہی راہِ راست پر رہ سکتا ہے۔ آسمان کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے۔ کہ ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر وہ تمہیں پینے کو دیا۔ زمین کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ ہم نے اس میں ہر شے موزوں پیدا کی اور اس میں تمہارے لئے معاش کی صورت رکھی۔ رزق آسمان سے ملے تو بھی اللہ دیتا ہے۔ زمین سے ملے تو بھی اللہ دیتا ہے۔ اتنے روشن ثبوت پیش کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے، کہ اب بھی منکرین حق اسی بات پر زور دیں کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں، تو پھر اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرنے کے لئے برہان لا کر دکھائیں۔ برہان وہ سند ہوتی ہے، جس کا انکار ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل : اللہ نے ہی پہلے خلق فرمایا ہے وہی دوبارہ خلق فرمائے گا، وہی آسمان اور زمین سے ہمیں رزق دیتا ہے۔ جو ہماری مستند بات کو نہ مانے اسے یہ کہنا چاہئے، کہ تم اپنی صداقت کے ثبوت میں برھان لاکر دکھاؤ۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

فرما دیجئے آسمانوں اور زمین میں غیب کا علم اللہ ہی رکھتا ہے۔ اور انہیں پتہ نہیں کب اٹھائے جائیں گے۔

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ کا وعدہ حق ہے ولیکن اکثر لوگ لاعلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا کوئی غیب نہیں جو ایک کتاب مبین میں نہ ہو۔ پھر فرمایا ہے جس کو اللہ چاہے غیب سے مطلع کر دیتا ہے۔ جن کو اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرایا جاتا ہے۔ ان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ کچھ بھی علم نہیں رکھتے۔ انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کو اٹھایا کب جائے گا۔ یہ معبود کی شان کے منافی ہے کہ اس کا علم پورا نہ ہو اور وہ محتاج ہو۔

حاصل : اللہ آسمانوں اور زمین میں غیب کا علم رکھتا ہے۔ اس علم سے جس کو مطلع کرنا چاہے، مطلع کر دیتا ہے۔ جن کو اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانے کی بات کی جائے ان کی لاعلمی ناقابلِ تردید صورت میں نظر آجائے تو اپنے عقیدے کو درست کر لینا چاہئے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع

بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم تھک کر گر گیا، بلکہ انہیں اس میں شک ہے، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

منکرینِ حق اللہ تعالیٰ کے خالقِ کل ہونے کا انکار نہیں کر سکتے۔ اس کی قدرت کے ہر شے پر محیط ہونے کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے علیمِ مطلق ہونے کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ مگر آخرت کو مان لینے سے اصلاحِ حال کا حق فوراً عائد ہو جاتا ہے، اور یہ منکرینِ حق کو پسند نہیں ہوتا۔ اس لئے منکرینِ حق کا علم آخرت کے بارے میں قائم نہیں رہ سکتا، وہ بے ثبوت ہونے کی وجہ سے گر جاتا ہے۔ انہیں آخرت کے بارے میں شک ہی رہتا ہے۔ آخرت کے بارے میں جو روشن دلائل ان کے سامنے لائے جاتے ہیں، وہ انہیں دیکھتے ہوئے اپنے رخ کو درست نہیں کرتے، یہ ان لوگوں کے اندھے پن کا ثبوت ہے۔

حاصل : آخرت کا انکار کرنے والے کبھی سند سے بات نہیں کر سکتے، انہیں اس میں ہمیشہ شک ہوتا ہے۔ جو حقائق کو دیکھ کر اپنے رخ کو درست نہ کرے، اس کو اندھا ہی کہا جا سکتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام (6) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی وہ ظلمات میں ہیں، بہرے اور گونگے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور کافر کہتے ہیں، کیا جب ہم اور ہمارے آباء مٹی ہو جائیں گے، ہمیں پھر نکالا جائے گا۔

کافروں کو ہمیشہ یہ بات عجیب لگتی ہے، کہ انسان کی موت کے بعد جب اس کا جسم مٹی ہو جائے تو اس کو دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ دوبارہ اٹھانے والا اللہ ہی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ پہلے پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، پالنے والا بھی وہی ہے، موت دینے والا بھی وہی ہے۔ اسے دوبارہ پیدا کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ اللہ نے ہی نطفے سے علقہ بنایا، علقہ سے مضغہ بنایا، پھر اس میں ہڈیاں بنائیں پھر ان پر گوشت چڑھایا، پھر اسے پیدا کیا۔ اس قادر مطلق کے لئے منتشر اجزاء کو اکٹھا کر کے زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا، تو یہ اپنی قبروں سے نکلیں گے اپنے رب کی طرف دوڑتے ہوئے، اور کہیں گے ہائے خرابی یہ کس نے ہمیں ہمارے مرقد سے اٹھا دیا ہے۔ یہ تو وہی دن ہے جس کا الرحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور رسل سچ فرماتے تھے۔ مگر اس وقت حق کو ماننا نفع نہ دے گا، کہ اصلاح حال کا وقت گزر چکا ہو گا اور اس وقت توبہ قبول نہ ہو گی۔

حاصل: اللہ نے ہی ہمیں پہلی بار پیدا کیا ہے، وہی ہمیں دوسری بار اٹھانے کی قدرت رکھتا ہے اور اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ دارِ عمل بھی اسی نے بنایا ہے، دارِ جزا بھی وہی بنائے گا۔

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

بے شک یہی وعدہ ہمیں اور اس سے قبل ہمارے آباء کو دیا گیا، یہ تو پہلوں کی کہانیاں ہی ہیں۔

منکرین حق نے ہر زمانے میں بعث بعد الموت کی تکذیب کی ہے۔ اسی تکذیب سے انہیں اپنی خواہشات کی پیروی کا راستہ ملتا ہے۔ یہ لوگ خلاف حق کرنے میں جو راحت محسوس کرتے ہیں، اس راحت کے مقابل انہیں کچھ عزیز نہیں ہوتا۔ یہ لوگ غفلت میں خلاف حق کرتے چلے جاتے ہیں۔ جب حق ان کو سنایا جاتا ہے، آخرت کی خبر دی جاتی ہے، تو یہ کہتے ہیں، یہی سنتے آرہے ہیں کہ آخرت ہو گی، ہمارے اجداد بھی یہی سنتے رہے ہیں، ان کے اجداد بھی یہی سنتے رہے ہیں، مگر آخرت کبھی دیکھی نہیں گئی۔ کافروں کی یہ بات بہت ہی لغو ہے۔ حیات دنیا کا وقت ختم ہو گا، تو آخرت کا مقام آئے گا اور ایک صور پھونکا جائے گا تو سب جزا کے میدان میں حاضری کے لئے نکل کھڑے ہوں گے۔

حاصل: بعث بعد الموت کا انکار منکرین حق کا طریق زندگی رہا ہے۔ غفلت میں پڑے ہوئے

لوگ بیان حق کو پہلوں کی کہانیاں کہہ کر خسارے کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

فرما دیجئے زمین میں سیر کرو، پھر نظر کرو مجرمین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم حق کے انکار کی بدولت غرق ہوئی، قوم عاد حق کے انکار کی بدولت ہلاک ہوئی، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم حق کے انکار کی بدولت ہلاک ہوئی، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم حق کے انکار کی بدولت ہلاک ہوئی، آل فرعون حق کے انکار کی بدولت ہلاک ہوئے۔ زمین میں سیر کرنے سے یہ نظر آئے گا، کہ پہلے مجرمین کس انجام کو پہنچے۔ ان سے حال پر خلاف حق کرنے والوں کو اپنی نسبت بھی نظر آئے گی۔ عقل کی موجودگی میں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے، کہ مجرمین کا طریق زندگی خلاف حق کرنا ہی ہوتا ہے اور وہ اس انجام کو بھی پہنچتے ہیں، جو سنت الٰہی کے مطابق مجرمین کا ہوا کرتا ہے۔

حاصل: زمین میں سیر کا منشاء اصلاح ہونا چاہئے۔ مجرمین کے انجام سے سبق نہ لینے والے کوتاہ نظر ہوتے ہیں۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور ان پر غم نہ کھایئے، اور ان کے مکر سے آپ کو تنگی نہ ہو۔

اللہ کی رضا کے لئے حق کی تبلیغ کرنے والے صاحب کو لوگوں کی فلاح بہت عزیز ہوتی ہے، اس لئے جب لوگ نور سے ظلمات کی طرف بڑھنے لگیں تو انہیں دکھ ہوتا ہے۔ اور جب منکرین حق کا مکر ان کے سامنے آتا ہے، تو بھی وہ منکرین حق کے انجام کو جاننے کی بدولت تنگی محسوس کرتے ہیں۔ حکم یہ دیا گیا ہے، کہ اپنا حق حسن و خوبی سے ادا کر دینے کے بعد تبلیغ حق کرنے والے کے ذمے کچھ نہیں ہے۔ قادر مطلق منکرین حق کو کس طرح قابو کرتا ہے اور انہیں کس طرح عبرتناک انجام تک پہنچاتا ہے، اس کا فیصلہ قادر مطلق ہی کرتا ہے۔

حاصل: منکرین حق پر غم نہ کھانے سے اور ان کے مکر سے دل میں تنگی نہ محسوس کرنے سے تبلیغ حق کرنے والے اپنی صلاحیتوں کا بہتر استعمال کر سکتے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور کہتے ہیں کب آئے گا یہ وعدہ، اگر آپ سچے ہیں۔

منکرین حق آخرت کے انکار پر اپنے اعمال کی بنیاد رکھتے ہیں، اس لئے آخرت کے انکار کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ قیامت کے دن کے بارے میں اگر لوگوں کو پتہ لگ جائے تو ہر ایک کو اس دن تک مہلت تو حاصل نہیں ہو جائے گی، مگر اس

کو بعید جانتے ہوئے غفلت میں پڑنے والوں کا شمار ہی نہ رہے گا۔ منکرینِ حق حال پر عذابِ الٰہی کو تبلیغ حق کرنے والے کی صداقت کی نشانی قرار دے کر عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہئے۔ کہ تبلیغ حق کرنے والے کی صداقت کا ثبوت مل جائے اور منکرین حق کی تسلیم بعداز وقت ہو تو انہیں خسارے اور حسرت کے علاوہ کیا حاصل ہو گا۔

حاصل : آخرت کا انکار اور عذابِ الٰہی کا مطالبہ بڑی بے وقوفی ہے۔ جو اپنے انجام سے غافل ہو اس کی بات کو وقعت نہیں دینی چاہئے۔

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

فرما دیجئے، قریب ہے کہ وہ تمہارے پیچھے آلگی ہو جس کی تم جلدی مچا رہے ہو۔

انسان کو عمل کے لئے دیا گیا وقت محدود ہے۔ اسی وقت میں اس نے حق کو مان کر فلاح پانے والوں میں شمار ہونا ہے، یا حق کا انکار کر کے خاسرین میں شمار ہونا ہے۔ اس وقت کو اگر غفلت میں ضائع کیا جا رہا ہو تو اس سے بڑی جہالت اور کیا ہو سکتی ہے۔ عذابِ الٰہی کو دیکھ کر حق کو ماننا نفع نہیں دیتا، کہ اس وقت حق کے انکار کے سب راستے بند ہوتے ہیں۔ جو حق کا انکار کر رہا ہے، خسارہ اس سے دور نہیں ہے۔

حاصل : جو حق کا انکار کر رہا ہے، وہ خسارے کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو ختم ہوتے بھی زیادہ دیر نہیں لگتی۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور تمہارا رب لوگوں پر بڑے فضل والا ہے ولیکن وہ اکثر شکر نہیں کرتے۔

رب العالمین ہر ایک کو پالتا ہے اور اپنے علم سے پالتا ہے۔ بندوں کے لئے صراط مستقیم کا تعین کرتا ہے۔ انہیں شعور کے ساتھ راہ کا انتخاب کرنے کا وقت دیتا ہے۔ خطا ہو جائے، بھول ہو جائے تو معاف بھی کرتا ہے رحمت سے بھی نوازتا ہے۔ خلاف حق کرنے والے کو اتمام حجت کے بعد ہی سزا دیتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی عطا کو حق کے مطابق تصرف میں لاتے ہیں، وہ اس کے شکر گزار بندے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی عطا کو اپنی کوشش کی بدولت جانتے ہیں وہ اپنی پسند کے دائرے میں پھنسے رہتے ہیں، وہ شکر نہیں کرتے۔

حاصل : اللہ کا فضل حال پر موجود ہوتا ہے۔ شکر گزار بندوں کی قدر کرنی چاہئے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور بے شک تمہارے رب کو خوب علم ہے جو ان کے سینوں میں چھپا ہے اور جو کچھ وہ

ظاہر کرتے ہیں۔

منکرین حق مخلصین سے اپنے سینوں میں جو عداوت رکھتے ہیں وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہوتی، اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی اپنی حقیقت کے ساتھ رب العالمین کے سامنے ہوتا ہے۔ قادر مطلق کے سامنے، علیم مطلق کے سامنے ان کی کوئی خفیہ تدبیر، ان کی کوئی چالاکی چل نہیں سکتی۔ اللہ کی قدرت کا احاطہ ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس لئے منکرین حق اپنے اعمال کے انجام سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے۔

حاصل : ظاہر و باطن کے ایک ہونے سے اور حق کے مطابق ہونے سے پاکیزگی کا ثبوت ملتا ہے۔ منکرین حق کی کوئی تدبیر اللہ سے مخفی نہیں ہوتی، اور اللہ مومنین کی نصرت فرماتا ہے۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴿۷۵﴾

اور جو بھی غائب ہیں آسمانوں اور زمین میں وہ ایک کتاب مبین میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔ اس نے ہر شے کو ایک قدر پر خلق فرمایا ہے۔ اس سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ ہر حقیقت اس کے ہاں درج ہے۔ جو خیر کے رخ کو اختیار کرتا ہے، وہ فلاح پانے والوں میں لکھا جاتا ہے۔ جو خلاف حق کرتا ہے وہ خسارے والوں میں لکھا جاتا ہے۔ موت و حیات کا خالق یہ دیکھتا ہے کہ کون حق کے مطابق رہتا ہے اور کون حق کے خلاف رہتا ہے۔ اعمال کے لئے مہلت دیتا ہے، حسن اخلاق کا نمونہ دکھاتا ہے، شعور کے ساتھ مخلصین کا اتباع کرنے کی توفیق دیتا ہے، بھول ہو جانے پر مزید رحمت سے نوازتا ہے اور کبھی خبیث و طیب کو مساوی نہیں ٹھہراتا۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل : علم حقیقی اسے ہی حاصل ہو سکتا ہے جس کا رخ درست ہو۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۷۶﴾

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر وہ بیان کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

قرآن پاک کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے، کہ کیا یہ ان کے لئے نشانی نہیں ہے، کہ بنی اسرائیل کے علماء کو اس کا علم ہے۔ بنی اسرائیل جن اختلافات میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ قرآن پاک سے جس بات کی تصدیق ہو جائے اس کو درست مان لیا جائے، اور جو بات کسی درست بات کے خلاف ہو اسے درست نہ مانا جائے تو اختلاف کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہدایت مطلوب ہو۔

حاصل : بنی اسرائیل جن اختلافات میں پڑے ہوئے ہیں، قرآن پاک ان اختلافات کو ختم کرنے کا

مستند ذریعہ ہے۔

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

بے شک وہ مومنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

جو لوگ حق کو مان لیتے ہیں، جیسے مان لینے کا حکم ہے، وہ مومن ہیں، اور وہ نصیحت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ وہ لوگ خود کو حق کے مطابق بنانے کے لئے قرآن پاک سے ہدایت لیتے ہیں، وہی رحمت الٰہی سے نوازے جاتے ہیں۔

حاصل : قرآن پاک مومنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ اختلافات سے پاک معاشرہ اسی حوالے سے وجود میں آسکتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾

بے شک تمہارا رب ان کے مابین اپنے حکم سے فیصلہ فرما دے گا، اور وہی عزت والا علم رکھنے والا ہے۔

فرمان خداوندی میں اختلاف کرنے والے طالب ہدایت نہیں ہوتے، وہ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے میں ہی لگے رہتے ہیں، اسی میں عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ رب العالمین کی یہ شان ہے کہ وہ اختلاف کرنے والوں کے مابین فیصلہ فرما دے گا۔ مگر اس فیصلے سے صرف خسارہ ہی منکرین کے حصے میں آئے گا۔ اللہ سے بڑا عزت والا کوئی نہیں ہے، اس سے بڑا علم والا بھی کوئی نہیں ہے۔

حاصل : حق کے ساتھ اختلاف کرنے والے اپنی پسند کو حق کے برابر اہمیت نہ دیں تو اختلاف کی بیخ کنی ہو جاتی ہے، فیصلہ کرنے والے کی شان یہ ہے کہ وہ عزت والا ہے اور علم والا ہے۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾

تو اللہ پر توکّل کرو، بے شک تم روشن حق پر ہو۔

منکرین حق کی تعداد جو بھی ہو، اللہ کی قدرت کے سامنے وہ حیثیت ہی کیا رکھتی ہے۔ وہ لوگ سند سے بات نہیں کر سکتے۔ حق پہنچانے والے کا مقام یہ ہے کہ وہ یہ یقین رکھے، کہ جو اسے حال پر درکار ہے وہ اس کے پاس ہے، جو آئندہ درکار ہو گا وہ علیم مطلق کی طرف سے عطا ہوتا رہے گا۔ توکّل کرنے والے اللہ کو پسند ہوتے ہیں۔ وہی روشن حق پر ہوتے ہیں۔ روشن حق وہ ہوتا ہے، جس کو طلب ہدایت رکھنے والے مان لیتے ہیں اور جو موجود سے مقصود کی طرف جانے والے راستے کو روشن کر دیتا ہے۔

حاصل : اللہ پر توکل کرنے والے ہی تبلیغ کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ جو روشن حق پر ہو اس کے اتباع سے طلب ہدایت رکھنے والوں کو بڑا سکھ ملتا ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾

بے شک تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ بہروں کو پکار سنا سکتے ہو جب وہ پیٹھ دے کر پھر جائیں۔

طلب ہدایت ہو تو زندگی کا ثبوت موجود ہے۔ جو طالب ہدایت نہیں ہے وہ مُردہ ہے۔ جو طلب ہدایت سے خالی ہو اس کو تبلیغ کرنا سعی لاحاصل ہے۔ بہرے کانوں سے نہیں سنتے مگر جسم کی زبان کو دیکھ کر بات سمجھ سکتے ہیں، اور جب ان کا رخ ہدایت طلبی کے خلاف ہو تو پھر ان کی کیا مدد کی جا سکتی ہے۔

حاصل : جو طالب ہدایت نہ ہو وہ مُردہ ہے، اس کو تبلیغ حق سے کچھ نہیں ملتا۔ جو حق کو نہ سنے اور من مانی کرتا چلا جائے وہ بہرہ ہے اور حق سے پیٹھ پھیر کر بھاگ رہا ہے، اس کی کوئی مدد نہیں کی جا سکتی۔

وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨١﴾

اور تم اندھوں کو ان کی گمراہی پر ہدایت نہیں دیتے، تم اسی کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لائے، تو وہی مسلمان ہوں گے۔

منکرین حق کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔ جو شعور کے ساتھ خلاف حق کر رہا ہو اور اصلاح حال سے غافل ہو اس کو ہدایت نہیں دی جا سکتی۔ حق تو اسی کو سنایا جا سکتا ہے جسے حق سنانے والے کی زندگی میں اسوۂ حسنہ نظر آئے۔ جو مقصد حیات کو مانتا ہو، جو شعور کے ساتھ اصلاح حال کی کوشش کرے اور جو فرمانِ الٰہی کو حق مانتا ہو، ایسے ہی لوگ ماننے والے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ حق کو تسلیم کرنے میں ہی اپنی شان دیکھتے ہیں۔

حاصل : دل کے اندھے طالب ہدایت نہیں ہوتے، ان کا باحقیقت ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ حق اسی کو سنایا جا سکتا ہے جو طالب ہدایت ہو، حق سنانے والے کی زندگی میں اسے اسوۂ حسنہ نظر آئے، شعور کے ساتھ اصلاح حال کی کوشش کرے اور فرمانِ الٰہی کو حق مانتا ہو۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ

اور جب قول ان پر واقع ہو گا، ہم زمین

دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

سے ایک چوپایہ نکالیں گے، جو ان سے کلام کرے گا، اس لئے کہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے۔

عمل کے لئے دی گئی مہلت کے ختم ہونے پر حق کو ماننا کسی کو نفع نہ دے گا۔ اس وقت حق کو ماننا قطعاً آسان ہو گا۔ لوگوں کا واسطہ اللہ کی ایک ایسی نشانی سے ہو گا، جو حیران کن ہو گی۔ جانوروں کی زبان کو سمجھنا ایک علم ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر کا علم عطا فرمایا گیا تھا۔ آپ نے چیونٹی کی پکار کو سن کر جو چیونٹیوں کو اپنے مساکن میں داخل ہونے کا حکم دے رہی تھی، تبسم فرمایا اور اللہ کے عطا کردہ علم کا شکر ادا کیا۔ یہاں جس چوپائے کا ذکر کیا گیا ہے، وہ لوگوں کے ساتھ کلام کرے گا۔ یہ ایسی نشانی ہو گی کہ حق کا انکار ممکن ہی نہ رہے گا، مگر اس وقت حق کو ماننا بھی کسی کو فائدہ نہ دے گا۔

حاصل : ایک وقت آئے گا جب حق کا انکار کرنا ممکن نہ رہے گا، مگر اس وقت حق کو ماننا بھی نفع نہ دے گا۔ جب اللہ زمین سے ایک چوپایہ نکالے گا، جو لوگوں سے کلام کرے گا، تو اللہ کی نشانیوں کا یقین ہو جائے گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم (14) میں فرمایا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ﴿۱۸﴾

کافروں کی مثال ایسی ہے کہ ان کے اعمال راکھ کے ڈھیر کے موافق ہیں، جن پر ہوا کا سخت جھونکا آئے آندھی کے دن اور ان کی ساری کمائی میں کچھ ان کے ہاتھ نہ لگے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

جس دن ہم ہر امت سے ایک فوج کو اکٹھا کریں گے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتی تھی، پھر انہیں روکا جائے گا۔

حق کا انکار کرنے والے ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں، اور حق کا انکار کرنے والے ہر امت میں ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن ان لوگوں کی جماعت بندی کی جائے گی۔ حق کا انکار اس جماعت بندی کی بنیاد ہو گا۔ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے والے یکجا ہو جائیں گے، اور جسے جس مقام پر ہونا چاہئے اسے وہاں رکھا جائے گا۔

حاصل : حق کو ماننے والوں کو عملاً ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے۔ حق کو جھٹلانے والے ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ حال پر جس کا ساتھ ہو گا، مستقبل میں بھی اسی کا ساتھ ہو گا۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوۡ قَالَ اَكَذَّبۡتُمۡ بِاٰيٰتِىۡ وَلَمۡ تُحِيۡطُوۡا بِهَا عِلۡمًا اَمَّاذَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۴﴾

حتیٰ کہ جب سب آجائیں گے، فرمائے گا، کیوں تم نے میری آیات کی تکذیب کی اور تمہارا علم انہیں محیط نہ تھا یا کیا عمل کرتے تھے۔

منکرین حق اکٹھے ہو جائیں گے تو مالک یوم الدین کی طرف سے فرمایا جائے گا، تم لوگ کیوں میری آیات کی تکذیب کرتے رہے۔ علم تو عمل کے بعد عطا ہوتا ہے، جو کچھ تمہیں پہنچایا گیا اس کو عملاً کر کے دیکھنے کے بعد ہی تمہارا علم اس قابل ہو سکتا تھا کہ تم اپنا حال بیان کرتے۔ محض اپنے قیاس کی بنا پر حق کو جھٹلا دینا بڑی جہالت ہے۔ کس عمل کی بنا پر تمہیں یہ علم ہوا کہ جو حق تم تک پہنچایا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔

حاصل : حق کے انکار کی ترغیب دینے والے اور حق کے انکار کی طرف راغب ہونے والے یک جا ہوں گے تو ان سے فرمایا جائے گا، کس علم کی بنا پر تم حق کو جھٹلاتے تھے یا کن اعمال کی بنا پر تمہیں پتہ چلا کہ وہ حق جو تمہیں پہنچایا گیا ہے درست نہیں ہے۔

وَوَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ بِمَا ظَلَمُوۡا فَهُمۡ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۸۵﴾

اور قول ان پر واقع ہو چکا ان کے ظلم کے سبب، پھر وہ کچھ نہیں بولیں گے۔

منکرین حق سے یہ فرمایا جائے گا کہ جس انجام کو تم جھٹلاتے رہے ہو وہ تمہارے سامنے ہے، کیا یہ حق نہیں ہے۔ وہ پکاریں گے یقیناً یہ حق ہے۔ حکم ہو گا تو چکھو عذاب اس لئے کہ تم ظلم کرتے تھے۔ اس وقت ان کے پاس کہنے کو کچھ نہ ہو گا۔

حاصل : منکرین حق ظالم ہوتے ہیں۔ اپنے کیے کے انجام سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ علم سے بولنے والا ہی صحیح رخ پر ہوتا ہے۔

اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِيَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۶﴾

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے رات کو سکون کے لئے ٹھہرایا اور دن کو دکھانے والا۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں، ایمان والے لوگوں کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے رات کو خلوت بنایا ہے۔ دن کو جلوت بنایا ہے۔ رات کو سکون کے لئے اور دن کو معاش کے لئے ٹھہرایا ہے۔ رات اور دن کی موجودگی اس کائنات میں اتنی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے بغیر کار دنیا کا تصور ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ قیامت تک رات ہی رہے تو کسی کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ رات کے بعد دن کو لے آتا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ قیامت تک دن ہی رہے، تو کسی کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ اس کے بعد رات کو لے آتا۔ اللہ ہی خالق کل ہے۔ رات کو دن سے نکالتا ہے، دن کو رات سے نکالتا ہے۔ اس کے لئے بعث بعد الموت قطعاً آسان ہے، اور موت کے بعد اٹھائے جانے کو مان لیا جائے تو پھر جزا کا یقین عمل میں نظر آنا چاہئے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور لیل و نہار کے اختلاف میں عقل مندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔ جو رات اور دن سے فائدہ اٹھانے کے باوجود انہیں بے مقصد ہی جانتا رہے وہ بے عقل ہے۔ جو اپنی تخلیق کے مقصد کو ہی نہ مانے وہ ایمان نہیں لاتا۔ اللہ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھانے والے لوگ، ایمان والے ہوتے ہیں۔

حاصل : رات اور دن اتنی بڑی ضرورت ہیں، کہ خالق لیل و نہار کی قدر کرنی چاہئے جیسے اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ ایمان والے لوگ مقصد حیات کو پالیتے ہیں۔ اللہ کی نشانیاں بہرحال موجود ہوتی ہیں، ان سے فائدہ ایمان والے ہی اٹھاتے ہیں۔

وَيَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ۚ وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ﴿٨٧﴾

اور جس دن صور پھونکا جائے گا، تو گھبرا جائیں گے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر جنہیں اللہ چاہے، اور سب اس کے حضور عاجزی سے پیش ہوں گے۔

جس دن آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا، اس دن آسمان والے گھبرائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے۔ جس دن زمین کو ہلایا جائے گا، حتیٰ کہ یہ اپنے سارے بوجھ نکال دے گی، اس دن زمین والے گھبرائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے۔ یہ گھبراہٹ دار عمل کے خاتمے اور دار جزا کے قائم ہونے کی بدولت ہوگی۔ سب اللہ کے حضور عاجزی سے پیش ہوں گے، کہ یہ دن حساب کا دن ہو گا۔ جو حکم خداوندی کے تابع ہیں، ان کا مقصود رضاء الٰہی ہے۔ معیت الٰہی ان کی شان ہے۔ جنہیں تعلق مع اللہ کا درجہ حاصل ہو انہیں گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو، اسے گھبراہٹ نہیں ہوگی۔

حاصل : بعث بعد الموت یقینی ہے۔ اس دن سب عاجزی کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے۔ تعلق مع اللہ حاصل ہو تو نہ حال پر گھبراہٹ ہوتی ہے نہ مستقبل میں گھبراہٹ ہوگی۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ

اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر سمجھو گے کہ وہ جامد ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادل کی

مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

چال، یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر شے حکمت سے بنائی، بے شک اسے خبر ہے جو فعل تم کرتے ہو۔

پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے لنگر ٹھہرایا ہے۔ قیامت کے دن ان کو ریزہ ریزہ کر کے روئی کے گالوں کی طرح اڑا دیا جائے گا۔ دیکھنے میں یہ اس دن جامد نظر آئیں گے، مگر بادلوں کی طرح اڑتے جا رہے ہوں گے۔ یہ صانع حقیقی کی شان ہے، اس نے ہر شے کو اپنی حکمت سے بامقصد پیدا کیا ہے۔ جزا دینے والے مالک کل کو ہر ایک کے ہر فعل کی خبر ہوتی ہے۔ عمل کرنے والا اگر یہ مان لے کہ جزا دینے والے کو اس کی نیت کا بھی علم ہے اور اس کے فعل کی بھی خبر ہے تو پھر اس کے لئے خلاف حق کرنا ممکن نہیں ہو سکتا۔

حاصل : ہماری سمجھ سند کا درجہ نہیں رکھتی۔ اللہ کی کاریگری وہ شان رکھتی ہے کہ اس کا کوئی جواب ہی نہیں ہے۔ جزا کے یقین کے ساتھ کام کرنے والے ہی اپنے توازن کو درست رکھ سکتے ہیں۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

جو کوئی بھلائی لے کر آیا تو اسے اس سے بہتر ملے گا اور وہ اس دن گھبراہٹ سے امان میں ہوں گے۔

جزا کے یقین کے ساتھ عمل کرنے والا محسنین کی قدر کرتا ہے۔ وہ اپنے قول کو حق کے مطابق بناتا ہے، اپنے حال کی حق کے حوالے سے اصلاح کرتا ہے اور اس اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتا ہے جو اللہ کے نزدیک سند کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بھلائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے والا ہے۔ جزا دینے والا اس کی حسن نیت کو بھی جانتا ہے، اس کے حسن عمل کو بھی جانتا ہے۔ وہ اسے اس طرح نوازے گا کہ اسے قیامت کے دن گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ ایسے لوگوں سے فرمایا جائے گا۔ یہ وہ دن ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا۔

حاصل : حُسنِ نیت اور حُسنِ عمل بھلائی کرنے والوں کی صفات ہیں۔ جزا کا یقین ہو تو راہِ راست پر رہنا ممکن ہوتا ہے۔ اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتائج کو باذن اللہ ماننے والے حال پر بھی گھبراہٹ سے امان میں رہتے ہیں، قیامت کے دن بھی وہ گھبراہٹ سے امان میں رہیں گے۔

وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی

اور جو بُرائی کے ساتھ آئیں گے وہ اوندھے منہ جہنّم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ تم کو

النَّارِؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۰

وہی جزا ملے گی جو کچھ تم کرتے تھے۔

حکم الٰہی یہ ہے کہ شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ جو شیطان کی پیروی کرتا ہے، وہ بُرائی کرتا ہے، اور وہ بُرائی کے ساتھ ہی قیامت کے دن اپنے مالک کے حضور حاضر ہو گا۔ ایسے لوگوں کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا، اور فرمایا جائے گا، تم کو وہی جزا ملے گی جو کچھ تم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شعور دیا، حق اور ناحق تمہارے سامنے واضح کیا گیا، اتمام حجت کیا گیا، تم لوگ بُرائی سے باز نہیں آئے، اس لئے اب تمہیں تمہارے بداعمال کی جزا بھی ملے گی۔

حاصل : جس کا رخ خلافِ حق ہو وہ آگ کی طرف جا رہا ہوتا ہے۔ جب آگ اس کے سامنے ہو گی تو اس میں جانے سے گریز کرے گا، اس لئے اسے منہ کے بل آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ بداعمال کی جزا سے بچنا مطلوب ہو تو حال پر بداعمالی سے بچنا ضروری ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۱

بے شک مجھے تو یہ امر ہے کہ اس شہر کے ربّ کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت والا ٹھہرایا ہے، اور ہر شے اسی کی ہے۔ اور مجھے امر ہے کہ میں تسلیم کرنے والوں میں ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی، کہ اے میرے رب اس شہر کو امان والا ٹھہرا دے، اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کو امان والا ٹھہرایا۔ اس لئے اس شہر کی شان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ویسے مالک کل اللہ ہی ہے۔ اللہ نے جس شہر کو حرمت والا ٹھہرایا ہے، اس شہر کی حرمت کا لحاظ رکھنا فرض ہے۔ ربّ کی بندگی ہوگی تو اس شہر کی حرمت کو ماننے کا ثبوت بھی ملے گا۔ یہاں ہر شے اللہ کی رضا کے مطابق استعمال ہونی چاہئے، اور یہاں آنے والوں کو خدائی مہمان جاننا چاہئے۔ خدائی مہمانوں کو سکھ دینے میں راحت ہونی چاہئے۔ یہ امر الٰہی کو ماننا ضروری ہے۔ امر الٰہی میں حکمت تلاش کرنے کے بعد اسے مانا جائے تو ماننے کا حق ادا نہیں ہوتا۔ ماننے کے بعد جاننے کا مقام آتا ہے اور سب کچھ روشن ہو جاتا ہے۔

حاصل : مکہ معظمہ کی حیثیت مرکزی ہے۔ اس شہر کی حرمت کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ یہاں رہنے والے میزبان ہوں اور آنے والے خدائی مہمان ہوں تو اس شہر کو حرمت والا ماننے کا ثبوت ملے گا۔ ماننے کے بعد ہی جاننے کا مقام آتا ہے۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

اور یہ کہ قرآن کی تلاوت کروں۔ تو جس نے ہدایت پائی اس کی ہدایت اسی کے لئے

يَهۡتَدِيۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴿۹۲﴾

ہے اور جو بھٹکے تو فرما دیجئے کہ میں تو ڈر سنانے والا ہوں۔

حق پہنچانے والے کی شان امرالٰہی سے تعلق رکھتی ہے۔ کہ حق کا نازل فرمانے والا اللہ ہے۔ پہنچانے والا اس کا رسول ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ احکام الٰہی کی تعمیل کر کے دکھانا حق پہنچانے والے کے ذمے ہے۔ جو اس روشنی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ اپنا بھلا کرتا ہے۔ اور جو حق کے مقابل من مانی کرنے کی راہ کو اپناتا ہے وہ اپنے آپ کو خسارے میں ڈالتا ہے۔ ڈر سنانے والے کے ذمے یہی ہے کہ حق کو امرالٰہی کے مطابق روشن کر دے۔

حاصل : حق کی تبلیغ میں قرآن پاک کی تلاوت لازم ہے۔ ہدایت یافتہ ہمیشہ اپنے معلم کا شکر گزار ہوتا ہے۔ بھٹکنے والا اپنے کیے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ڈر سنانے والا جو بھی کرتا ہے۔ حق کے حوالے سے کرتا ہے۔

وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور فرما دیجئے کہ حمد اللہ ہی کی ہے۔ جلد ہی وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا پھر تم انہیں پہچان لو گے۔ اور تمہارا رب اس سے غافل نہیں ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

حمد اللہ ہی کی ہے۔ جو سب کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت بتدریج کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس مہلت کا کچھ حصہ اگر پہلے ہی خلافِ حق کرتے ہوئے ضائع کر لیا گیا ہو تو باقی وقت کو زیادہ کہنا بے علمی کی بات ہو گی۔ موت کے وقت سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ حق کا انکار کرنا اس وقت ممکن نہ ہو گا۔ اس لئے اس کو ماننے کا فائدہ بھی نہیں ہو گا۔ جزا دینے والا بہرحال دیکھ رہا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ اور وہ ہر ایک کو اس کے کیے کی ہی جزا دے گا۔

حاصل : حق کو ماننے کا وقت صرف حال ہے۔ اسی وقت میں ہم اپنی تسلیم کو سچا ثابت کر سکتے ہیں۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے بعد حق کو ماننا نفع نہیں دیتا۔ جو اپنے انجام سے غافل ہے وہ اپنے رب کو کب مانتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (22) میں فرمایا ہے۔

وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡعَثُ مَنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ﴿۷﴾

اور یہ کہ ساعت آنے والی ہے جس میں شک نہیں اور یہ کہ اللہ انہیں اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

سُوْرَةُ الْقَصَصِ

آیاتہا ۸۸ — رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ — حروف مقطعات

یہ حروف مقطعات ہیں۔ تقاضاء ادب ملحوظ رکھنا چاہئے اور تقدم سے بچنا چاہئے۔

حاصل : خاموشی کے مقام پر بولنا بے جا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ — یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔

کتاب مبین قرآن پاک ہے۔ اس کی آیات روشن ہیں۔ لیکن اس سے ہدایت اور رحمت مومنین کو ہی ملتی ہے۔ بھیجنے والے نے اس کتاب کے بارے میں یہی سند نازل فرمائی ہے۔ کہ یہ مومنین کے لئے ضرور ہدایت اور رحمت ہے۔ روشنی کو دیکھنے کے لئے آنکھ کا بصیر ہونا ضروری ہے۔ اور آنکھ کا بصیر ہونا یہ ہے کہ حق کو دیکھ کر اسے اختیار کیا جائے۔ حق کا انکار کرنے والا ظلمات کی طرف چل پڑتا ہے۔ اس لئے وہ روشنی سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

حاصل : کتاب مبین کی آیات کو اپنے لئے باعث ہدایت و رحمت بنانے والے ہی اس سے فیض پاتے ہیں۔

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ — ہم آپ پر موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کی خبر سے حقیقت بیان کرتے ہیں۔ ایمان والے لوگوں کے لئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی خبر پہلے بھی لوگوں کو تھی۔ مگر اس کا تعلق حقیقت سے نہیں تھا۔ واقعات کو اگر اس طرح بیان کیا جائے کہ ان سے اصلاح حال کا پہلو اجاگر نہ ہو تو وہ بیان حقیقت سے کیا تعلق رکھتا ہے۔ جو بیان حقیقت پر مبنی ہو وہ ایمان والے لوگوں کے لئے ہمیشہ مفید ہوتا ہے۔

حاصل : واقعات کو اس طرح بیان کرنا چاہئے کہ ان سے اصلاح حال کا پہلو اجاگر ہو۔ ایمان والے لوگ ہمیشہ ایسے بیان سے مستفید ہوتے ہیں۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٤﴾

بے شک فرعون زمین میں بڑا بنا اور اس کے اہل کو گروہ گروہ کر دیا، ان میں سے ایک گروہ کو ضعیف کرتا تھا، ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا، بے شک وہ فساد کرنے والوں سے تھا۔

زمین میں بڑا بننے کی کوشش کرنے والوں میں سے ایک نام فرعون کا ہے۔ اس نے زمین میں سرکشی کی اور وہاں کے باشندوں کو ایسے رخ پر ڈال دیا کہ وہ اخلاق حسنہ کے حوالے سے اپنی شناخت بھول گئے، اور انھوں نے ان باتوں کو اپنی شناخت بنالیا، جو اللہ کے علم سے تھیں اور یہ دیکھنے کے لئے تھیں کہ کون ان کو حق کے مطابق استعمال کرتا ہے، کون ان کو حق کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ جب فرعون لوگوں کو طبقات میں بانٹ چکا اور لوگوں نے اپنی گروہی اور طبقاتی حیثیت کو اپنی پہچان مان لیا، تو پھر اس نے ایک گروہ کو جس سے اس کو مستقبل میں خطرات پیش آنے کا اندیشہ تھا، کمزور کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس گروہ کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا، اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ بیٹوں کے ذبح کر دینے سے وہ اس گروہ کو مستقبل میں خطرناک بننے سے روکتا تھا، بیٹیوں کے زندہ رکھنے سے وہ اس گروہ کی پاکیزگی کو ختم کرنا چاہتا تھا اور دوسرے گروہوں کے مقابلے میں اس گروہ کی تذلیل چاہتا تھا۔ حق کے مقابل اپنی پسند کو معیار بنا کر نافذ کر دینا یقیناً فساد ہے اور یہ فرعون صفت لوگوں کا کام ہے۔

حاصل : زمین میں بڑا بننے والوں کو شروع میں پہچان لیا جائے، تو فساد سے بچ جانا ممکن ہوتا ہے۔ فساد کرنے والے لوگوں کو پاکیزگی اور حق سے دور کرتے رہتے ہیں۔ سماجی اور ازدواجی زندگی میں لوگوں کی اس طرح مدد کرنا کہ وہ پاک رہیں اور طبعی زندگی گزاریں، بہت بڑی خدمت ہے اور یہی فساد کی جڑ کاٹنے کی صورت ہے۔

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴿٥﴾

اور ہم نے ارادہ فرمایا، کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں ضعیف ہو گئے تھے اور انہیں امام ٹھہرائیں اور انہیں ان کا وارث کر دیں۔

قادر مطلق کی شان ہے کہ وہ ضعیف کو طاقت ور پر غالب کر سکتا ہے، قلیل کو کثیر پر غالب کر سکتا ہے، مگر عاقبت ہمیشہ متقین کی ہی اچھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی پر احسان کرتا ہے جو صبر کے ساتھ بھلائی کی راہ پر ہو۔ جن لوگوں پر اللہ کا احسان ہو جائے انہیں امامت عطا ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کو کمزور کر دیا گیا تھا، ان کی تذلیل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی، اللہ نے ان لوگوں پر مہربانی فرمائی اور انہیں اسی جگہ کے شرق و غرب کا وارث ٹھہرا دیا اور انہیں جہان میں فضیلت دی۔

حاصل : قادر مطلق ضعیف کو طاقت ور پر غالب کر سکتا ہے، قلیل کو کثیر پر غالب کر سکتا ہے۔ جنہیں اللہ امام بنانا چاہے، ان کی اہلیت کو وہ خوب جانتا ہے۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿٦﴾

اور انہیں زمین میں جماؤ دیں اور فرعون اور ھامان اور ان کے لشکروں کو وہی دکھا دیں جس کا انہیں ان سے خطرہ تھا۔

بنی اسرائیل کو زمین میں جماؤ دینا اللہ کو پسند ہوا تو انہیں امامت و وراثت دینے کا عنوان رکھا گیا۔ فرعون اور اس کا وزیر ھامان اور آل فرعون یہ سب اس خطرے کو محسوس کرتے تھے کہ بنی اسرائیل طاقتور ہو گئے تو فرعون اور آل فرعون کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ حق کے مطابق رہنے والوں کا کچھ ایسا رعب ہوتا ہے، کہ ان کے دشمن کثیر الوسائل ہونے کے باوجود، ان پر قاھر ہونے کے باوجود، ان سے خائف بھی رہتے ہیں اور مستقبل کے خطرات کے پیش نظر اپنی تیاری میں بھی لگے رہتے ہیں۔ مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے۔ اللہ کی حیثیت کے سامنے کسی کی تدبیر کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

حاصل : جنہیں اللہ زمین میں جماؤ دے ان کے پاؤں اکھاڑنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی قدرت سے بنی اسرائیل کو وہ مقام ملا جس کا ڈر فرعون، ھامان اور ان کے لشکروں کو تھا۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کو حکم فرمایا کہ آپ کو دودھ پلائے، پھر جب تمہیں ڈر لگے تو آپ کو دریا میں ڈال دے، اور خوف و حزن نہ کرے، بے شک ہم آپ کو تمہاری طرف پھیر لائیں گے اور آپ کو مرسلین سے ٹھہرائیں گے۔

بنی اسرائیل کے بیٹوں کے ذبح کرنے کا طریقہ حکومت نے نافذ کر رکھا تھا۔ آل فرعون کے لوگ اس کام کے لئے مستعد رہتے تھے۔ بچے کی پیدائش ماں کے لئے کتنا بڑا دکھ بن جاتی تھی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

والدہ محترمہ کے دل میں یہ بات ڈالی، کہ وہ بچے کو دودھ پلاتی رہے، جب اسے یہ خطرہ محسوس ہو کہ آل فرعون کی نظر بچے پر پڑ گئی ہے اور وہ اسے اچک لے جائیں گے تو وہ اس کے لئے تیار رہے کہ بچے کو مناسب بندوبست کے ساتھ دریا میں ڈال دے، اور یہ سمجھے کہ اس نے ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بچے کو ہمارے سپرد کیا ہے، اس لئے خوف و حزن نہ کرے۔ اللہ نے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ بچے کو اس کی ماں کے پاس واپس لائے گا، اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بچہ اللہ کا رسول ہو گا۔

حاصل : اللہ جو بات دل میں ڈال دے، اس سے بڑی تقویت ملتی ہے۔ مشکل مقامات پر پورا رہنے کے لئے، اللہ کے سہارے کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ ماں کے لئے یہ بڑی مبارک خبر تھی کہ اس کا بچہ اللہ کا رسول ہو گا، مگر اس سے پہلے یہ فرمایا گیا کہ وہ بچہ ماں کے پاس واپس لایا جائے گا، اور واپس لانے والے کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے۔

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ﴿٨﴾

پھر آپ کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا، کہ آپ ان کے دشمن ہوں اور ان کے لئے غم بنیں۔ بے شک فرعون اور ھامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بچے کو دریا میں ڈالنے کی تیاری کر رکھی تھی، جب خطرے کا احساس ہوا تو اس نے بچے کو بحفاظت دریا میں ڈال دیا۔ قدرت الٰہی نے اس بچے کو فرعون کے گھر والوں کے پاس پہنچایا۔ انہوں نے اس من موہن کو اٹھا لیا۔ اللہ نے جس ذات پاک کے ذریعے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے فساد کو مٹانا چاہا، اسے وہاں پہنچا دیا جو مرکز فساد تھا مگر موسیٰ علیہ السلام کے لئے وہی محفوظ مقام تھا۔ فرعون، ھامان اور ان کے لشکر ظلم ڈھاتے تھے، اللہ کی قدرت انہیں جس طرح انجام تک پہنچانے والی تھی، اس میں ان کی تدبیر کا مقام ہی کیا تھا۔ وہ جو خود کو رب اعلیٰ کہلواتا تھا اتنا علم بھی نہیں رکھتا تھا، کہ وہ فساد کو مٹانے والے کی پرورش کر رہا ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے کسی تدبیر کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اللہ نے ظلم کرنے والوں کی بیخ کنی کا کام جس سے لینا ہوتا ہے، اس کی حفاظت مفسدین سے بھی کرا لیتا ہے۔

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾

اور فرعون کی عورت نے کہا یہ تو میری اور تمہاری آنکھوں کا قرار ہے، اسے قتل نہ کرو، قریب ہے کہ یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور انہیں شعور بھی نہ تھا۔

فرعون کی عورت نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، تو اسے بہت خوشی ہوئی۔ اسے معلوم تو تھا کہ فرعون اس مقام پر کیا کرتا ہے، اس لئے اس نے یہ کہا، کہ یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کا قرار ہے، اسے قتل کرنے کا مت سوچو۔ قریب ہے کہ یہ بڑا ہو کر ہمارے لئے سکھ کا باعث ہو یا ہم اس سے اس قدر خوش ہو جائیں کہ اس کو اپنا بیٹا بنالیں۔ اللہ کا ارادہ کیا تھا، اس کا انہیں شعور نہیں تھا۔

حاصل : ظالم اپنی غرض کو سامنے دیکھے تو ظلم کے معمول سے باز آجاتا ہے۔ اللہ کی مشیت کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠﴾

اور صبح کو موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کا دل فارغ ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اپنی بے قراری کو ظاہر کر دے اگر ہم اس کے قلب پر ربط نہ رکھتے کہ وہ مومنین سے ہو۔

ماں کا بچے سے جو تعلق ہوتا ہے وہ اللہ نے ہی رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بچے کو دریا کے سپرد کر دینے کے بعد کس حال میں تھا، اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ماں کو یہ تو یاد تھا، کہ اسے بچے کو اس کی گود میں واپس لانے کی بشارت دی گئی ہے، اسے یہ بھی یاد تھا کہ مستقبل میں اس بچے کے مرتبے کو بھی واضح فرما دیا گیا ہے، مگر اس کے دل کی بے قراری صبح تک انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ وہ اگر اپنی بے قراری کو ظاہر کر دیتی تو پھر رخ اور ہو جاتا۔ اللہ کو یہ پسند نہ تھا۔ اللہ نے اس خاتون کے دل کو سہارا دیا، اور اسی سہارے کی برکت سے وہ ماننے والوں میں شمار ہوئی۔

حاصل : طبعی طور پر ماں کے لئے بچے کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ ماں کا بچے کی جدائی سے بے قرار ہو جانا طبعی بات ہے۔ دل اگر ماننے کے مقام پر ہو تو ماننے والوں میں شمار ہوتا ہے، اور دل کو اللہ ہی سہارا دے تو وہ مشکل مقام پر پورا رہ سکتا ہے۔

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١١﴾

اور آپ کی ماں نے آپ کی ہمشیرہ سے فرمایا، آپ کے پیچھے چلی جا، تو وہ آپ کو اجنبی کی طرح دیکھتی رہی اور انہیں پتہ نہیں چلا۔

ماں نے اپنی بیٹی کو حکم دیا کہ وہ بچے پر نظر بھی رکھے اور پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ اس طرح چلتی جائے کہ کسی کو یہ

معلوم نہ ہو کہ اس کا بچے سے کچھ تعلق ہے۔ حقیقی تعلق کو ظاہری لاتعلقی کے پردے میں ملفوف کرنا بڑا نازک کام ہوتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے یہ کام سرانجام دیا اور کسی کو اس کا پتہ بھی نہیں لگا۔

حاصل : ماں کی شان یہی ہے کہ وہ بلاواسطہ بچے کے پاس نہ ہو تو بالواسطہ پاس رہنے کی تدبیر کرتی ہے اور بچے کی سلامتی کو بہرحال ملحوظ رکھتی ہے۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے اس سے قبل سب دودھ پلانے والیاں آپ پر حرام کر دی تھیں، تو وہ لڑکی کہنے لگی کیا میں آپ کو وہ اہل بیت بتاؤں جو آپ کے لئے اس کی کفالت کریں اور وہ اس کے لئے ناصح ہوں۔

فرعون کے محل میں بچے کو جو اعزاز دیا گیا، اس حوالے سے سبھی انتظام کیے گئے۔ دودھ پلانے والیاں بہت بلائی گئیں مگر آپ نے کسی دودھ پلانے والی خاتون کا دودھ نہیں پیا۔ بادشاہ اور ملکہ کے لئے یہ پریشانی بڑھتی گئی کہ بچہ دودھ کے بغیر کیسے پلے گا، اور جو کچھ وہ کر سکتے تھے وہ تو کیا ہی جا چکا تھا۔ ان پریشان لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے بڑی احتیاط سے یہ کہا، کہ میں آپ کو ایک جگہ بتا سکتی ہوں، وہ لوگ اگر اس بچے کی کفالت کرنا قبول کر لیں اور یہ اس پاک بی بی کا دودھ پینا شروع کر دے تو یہ بہت اچھا انتظام ہو گا، کہ وہ لوگ بہت نصیحت کرنے والے ہیں۔ یقیناً آپ کی منشاء کے مطابق اس بچے کی پرورش کی اہلیت ان میں ہے، بات ان کے اس خدمت کے لئے تیار ہونے کی ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے کسی کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔ جب مسئلے کا کوئی حل نہ ہو رہا ہو، تو معصوموں کی تجویز بھی قابل غور ہو جاتی ہے۔ حق یہی ہے کہ بچے کی کفالت کی ذمے داری انہی کو دی جائے جو ناصح ہوں، کہ کردار سازی انہی کا کام ہے۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

پھر ہم نے آپ کو آپ کی ماں کے پاس پہنچا دیا، کہ اس کی آنکھ کو قرار ہو اور وہ غمگین نہ ہو اور اسے علم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے، ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش بادشاہ اور ملکہ کو مطلوب تھی۔ پرورش کرنے والوں کو بڑی عزت سے نوازا گیا، اور

انہیں وہ سب سہولتیں دی گئیں جو انہیں درکار تھیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی ماں کے پاس پہنچا دیا، کہ اس خاتون کو قرار آئے، اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو، اس کو غم نہ رہے اور اسے علم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ معاملات جو بھی ہوں اللہ کی مشیت ہمیشہ ہو کر رہتی ہے۔ علم تو عمل کے بعد ہی عطا ہوتا ہے۔ اکثر لوگ وہ رخ ہی اختیار نہیں کرتے جو حصول علم کے لئے ضروری ہے، اس لئے ان پر جاننے کا مقام آتا ہی نہیں۔

حاصل : ہر حال میں اللہ کی مشیت ہی پوری ہوتی ہے۔ جدائی میں آنکھ کو قرار نہیں ہوتا اور غم بھی ہوتا ہے، میل ہو جائے تو آنکھ کو قرار آجاتا ہے اور غم دور ہو جاتا ہے۔ علم، عمل کے بعد ہی عطا ہوتا ہے۔ جس کا رخ درست نہ ہو اسے خیر کا علم کبھی حاصل نہیں ہوتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (35) میں فرمایا ہے۔

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ

اور بُرا داؤ اس کے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤﴾

اور جب آپ جوانی کو پہنچے اور سنبھلے، ہم نے آپ کو حکم اور علم عطا فرمایا، اور ہم محسنین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

پرورش کے مراحل میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے وہ آسانیاں رکھ دیں، جن کو اس حال پر انتہائی کہا جا سکتا ہے۔ جب آپ جوان ہوئے اور آپ نے سماجی مسائل اور ان کے اسباب کو دیکھا، تو بہت سی ناہمواریاں آپ پر واضح ہو گئیں۔ رخ حق کے مطابق رہنے کا تھا کہ یہی محسنین کی طریقت ہے، اس لئے اللہ نے آپ کو حکم اور علم عطا فرمایا۔ آپ جو فرماتے تھے وہ ہو جاتا تھا اور اس کی معرفت بھی حاصل ہو جاتی تھی۔ جوانی میں رخ کو درست رکھنے والے ہی اپنا توازن درست رکھ سکتے ہیں اور اپنا توازن درست رکھنے والے ہی حُسنِ عمل کا نمونہ ہوتے ہیں۔

حاصل : جوانی میں محسنین کی طریقت کو اختیار کرنا بڑی بات ہے، محسنین کو نوازنا اللہ کی سنت ہے۔

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِن شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَغَاثَهُ

اور اس شہر میں داخل ہوئے جب کہ وہاں کے لوگ غفلت میں تھے، پھر اس میں دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ ایک موسیٰ (علیہ السلام) کے گروہ سے تھا اور دوسرا

الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۖ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

آپ کے دشمنوں سے۔ تو وہ جو آپ کے گروہ سے تھا اس نے آپ سے مدد مانگی اس پر جو آپ کے دشمنوں سے تھا، تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے گھونسہ مارا پھر اس کا کام تمام کر دیا۔ کہنے لگے یہ عمل شیطان سے ہے، بے شک وہ صریحاً بہکانے والا ہے۔

شہر میں داخل ہونے کا وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہی پسند کیا جب وہاں کے لوگ آرام کرتے تھے۔ اس وقت میں وہ بہت کچھ دیکھ سکتے تھے اور ان کے حالات پر نظر رکھنے کی کوئی خبر بھی نہیں بنتی تھی۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام نے شہر میں دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ ایک آپ کے گروہ سے تھا، دوسرا دشمنوں کے گروہ سے تھا۔ اس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل پر ہونے والے مظالم کو قریب سے دیکھ چکے تھے، اور ان کی مظلوموں سے وابستگی بھی مخفی نہ تھی۔ اسرائیلی نے آپ سے مدد مانگی۔ آپ نے اس کے دشمن کو روکا تو وہ آپ سے الجھ پڑا۔ آپ نے اس کو گھونسہ مارا تو وہ ڈھیر ہو گیا۔ آپ کو اس کا بہت افسوس ہوا۔ ارادہ اس کو مار دینے کا نہیں تھا۔ آپ نے یہ کہا، یہ بہت برا کام ہوا ہے اور شیطان صریحاً بہکانے والا ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں جب فرعون نے آپ سے بعد میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے ہاں سے فرار ہو گیا، تو مجھے میرے رب نے حکم عطا فرمایا اور مجھے مرسلین سے ٹھہرایا۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ اس وقت رسالت آپ کو عطا نہیں ہوئی تھی۔

حاصل : متکبر لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ خدمت گار ان کی بستی میں رہیں۔ مظلوم قوم کے لوگوں سے ہمدردی کا اظہار بھلے لوگوں کا وصف ہوتا ہے۔ مظلوم کے مخالف کو مخالفت سے روکنا بڑا نازک کام ہوتا ہے، اس میں اپنی خوشی کو شامل نہیں ہونے دینا چاہیے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾

دعا کی اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، تُو مجھے بخش دے، تو اللہ نے بخش دیا، بے شک وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

آل فرعون کے ایک مرد کے آپ کے ہاتھوں مارے جانے پر آپ نے یہ دعا کی: اے میرے رب میں نے اپنے اوپر ظلم

کیا ہے۔ میرا ارادہ اس کو مار دینے کا نہیں تھا۔ یقیناً مجھ سے وہ کچھ ہوا ہے جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مدد کرتے وقت ذاتی خوشی کو ساکن رکھنے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ یا اللہ تو مجھے بخش دے۔ اللہ نے آپ کو بخش دیا۔ اللہ تو ہے ہی بخشنے والا، رحم فرمانے والا۔ بخشش طلب کرنے والا اپنی کوتاہی کا اعتراف کرلے اور کوتاہی کے سبب کو بھی پالے، تو اللہ اس کو بخش بھی دیتا ہے اسے اپنے رحم سے بھی نوازتا ہے۔

حاصل : اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ سے بخشش طلب کرنی چاہئے۔ جس کو معاف کیا جائے اس کو آسانی بھی مہیا کرنی چاہئے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

عرض کی اے میرے رب تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے، تو اب میں ہرگز مجرمین کا مددگار نہیں بنوں گا۔

بخشش کا شکر ادا کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا۔ کہ اے میرے رب تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے، مجھے اپنے فضل سے نوازا ہے، اب میں کبھی مجرمین کا مددگار نہیں بنوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی کی حمایت سے پہلے جو ضروری باتیں نظر انداز کر دی تھیں، آپ نے انہیں مجرم کی مدد جانا اور آئندہ کسی کو مظلوم ماننے سے پہلے متعلقہ باتوں کو ملحوظ رکھنے کا عہد کیا۔

حاصل : بخشش اللہ کا فضل ہے۔ اپنے قول کی حفاظت کرنی ضروری ہے، اپنے عمل کی حفاظت کرنی ضروری ہے، مجرمین کی مدد نہ کرنے کا عہد اسی طرح پورا ہوتا ہے۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾

پھر صبح کی اسی شہر میں خائف ہوتے ہوئے کہ اب کیا ہوتا ہے، جبھی دیکھا کہ وہ جس نے کل نصرت چاہی تھی فریاد کر رہا ہے موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے فرمایا، بے شک تم صریحاً بے راہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مذکورہ واقعہ سے متعلق آل فرعون کا ردعمل ابھی دیکھا نہیں تھا۔ ان سے بھلائی کی توقع تو ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ لوگوں کے آرام کرنے کے وقت میں آپ باہر نکلے تو آپ نے پھر وہی دیکھا جو اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ وہی آدمی جس نے کل آپ سے مدد مانگی تھی، پھر آپ سے کسی کے خلاف مدد مانگ رہا تھا۔ آپ نے اس کو مظلوم ماننے سے پہلے ضروری سوالات کیے، تو وہ خلاف حق کرتا ہوا پایا گیا۔ آپ نے فرمایا، تم صریحاً بے راہ ہو۔

حاصل : ماضی کے واقعات سے حاصل ہونے والے سبق کو یاد رکھنا چاہئے۔ کسی کے مظلوم ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے متعلقہ امور کو ضرور دیکھنا چاہئے۔ مظلومیت کے لبادے میں جو خلاف حق کر رہا ہو، اس کو یہی کہنا چاہئے تم صریحا بے راہ ہو۔

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

پھر جب ہاتھ ڈالنا چاہا اس پر جو دونوں کا دشمن تھا، کہنے لگا اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا آپ میرے قتل کا بھی ارادہ رکھتے ہیں جیسے آپ نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا، آپ کا ارادہ تو زمین میں جبر کرنے کا ہی ہے، اور آپ اصلاح کرنے والے نہیں بننا چاہتے۔

اسرائیلی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صریحا بے راہ کہا تھا، اس لئے آل فرعون کے فرد کی بات حق کے حوالے سے آپ کے نزدیک قطعا درست تھی۔ اس لئے اسرائیلی حضرت موسیٰ کا بھی مخالف ہو گیا، آل فرعون کے فرد کا تو وہ مخالف تھا ہی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو فساد سے روکنے کے عمل کی ابتدا کی تو خواہش کا یہ بندہ چیخ پڑا: کیا آپ مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے کل آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اور آپ تو زمین میں زبردستی کرنے کا ہی ارادہ رکھتے ہیں۔ صلح کی طرف رغبت دلانا آپ کو پسند ہی نہیں ہے۔ جس کو حق کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی عزیز ہو، وہ اپنے مددگار کو بھی ناصح نہیں مانتا اور اس سے متعلق نازیبا کلمات کہنے میں وہ دیر بھی نہیں کرتا۔

حاصل : جو اپنی خواہشات کی پیروی کو حق کے مقابل عزیز تر جانتا ہو وہ کسی کو ناصح نہیں مانتا۔ ناصح کے متعلق اسے نازیبا کلمات کہنے میں دیر نہیں لگتی۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ کہنے لگا اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک دربار والے آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، تو نکل جائیے، بے شک میں آپ کے لئے ناصح ہوں۔

اسرائیلی کی زبان سے ماضی قریب کے قتل کا واقعہ بیان ہو چکا تھا۔ ایسی خبر پھیلنے میں دیر نہیں لگتی۔ فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان لوگوں کی قوت کو مجتمع کرتے ہوئے دیکھتے تھے جن کو کمزور کرنے پر آل فرعون کا ہمیشہ زور رہا، اس لئے دربار والے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ صاحب جو اس خبر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام تک لے کر آئے، بنی اسرائیل سے نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ آل فرعون سے ہی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدر دان تھے۔ یہ صاحب اس کوشش میں تھے، کہ سرکاری لوگوں کے آنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سلامتی کے مقام کی طرف روانہ کر دیا جائے۔ اس لئے دوڑنا اور قریب ترین راستے سے آنا اور اپنے تعلق کو لوگوں کی نظروں سے بچانا یہ سب کچھ ضروری تھا، اور ان صاحب نے اپنے تعارف میں یہی کہنا کافی سمجھا کہ میں آپ کے لئے ناصح ہوں۔

حاصل : اپنے درجے کے مطابق پاک لوگوں کی مدد کرنی چاہئے۔ ان کے بدخواہوں کی تدبیر کو ناکام بنانے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ عمل کی ترغیب دینے میں وقت کو اپنے تعارف میں کم ہی لگانا چاہئے۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۱﴾

تو خائف ہو کر اس شہر سے نکلے کہ اب کیا ہوتا ہے۔ عرض کی اے میرے ربّ مجھے قومِ ظالمین سے نجات دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر سے نکلے جہاں آپ کے بارے میں بری تدبیر سوچی جا رہی تھی۔ اس وقت منزل بھی متعین نہ تھی، راستے کے محفوظ ہونے کے بارے میں کچھ سامنے نہ تھا اور تعاقب کرنے والوں کے بارے میں کسی بھلائی کو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ آپ نے اپنے ربّ سے یہ دعا کی کہ اے میرے ربّ مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔ یہ لوگ ظالم اس لئے تھے کہ یہاں بات حق کے حوالے سے نہیں دیکھی جاتی تھی۔ بنی اسرائیل کے لئے کچھ اور معیار بنائے گئے تھے۔ آل فرعون کے لئے کچھ اور معیار بنائے گئے تھے۔

حاصل : ہنگامی حالات میں اگر اپنے مقام کو چھوڑنا پڑے، تو اپنے ربّ سے یہ دعا کرنی چاہئے: اے میرے ربّ مجھے قومِ ظالمین سے نجات دے۔ منزل پر پہنچانے والا بھی وہی ہے، راستے کو محفوظ بنانے والا بھی وہی ہے، تعاقب کرنے والوں سے بچانے والا بھی وہی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ھود (11) میں فرمایا ہے۔

وَلَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

اور ظالموں کے ساتھی نہ بنو، پھر تمہیں آگ لگے گی اور اللہ کے مقابل کوئی تمہارا دوست نہ ہو گا، پھر تمہاری مدد نہ ہو گی۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے، عرض کی کہ قریب ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ سجھائے۔

آل فرعون کے ہاں سے نکل کھڑے ہونے کے بعد آپ کو مدین کی طرف جانے کا خیال آیا۔ اب منزل متعین تھی۔ اب آپ نے دعا کی کہ قریب ہے میرا رب مجھے سیدھی راہ سجھائے۔ سیدھی راہ کسی منزل پر پہنچنے کا محفوظ اور آسان راستہ ہوتا ہے۔

حاصل : منزل متعین ہو جائے تو سلامتی کی راہ کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

اور جب مدین کے پانی پر وارد ہوئے وہاں لوگوں کے ایک گروہ کو پانی پلاتے پایا اور ان کے مقابل دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانور روکے ہوئے تھیں۔ پوچھا تمہیں کیا ہے۔ کہنے لگیں ہم پانی نہیں پلاتیں حتیٰ کہ چرواہے پھر جائیں، اور ہمارے باپ بڑے بزرگ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے قریب پہنچے تو آپ نے وہاں لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا۔ یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ پانی کنوئیں سے نکال کر جانوروں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ وہاں آپ نے دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانوروں کو روکے ہوئے تھیں اور جانور طبعی طور پر پانی کے قریب ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی اندازہ نہیں لگایا ان عورتوں کے بارے میں، ان سے پوچھا، کیا بات ہے آپ اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا، ہم چرواہوں کے لوٹ جانے کے انتظار میں ہیں۔ ہمیں یہ کام اس لئے کرنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے والد صاحب بہت بوڑھے ہیں۔

حاصل : ضروریات زندگی میں سے پانی سب سے زیادہ اہم ہے۔ مجبوری کے تحت عورتوں کو بھی وہ کام کرنے پڑتے ہیں، جو عموماً مرد ہی کرتے ہیں۔ عورتوں کو حیا کے دائرے کا لحاظ رکھنا چاہئے، اور کوئی پوچھے تو اپنی مجبوری کو بھی بیان کرنا چاہئے۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ

تو آپ نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ پھر سائے کی طرف آگئے تو دعا کی، اے میرے رب جو خیر تو میرے لئے نازل

فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فرمائے میں فقیر ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں کی مدد کرتے ہوئے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ زور کا کام تھا اور دھوپ میں تھا۔ فراغت ہوئی تو پھر سائے میں تشریف لائے اور دعا کی اے میرے ربّ جو تیرے نزدیک میرے لئے بہتر ہے وہ عطا فرما دے، میں فقیر ہوں۔ اظہارِ عبدیت، حُسنِ طلب اور عرفانِ حق سب اس دعا سے روشن ہوتے ہیں۔

حاصل : اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھتے ہوئے لوگوں کی مدد کرنی چاہئے۔ گرمی کی دھوپ میں سایہ بڑی نعمت ہے۔ بندے کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اللہ سے وہی طلب کرے جو اللہ کے نزدیک اس کے لئے بہتر ہے۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

تو ان دونوں میں سے ایک آپ کے پاس آئی حیا سے چلتی ہوئی، کہنے لگی میرے والد صاحب نے آپ کو بلایا ہے، کہ آپ کو اس کا اجر دیں جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ پھر جب وہاں آئے اور انہیں اپنا احوال بتایا، انہوں نے فرمایا، خوف نہ کیجئے، آپ نے قومِ ظالمین سے نجات پائی۔

جب یہ خواتین خلافِ معمول جلد گھر پہنچ گئیں اور اپنے والد صاحب کے سامنے سارا حال بیان کیا، تو انھوں نے فرمایا، ان صاحب کو بلا کر لاؤ کہ انھیں اس کارِ خیر کا صلہ دیا جائے۔ ایک خاتون آپ کے پاس آئی۔ حیا سے چلنا یہ ہے کہ نظر زمین پر ہو، جسم کو حق کے مطابق ڈھانپا گیا ہو اور منزلِ مقصود کی طرف سلامتی سے قدم اٹھائے جائیں۔ حیا سے چلنا پاک بیبیوں کی ایک صفت ہے۔ اس بی بی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا، کہ میرے والد صاحب نے آپ کو بلایا ہے کہ آپ کو اس کارِ خیر کا صلہ دیا جائے جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بلاوا اللہ کا فضل معلوم ہوا۔ آپ ان بزرگ کے پاس پہنچے، انھوں نے آپ سے احوال پوچھا، آپ نے بیان کیا۔ ان بزرگ نے فرمایا، خوف نہ کیجئے، آپ ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہیں۔

حاصل : عورت کو حیا سے چلنا چاہئے۔ بات کو حق کے حوالے سے پورا کرنا چاہئے۔ بڑے علم والے سے میل ہو تو اپنا حال اس کے سامنے بیان کرنا چاہئے، اور اس کی تسلی کو باعث راحت جاننا چاہئے۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾

ان دونوں میں سے ایک کہنے لگی اے والد صاحب ان کو مستاجر رکھ لیجئے. یقیناً بہتر مستاجر وہی ہے جو قوی ہو، امین ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کارکردگی لائق تحسین تھی۔ جو بی بی آپ کو بلانے کے لئے گئی تھیں وہ باپ کے حکم کی تعمیل کر چکی تھیں۔ دوسری بی بی نے اپنے والد صاحب کی خدمت میں یہ گزارش پیش کی کہ موجودہ حالات میں ہمیں ایک کام کرنے والے کی ضرورت تو ہے، آپ ان صاحب کو رکھ لیجئے. بہتر کام کرنے والا وہی ہوتا ہے جو قوی بھی ہو اور امین بھی ہو۔ بی بی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے باپ کے سامنے یہ گواہی دی کہ یہ قوی بھی ہیں اور امین بھی ہیں۔

حاصل : جس کی اہلیت مشاہدے میں آئے. اس کے لئے کلمۂ خیر کہنا ضروری ہے۔ استعداد کے ساتھ امانت کو بہر حال دیکھنا چاہئے۔ جو قوی ہو امین نہ ہو اس کو کام سپرد کرنا دکھ کو دعوت دینے والی بات ہوگی۔

قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

فرمایا میرا ارادہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بیٹی کا آپ سے نکاح کر دوں، اس طرح کہ آپ میرے ہاں آٹھ برس کام کریں۔ پھر اگر آپ پورے دس کر لیں تو یہ آپ کی طرف سے ہے اور میرا ارادہ آپ پر مشقت ڈالنے کا نہیں ہے۔ قریب ہی انشاء اللہ آپ مجھے صالحین سے پائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اطمینان دلانے کے بعد کہ وہ ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہیں، اب ان سے یہ فرمایا گیا کہ میں ان دو بیٹیوں میں سے ایک آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں، اس طرح کہ آپ آٹھ برس میرے ہاں کام کریں گے۔ اگر دس برس پورے کر لیں گے تو یہ آپ کا احسان ہوگا۔ میرا ارادہ آپ پر مشقت ڈالنے کا نہیں ہے۔ آپ جلد ہی دیکھ لیں گے. کہ میرا معاملہ آپ سے صالحین کی صورت سے ہوگا۔ میرا عمل اس بات کی شہادت دے گا کہ میں آپ کے ساتھ حق کے مطابق رہنے کے دعوے میں پورا ہوں۔ بیٹی بالغہ ہو اور خدمت اقارب کو مہر ماننے پر راضی ہو. تو وہی مہر ہوگا جس پر وہ راضی ہو۔

حاصل : باپ کے نزدیک بیٹی کا صالح آدمی سے نکاح بہت بڑا کام ہوتا ہے۔ خدمت اقارب بھی مہر ہو سکتا ہے۔ کام کرنے والے پر کبھی وہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے جس کی اسے وسعت نہ ہو۔ دعویٰ زبان

سے ہوتا ہے شہادت عمل سے ہوتی ہے۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۲۸ۧ

فرمایا۔ یہ میرے اور آپ کے مابین ہو چکا، ان دونوں میں جو میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر زیادتی نہ ہو، اور اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیخ کبیر کی بات کے جواب میں یہ کہا: کہ یہ معاہدہ میرے اور آپ کے مابین ہو چکا۔ آٹھ برس پورے کروں یا دس برس یہ دیکھنا میرا حق ہے۔ معاہدے سے تجاوز نہ ہو گا تو مجھ پر زیادتی نہ ہوگی۔ ہم نے جو بات آپس میں طے کی ہے، اس پر اللہ ہمارا وکیل ہے اور وہی سب سے بڑا کفایت کرنے والا ہے۔

حاصل : معاہدہ طے پانے کا اعلان اسے کرنا چاہئے، جو ماننے کے مقام پر ہو۔ یہ بھی کہنا چاہئے، اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے۔ طرفین کو اللہ کی رضا مطلوب ہونی چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (10) میں فرمایا ہے۔
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۶۳ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ
ایمان لانے والے اور تقویٰ کرنے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے حیات دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۲۹

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) نے مدت پوری کر لی اور اپنے اہل کو لے کر چلے، طور کی جانب سے ایک آگ دیکھی، آپ نے اپنے اہل سے فرمایا تم ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے، تو اس کی خبر لاتا ہوں یا تمہارے لئے چنگاری لاتا ہوں تاکہ تم تاپو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدے کے مطابق کام کو پورا کیا اور اپنے گھر والوں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوئے۔ راستے میں کوہِ طور تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے آگ کی ضرورت کا احساس ہوا۔ آپ نے گھر والوں سے فرمایا: تم یہیں ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے، تو اس کی خبر لاتا ہوں یا تمہارے لئے کوئی چنگاری لاتا ہوں تاکہ تم تاپو۔ سردی میں آگ کا

کبھی بدل نہیں ہوتا۔ جہاں روشنی موجود ہے وہاں سے مطلوبہ شے کی خبر مل سکتی ہے یا مطلوبہ شے بھی مل سکتی ہے۔ عورت کا مقام خلوت ہی ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا، روشنی کی طرف ساتھ چلنے کو نہیں فرمایا۔

حاصل : وعدے کو پورا کرنا حق ہے۔ ساتھیوں کی سلامتی کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے اور حسبِ موقع اس کے ضروری اہتمام بھی کرنے چاہئیں۔ سردی میں آگ بے بدل نعمت ہوتی ہے۔ مسافروں کو آگ کی سہولت دینا بھی ایک خدمت ہے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾

پھر جب وہاں پہنچے، وادی کے دائیں کنارے شجر سے بقعۂ مبارکہ سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک میں ہی اللہ ہوں ربّ العالمین۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس وادی میں پہنچے، تو یہ فرمایا گیا: اے موسیٰ علیہ السلام آپ وادیٔ طویٰ میں ہیں، جوتے اتار دیجئے۔ وادی کے دائیں کنارے شجر پر انوار سے یہ آواز آئی کہ اے موسیٰ بے شک میں ہی اللہ ہوں، سارے عالمین کا پالنے والا۔ یہ بھی فرمایا گیا: برکت دیا گیا اس سے جو جلوہ گاہ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے، اور پاکی ہے اللہ کو جو ربّ العالمین ہے۔ اور یہ بھی فرمایا گیا: میں ہی اللہ ہوں عزت والا حکمت والا۔ یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے انعام تھا۔ اس سے جو راحت انہیں حاصل ہوئی وہ بیان میں کب آ سکتی ہے۔

حاصل : کسی مقام کے تقدس کا اظہار عمل سے کرنا چاہئے۔ اللہ سے اپنا نام سننے میں جو راحت ہے اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ خطاب تو ہے ہی سب انعام۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور یہ کہ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ پھر جب آپ نے اسے لہراتا ہوا سانپ دیکھا مڑ کر چلے اور پیچھے نہ دیکھا۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) آگے آیئے اور خوف نہ کیجئے، بے شک آپ امان والوں سے ہیں۔

معجزات عطا کرنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا گیا۔ اس میں آپ کے لئے ایسی راحت تھی کہ اس کا

کسی خوشی سے تقابل ہی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ سے یہ پوچھا گیا: آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ نے اپنے عصا کے استعمال کی صورتیں بیان کیں۔ حکم ہوا اسے زمین پر ڈال دیجئے۔ آپ نے اسے زمین پر ڈالا تو وہ لہراتا ہوا سانپ تھا۔ آپ اس منظر کو دیکھ کر مڑے اور پیچھے نہ دیکھا۔ سانپ کا ڈر ہوتا تو پیچھے دیکھنا ضروری تھا کہ وہ کس طرف کو جارہا ہے۔ وادی کے تقدس کا آپ کو علم تھا۔ آدابِ حضوری میں کوتاہی دانستہ تو ہوتی ہی نہیں، نادانستہ کوتاہی کا ڈر ضرور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا: میرے حضور مرسلوں کو خوف نہیں ہوتا۔ یہ رسالت کے عطا ہونے کا اعلان تھا۔ اور امان والوں سے ہونے کا مقام تھا۔

حاصل : آدابِ حضوری میں نادانستہ کوتاہی سے بھی ڈرنا چاہئے۔ اللہ کی امان حاصل ہو تو چیزیں تابع فرمان ہو جاتی ہیں۔ قدرتِ الٰہی کا مشاہدہ جس طاقت کا تقاضا کرتا ہے، وہ بھی اللہ ہی دیتا ہے۔ عصا کا ساتھ ہونا رات کے سفر میں ضروری ہوتا ہے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالئے، نکلے گا سفید چمکتا ہوا بے مرض۔ اور اپنے بازو کو ڈر سے سکیڑ لیجئے۔ تو یہ دو برہان ہیں آپ کے رب کے، فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جانے کے لئے، بے شک وہ لوگ فاسق ہیں۔

دوسرا معجزہ عطا فرمانے سے پہلے اس کی کیفیت بیان فرمادی گئی اور اس کا طریقہ بھی بتادیا گیا۔ جب آپ نے اپنا ہاتھ چمکتا ہوا پایا، تو اس سے آپ کو بہت راحت ہوئی۔ اس کے ساتھ ان معجزات کے محلِ استعمال کو بیان فرمایا گیا: کہ یہ دونوں برہان آپ کے رب کی طرف سے عطا فرمائے گئے ہیں، فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف آپ کو جانا ہے کہ وہ لوگ برائی کو اپنا معمول بنا چکے ہیں۔

حاصل : جس کو کام سونپا جائے، اسے اسناد بھی دینی چاہئیں اور لوگوں کے متوقع ردعمل سے بھی آگاہ کرنا چاہئے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

عرض کی اے میرے رب میں نے ان سے ایک کو مارا تھا، تو مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے ماریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آلِ فرعون کے جس آدمی کو مکا مارا تھا، آپ کا ارادہ اسے جان سے مار دینے کا تو نہیں تھا، مگر اپنے رب کے سامنے اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ نے یہ کہا کہ ان کا ایک آدمی میرے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ دس برس کے بعد بھی وہ اس بات کو نئے سرے سے شروع کر سکتے ہیں اور مجھے سزا بھی دے سکتے ہیں۔ اپنے اندیشے کو بیان کر دینے سے تائید بھی ملتی ہے، یکسوئی بھی حاصل ہوتی ہے۔

حاصل : کام سپرد کرنے والے کے سامنے اپنی کیفیت کو بیان کرنا ہمیشہ مفید ہوتا ہے۔

وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

اور میرے بھائی هارون (علیہ السلام) کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے، تو اسے میری معیت میں بھیج دیجئے کہ وہ میری تصدیق کرے، بے شک مجھے خدشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی: میرے رب، میری زبان کے عقدے کو حل دے کہ وہ لوگ میری بات کو سمجھیں۔ هارون علیہ السلام بڑے فصیح اللسان ہیں، ان کو میرا مددگار بنا دے، میرا وزیر بنا دے۔ یہ میری باتوں کی تصدیق کریں گے، تو مجھے تقویت ملے گی۔ فرعون اور اس کے درباریوں کے بارے میں میرا احساس یہی ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے کہ انہیں ہدایت کی طلب نہیں ہے۔

حاصل : تائیدِ ایزدی کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ فصیح اللسان ہونا قابلِ قدر بات ہے۔ جو حق کی تصدیق کرے اس کی فصاحت روشن ہو جاتی ہے۔ تصدیق کرنے والے سے حاصل ہونے والی راحت اس دکھ کو برداشت کرنے میں مدد دیتی ہے جو دکھ تکذیب کرنے والوں سے پہنچتا ہے۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

فرمایا ہم آپ کے بازو کو آپ کے بھائی سے قوت دیں گے اور آپ دونوں کے لئے سند ٹھہرائیں گے۔ وہ آپ پر دست درازی نہ کر سکیں گے، ہماری آیات کے ساتھ۔ آپ دونوں اور جو آپ دونوں کا اتباع کریں گے غالب ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا گیا۔ حضرت ھارون علیہ السلام کو آپ کے لئے قوتِ بازو بنایا گیا، اور غلبے کی بشارت بھی دی گئی۔ یہ بھی واضح فرمادیا گیا کہ منکرینِ حق کبھی آپ پر دست درازی نہیں کر سکیں گے۔ اطمینان کے ساتھ آپ ہماری نشانیاں لے کر جایئے۔ آپ دونوں اور جو آپ کا اتباع کریں گے غالب ہوں گے۔ تائیدِ ایزدی کے شاملِ حال ہو جانے سے جو استقامت حاصل ہوتی ہے، مشکل مقامات پر اس کے ساتھ پورا رہنا آسان ہو جاتا ہے۔

حاصل : اظہارِ حق میں بھائی کا قوت بازو ہو جانا اللہ کی بڑی عنایت ہے۔ غلبہ تائیدِ ایزدی سے حاصل ہوتا ہے، اور تائیدِ ایزدی پاک لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٣٦﴾

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں لائے، کہنے لگے یہ تو سحر ہے باندھا ہوا، اور ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں میں بھی یہ نہیں سنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام غلبے کے یقین کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے تشریف لائے۔ آپ کی حرکات و سکنات حق کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتی تھیں اور فرعون اور اس کے درباریوں کے لئے بنی اسرائیل کی یہ شان باعث حیرت تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغامِ حق سنایا تو سامعین نے اسناد کا مطالبہ کیا۔ آپ نے اللہ کی عطا کردہ روشن نشانیاں ان کے سامنے رکھیں، توانہوں نے یہ کہا کہ یہ تو صریحاً جادو ہے۔ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اس کے متعلق ان لوگوں کا کہنا یہ تھا، کہ یہ تو ہم نے اگلے باپ دادوں کی زبان سے بھی نہیں سنا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہی تھا: کہ اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والا علم کبھی نور کی طرف نہیں لے جا سکتا۔ مالک کل ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا، اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کے صحیح استعمال کے بارے میں ہی بندے سے پوچھا جائے گا۔ جسے حق کو ماننا ہو اسے میرا اتباع کرنا ہو گا۔

حاصل : سند کے ساتھ بات کرنا بڑی شان ہے۔ باپ دادوں کا ذکر حق کے حوالے سے ہو تو رخ درست ہوتا ہے، اور جب حق کو باپ دادوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے تو رخ کبھی درست نہیں ہوتا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَن جَآءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِندِهِ وَمَن تَكُونُ لَهُ

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا، میرے ربّ کو خوب علم ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لایا ہے اور جس کو

عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۳۷

دارِ عاقبت ملے گا، بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

فرعون اور اس کے درباری حق کو سن کر اور اس کی اسناد کو دیکھ کر جھٹلا چکے تھے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ میرے رب کو خوب علم ہے کہ جو اس کے پاس سے ہدایت لایا ہے اور جس کو عاقبت کا گھر ملے گا۔ عاقبت میں بھلا تو متقین کا ہی ہو گا۔ خلاف حق کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو حق اور ناحق کے درمیان فرق کرنے کی راہ دکھائی، اور مروجہ علوم سے آگے بڑھنے کی ترغیب دی۔ جو کچھ انھوں نے اپنے بیان کے مطابق باپ دادوں سے نہیں سنا تھا، وہ قطعاً حق ہے اور روشن نشانیوں سے ثابت ہے تو اس کے انکار کے معنی خسارے کی طرف جانے کے ہی ہو سکتے ہیں۔

حاصل : جو حال میں ہدایت کی راہ پر ہو وہی آخرت میں عذاب سے بچے گا۔ فکر و نظر کی ترغیب دینا بڑے علم کا کام ہے۔ بات حق کے حوالے سے ہونی چاہئے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳۸

اور فرعون نے کہا اے درباریو : مجھے تمہارے لئے اپنے سوا کوئی معبود معلوم نہیں۔ تو اے ھامان میرے لئے مٹی پکا کر ایک محل بنا تا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کی اطلاع پاؤں، بے شک مجھے ظن ہے کہ وہ کاذب ہے۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پاک سے حق کو سن کر اور آپ کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر یہ کہا تھا، کہ اے موسیٰ علیہ السلام مجھے گمان ہے کہ تم سحر زدہ ہو۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام پر تاثیر کو اپنے درباریوں پر اثر انداز ہوتے دیکھا تو درباریوں سے خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا، کہ مجھے تمہارے لئے اپنے سوا کسی معبود کا علم نہیں ہے، پھر بھی تمہارے شک کو رفع کرنے کے لئے یہ کرتا ہوں کہ ھامان سے پکی ہوئی مٹی کا ایک محل بنانے کو کہتا ہوں، کہ بلندی پر جا کر موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کی اطلاع پاؤں، مگر میرا گمان یہی ہے کہ وہ سچا نہیں ہے۔ فرعون کا اپنے گمان کا اظہار کرنا ہی اس کے معبود ہونے کے دعوے کی نفی کرتا ہے، مگر درباری یہ جرات نہیں رکھتے کہ بادشاہ سے اس کے معبود ہونے کے دعوے کی سند مانگیں۔

حاصل : معبود کی شان کے خلاف ہے کہ وہ علم مطلق نہ رکھتا ہو۔ پکی ہوئی مٹی کا محل ایک حد تک

ہی بلند ہو سکتا ہے اور یہ بلندی اس مقام سے بہت نیچے ہوگی جہاں سے شیطانوں کو مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے معبود کی خبر تو موسیٰ علیہ السلام دے رہے تھے، اور اس کے ساتھ اسناد بھی دکھا رہے تھے۔ فرعون کو ہدایت کی طلب ہوتی تو وہ ہدایت پالیتا۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿٣٩﴾

اور اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور وہ سمجھے کہ انہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہی نہیں۔

فرعون اور اس کے درباری جس بات پر ناخوش ہوئے وہ یہ تھی کہ حق اللہ کا فرمان ہے۔ اس کی اطاعت ہونی چاہئے۔ اور انسانوں کی پسند۔ اللہ کے فرمان کے تابع رہے تو معاشرہ بھلائی کے رخ پر ہوتا ہے۔ ورنہ تباہی کی طرف جارہا ہوتا ہے۔ فرعون اور اس کے درباریوں نے زمین میں ناحق کو نافذ کر رکھا تھا۔ حق کو سن کر وہ ناحق سے باز نہ آئے اور تکبر کا اظہار کرتے ہوئے تیزی دکھانے لگے۔ وہ یہ سمجھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہی نہیں۔

حاصل : تکبر سے ظلم و فساد میں اضافہ ہوتا ہے۔ جزا کا انکار حقائق کا انکار ہے اور یہ بڑی بے سمجھی ہے۔

فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾

تو ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو دریا میں پھینک دیا، تو نظر کیجئے ظالمین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

فرعون کا امر راستی کا تو تھا نہیں مگر فرعون کے درباریوں نے اسی کے امر کا اتباع کیا۔ اور وہ ظلم و فساد میں بڑھتے چلے گئے۔ جب انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ پانی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی پیروی کرنے والوں کو راستہ دے دیا ہے۔ یہ انہوں نے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا، سنا بھی نہیں تھا۔ مگر استکبار نے انہیں بنی اسرائیل دشمنی میں اندھا کر دیا تھا۔ وہ بنی اسرائیل کی سرکوبی کے ارادے سے دریا میں داخل ہوئے تو انہیں غرق کر دیا گیا، اور وہ لوگ عبرتناک انجام کو پہنچے۔ ظلم کرنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

حاصل : جس کا امر راستی کے خلاف ہو اس کی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔ عذابِ الٰہی کی گرفت سے بچ نکلنا ناقابلِ تصور مان لیا جائے تو اصلاحِ حال سے غفلت بھی نہیں ہونی چاہئے۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ

اور ہم نے انہیں امام ٹھہرایا کہ آگ کی

آلِ فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کو اسی زمین کے شرق و غرب کا وارث بنا دیا گیا جہاں وہ ضعیف بنا دیے گئے تھے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی گئی کہ احکامِ الٰہی سے لوگوں کی آنکھیں کھلیں، انہیں ہدایت و رحمت ملے اور وہ نصیحت سے فیض پائیں۔ نصیحت تبھی فائدہ دیتی ہے جب ناصح سے محبت ہو، ہدایت اور رحمت سے وہی لوگ نوازے جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

حاصل : منکرینِ حق کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ لوگوں کو آسانیاں عطا فرمایا کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت سے فیض یاب ہوں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور آپ غربی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو امر دیا اور نہ آپ شاہدین سے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کے غربی جانب کلام الٰہی سے نوازا گیا۔ آپ کو رسالت عطا فرمائی گئی، پھر آپ کو کتاب الٰہی عطا فرمائی گئی۔ یہ سب کچھ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں ہوا، مگر آپ اس کی تفصیل بڑے یقین کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، تو یہ سند ہے اس بات کی کہ اللہ نے آپ کو اس علم سے نوازا ہے جس کا تعلق ماضی بعید سے ہے۔ آپ ہیں بھی امی، بنی اسرائیل کی روایت سے ان باتوں کا تعلق بھی نہیں ہے۔

حاصل : فرمانِ حق جس کی صداقت پر شاہد ہو وہ قطعاً سچا ہے۔ ہمیں ایسے سچے کی تصدیق کرنی چاہئے، اور اس کی معیت اختیار کرنی چاہئے۔

وَلٰكِنَّآ أَنْشَأْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

لیکن ہم نے کئی قرن اٹھائے پھر ان پر عمر دراز ہوئی۔ اور آپ اہلِ مدین میں نہیں رہتے تھے کہ ان پر ہماری آیات تلاوت کرتے، لیکن ہم رسول بھیجتے رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سی نسلیں اٹھائی گئیں، ان پر ایک طویل زمانہ گزر گیا اور وہ ہدایت و رحمت جس سے انہیں نوازا گیا تھا بھلا دی گئی، تو وہ لوگ اپنے انجام کو پہنچے۔ اسی طرح اہلِ مدین میں آپ رہتے نہیں تھے کہ ان پر آپ نے ہماری آیات تلاوت کی ہوں، مگر حال یہ ہے آپ ان آیات کا ذکر کر رہے ہیں۔ ماضی بعید کے احوال کو اس صحت کے ساتھ بیان کرنا کہ گویا سب کچھ آپ کے سامنے ہوا، یہ روشن کرتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے بات کرتے ہیں۔ پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے ہی رسول بھیجے ہیں، اب بھی اسی علیم مطلق نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

حاصل : علمِ الٰہی سے بات کرنے والے کی شان بہت روشن ہوتی ہے۔ رسول کی بعثت ہمیشہ اللہ کے علم سے ہوئی ہے، اور رسول کو اللہ نے ہمیشہ حال کی ضروریات کے حوالے سے نوازا ہے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور آپ طور کی جانب نہ تھے جب ہم نے ندا دی۔ ولیکن یہ آپ کے ربّ کی رحمت ہے، تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جس کے پاس آپ سے قبل کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا، تاکہ وہ نصیحت مانیں۔

اس مقام کو بیان کرنا جو ماضی میں عطاءِ الٰہی کے اعتبار سے بڑی شان رکھتا ہے، رحمتِ الٰہی کی سند ہے۔ اور اس رحمت سے نوازنے کا منشاء یہ بھی ہے کہ امّی لوگوں کو جو بنی اسمٰعیل ہیں وہ کچھ سنا دیا جائے جو اس سے پہلے انہیں نہیں سنایا گیا۔ بنی اسمٰعیل سے خاتم النبیین کی بعثت امّی لوگوں کے لئے ان کے رب کی بڑی رحمت ہے، اور یہ رحمتِ عالمین کے لئے بھی ہے۔ نصیحت وہی مانتا ہے جس کو نصیحت کرنے والے سے اپنا تعلق معلوم ہو۔ جو لوگ نصیحت کی بے قدری کرنے لگیں، وہ بربادی کے راستے پر چل پڑتے ہیں اور اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔

حاصل : اللہ کا عطا کردہ علم، اللہ کی رحمت ہے۔ رحمۃ اللعالمین کا ہم سے وہ رشتہ ہے جو کسی دوسرے کا ہو ہی نہیں سکتا۔ ہمیں اس نصیحت کو ادب سے ماننا چاہئے، جس کے ساتھ خاتم النبیین کا نام آ جائے۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور اتنی بات کے لئے کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچتی اس کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا، پھر کہتے، اے ربّ ہمارے تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کا اتباع کرتے اور مومنین سے ہوتے۔

اتمامِ حجت اللہ کی شان ہے اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اس کا کوئی کام بے مقصد نہیں ہوتا۔ حکمِ الٰہی کو ماننا بندگی ہے اور احسن نمونہ کو دیکھ کر حکمِ الٰہی کو ماننا بہت آسان ہے۔ اس سے حال پر حسنِ عمل کی تصدیق ہو جاتی ہے، خلافِ حق کرنے کا

احتمال ختم ہو جاتا ہے۔ اپنے کیے کی بدولت گرفتارِ مصائب ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ اگر رسول کو نہ بھیجا جاتا تو یہی کہا جاتا کہ اے رب ہمارے تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والے ہوتے۔

حاصل : حکمِ الٰہی کو ماننا اسی طرح آسان ہوتا ہے کہ ماننے والے کی صورت میں احسن نمونہ سامنے ہو۔ مومن آیاتِ الٰہی کا اتباع کرتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

پھر جب ان کے پاس حق آیا ہماری طرف سے۔ کہنے لگے ان کو موسیٰ (علیہ السلام) کی مثل کیوں عطا نہ ہوا۔ کیا اس کا انکار نہیں کر چکے جو اس سے قبل موسیٰ (علیہ السلام) کو ملا تھا۔ کہنے لگے دونوں جادو ہیں ایک دوسرے کے موافق، اور کہنے لگے ہم دونوں کو نہیں مانتے۔

حق کو سن کر منکرینِ حق نے یہ کہا، کہ یہ حق اس طرح کیوں نہیں آیا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا۔ فرمایا گیا، اس کو بھی تو نہیں مانا گیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا تھا۔ اس پر منکرین یہ کہنے لگے کہ وہ بھی جادو تھا یہ بھی جادو ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور ہم دونوں کو نہیں مانتے۔

حاصل : منکرینِ حق کو اپنی خواہشات کی پیروی اتنی عزیز ہوتی ہے، کہ وہ حق کے انکار میں کوئی مشکل نہیں دیکھتے۔ ان کے اپنے استدلال کی نفی بھی ہو رہی ہو، تو بھی وہ حق کا انکار کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

فرما دیجئے، اب تم کوئی کتاب، اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو کہ میں اس کا اتباع کروں، اگر تم سچے ہو۔

جب منکرینِ حق نے تورات شریف اور قرآن شریف کا یکسر انکار کر دیا، تو یہ فرمایا گیا: کہ ان دونوں کو جادو کہہ کر تم بات کو ختم نہیں کر سکتے۔ نبی آدم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اس کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ جس حق کے حوالے سے

لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اس کا نازل فرمانا اللہ کی شان ہے۔ ان دونوں کتابوں کو نہ مان کر تم پر یہ حق عائد ہوتا ہے، کہ تم ان سے بہتر کتاب ہدایت اللہ کے پاس سے لے آؤ، کہ اس کی پیروی کی جائے۔ یہی تمہاری صداقت کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

حاصل : جو حال پر حق کا انکار کرتا ہو، اس سے حق کے بارے میں پوچھ لینا ضروری ہوتا ہے۔ حق کی پیروی سے ہدایت ہوتی ہے۔ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا ثابت نہیں ہوتا۔

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٠﴾

پھر اگر وہ آپ کا فرمان قبول نہ کریں تو معلوم رہے کہ وہ اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑا گمراہ کون ہے جو اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کا اتباع کرے، بے شک اللہ قوم ظالمین کو ہدایت نہیں دیتا۔

اگر منکرین حق تورات شریف اور قرآن شریف سے بہتر کتاب اللہ پیش نہیں کرتے، تو اس سے یہی روشن ہوتا ہے کہ وہ بات حق کی نہیں کرتے وہ تو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑی گمراہی یہی ہے کہ حق کے مقابل اپنی خواہشات کی پیروی کی جائے۔ خلاف حق کرنا ظلم ہے۔ ظالم طالب ہدایت نہیں ہوتے۔ ظالموں کو ہدایت نہیں ملتی۔

حاصل : حق کا انکار سند کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے بڑی گمراہی یہی ہے کہ حق کے مقابل اپنی خواہشات کی پیروی کی جائے۔ خلافِ حق کرنا ظلم ہے اور ظالم طالب ہدایت نہیں ہوتے، وہ ہدایت نہیں پایا کرتے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (21) میں فرمایا گیا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾

ہر ایک کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، اور ہم تمہیں شر اور خیر سے دیکھتے ہیں جانچنے کے لئے، اور تمہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾

اور بے شک ہم ان کے لئے مسلسل فرمان بھیجتے رہے ہیں تاکہ وہ نصیحت مانیں۔

قرآن پاک رب العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ یہ روشن کتاب ہے، صریحاً عربی زبان میں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی پہلی کتابوں میں اس کا ذکرِ خیر ہے۔ جس حال پر جو کچھ درکار تھا، علیمِ مطلق ہی اس کا سب سے بڑا جاننے والا تھا اور حکمِ الٰہی بھیجنے والا بھی وہی تھا۔ حکمِ الٰہی ہر حال پر موجود رہا ہے کہ لوگ اس نصیحت سے فیض پائیں۔ اللہ تعالیٰ حیات دیتا ہے، موت دیتا ہے۔ وہ موت کے بعد اٹھانے پر قادر ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ جسے فلاح عزیز ہو وہ ہدایت سے غافل نہیں ہو سکتا۔

حاصل : ہدایت کا تسلسل قائم رکھا گیا ہے۔ نصیحت کو ماننے کے لئے نصیحت کی موجودگی لازم ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

جن کو ہم نے اس سے قبل کتاب عطا فرمائی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔

اہلِ کتاب جانتے ہیں کہ انہیں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارات مل چکی ہیں۔ ہدایت کی طلب رکھنے والوں کے لئے آپ کو پہچاننا مشکل نہیں ہے۔ جو تورات کو مانتے تھے، انجیل کو مانتے تھے، وہ قرآن پاک پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ پہلے بھی وہ حق کو مانتے تھے اور مسلمان تھے، حال پر بھی وہ حق کو مانتے ہیں اور مسلمان ہیں۔ بے حقیقت لوگ وہ ہیں جو بغیر کسی سند کے حق کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے مقابل وہ لوگ بڑی اہمیت رکھتے ہیں جو ماضی میں بھی حق کو مانتے تھے، حال پر بھی حق کو مانتے ہیں۔

حاصل : لاخیرے اور ناقدرے لوگ بے حقیقت ہوتے ہیں۔ اہمیت انہیں دینی چاہئے جو نصیحت کو مانتے ہوں، اور باحقیقت ہوں۔

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب ان پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں کہتے ہیں، ہم اس پر ایمان لائے، بے شک یہی حق ہے ہمارے رب کے پاس سے، بے شک ہم اس کو پہلے ہی تسلیم کرتے ہیں۔

اہلِ کتاب سے باحقیقت لوگ جب قرآنِ پاک کو سنتے ہیں، تو کہتے ہیں، ہم اس پر ایمان لائے، بے شک یہ وہی ہے جس سے ہم کو آگاہ کیا گیا ہے، بے شک یہی وہ حق ہے جو ہمارے رب کے پاس سے آیا ہے، ہم اس کے انتظار میں تھے اور ہم اس کو بڑے ادب سے ماننے والے ہیں۔ طلب ہدایت ہو تو حق کی صداقت کی علامات کے سامنے آنے سے جو راحت ہوتی ہے اسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ بیان میں وہ کب آسکتی ہے۔

حاصل : طالبِ ہدایت ہو، تو حق کی صداقت کو ثابت کرنے والی نشانیوں سے بڑی راحت ملتی ہے اور اس حال پر حق کو تسلیم کرنے کا بر ملا اظہار کیا جاتا ہے۔

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٥٤﴾

انہیں ان کے صبر کی بدولت دوہرا اجر عطا ہو گا۔ اور وہ بھلائی سے بُرائی کو ٹالتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

جو لوگ کتبِ سابقہ پر ایمان رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہدایت کے مطابق رہتے ہوں، وہ قرآن پاک کو ماننے میں بڑی راحت پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے بھائی بندوں کی طرف سے بڑا دکھ دیا جاتا ہے۔ یہ پاک لوگ اس دکھ کو بإذن اللہ سمجھ کر صبر کرتے ہیں، اور برائی کے جواب میں بھلائی کرتے ہیں کہ یہی ان کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہیں۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے جو رزق ان پاک لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، وہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہوتا ہے۔ یہ رزق پاک ہوتا ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ جو رزق خلافِ حق کرتے ہوئے حاصل کیا جائے، وہ اللہ کا دیا ہوا نہیں ہوتا۔ وہ قطعاً پاک نہیں ہوتا۔

حاصل : ماضی کے حوالے سے حال پر حق کو ماننا بہت بڑی سعادت ہے۔ اس مقام پر پورا رہنے والوں کو دوہرے اجر سے نوازا جاتا ہے، کہ وہ صبر کرتے ہیں، برائی کو بھلائی سے ٹالتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾

اور جب لغو سنتے ہیں، اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں، ہمارے لئے ہمارے اعمال، تمہارے لئے تمہارے اعمال، تمہیں سلام، ہم جاہلین کو نہیں چاہتے۔

خلافِ حق باتیں کرنے والے لغو گو ہوتے ہیں، انہیں بے سند باتوں سے بہت خوشی ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب ایمان والوں سے باتیں کرنے کی طرف مائل ہوں، تو ان کا منشاء کبھی صحیح نتیجے پر پہنچنا نہیں ہوتا، محض لغو گوئی ہوتا ہے۔ ایمان والے بے ہودہ باتوں سے بچتے ہیں، اور جب جاہلوں کی طرف سے انہیں ترغیب دی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: آپ کو آپ کے اعمال کی جزا دی جائے گی، ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ آپ کو ہمارا سلام۔ ہم بے سند باتیں کرنے والوں کو نہیں چاہتے۔

حاصل : لغو سے اعراض کرنا، خلافِ حق باتیں کرنے والوں سے یہ کہنا کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال کی جزا ہوگی تمہارے لئے تمہارے اعمال کی جزا ہوگی، ہم بے سند باتیں کرنے والوں کو نہیں چاہتے، یہ ایمان والوں کا طریقِ زندگی ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

جسے آپ چاہیں، اسے ہدایت نہیں دے سکتے، ولیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے، اور وہی ہدایت پانے والوں کا سب سے بڑا علم رکھتا ہے۔

ہدایت اسے ملتی ہے جو ناصحین سے محبت رکھتا ہو۔ جسے ناصحین سے محبت ہو وہ اپنی پسند اور ناپسند کے دائرے سے نکل جاتا ہے، یکسو ہو جاتا ہے، اللہ سے راضی ہو جاتا ہے، اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ نصیحت کرنے والے پاک لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو بھی ان کے پاس آئے خیر لے کر جائے، مگر اللہ یہ دیکھتا ہے کہ کون اپنی پسند کو حق کے تابع رکھ کر کام کر رہا ہے اور کون حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دے رہا ہے۔ جو حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دیتا ہو اسے اللہ نورِ ہدایت سے نہیں نوازتا۔ اللہ ہی ہدایت کی طلب رکھنے والوں کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔ جو ہدایت کا طالب نہ ہو اس کا رخ درست نہیں ہوتا، اس کے عمل کی ظاہری صورت جو بھی ہو۔

حاصل : جو ناصحین سے محبت رکھتا ہو، اسے اللہ نورِ ہدایت سے نوازتا ہے۔ ناصحین کی شان یہی ہے کہ وہ لوگوں کی فلاح کے لئے حرص رکھیں۔ اعمال کی ظاہری صورت اور ان کے پیچھے نیتوں کا سب سے بڑا جاننے والا، اللہ ہی ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور کہتے ہیں، اگر آپ کی معیت میں ہدایت کا اتباع کریں تو لوگ ہمیں ہماری زمین سے اچک لے جائیں گے۔ کیا ہم نے امان والے حرم میں انہیں جگہ نہ دی جہاں ہر شے کے ثمرات لائے جاتے ہیں ہمارے پاس کے رزق سے۔ ولیکن وہ اکثر لاعلم ہیں۔

منکرینِ حق معاشی استحکام کو خواہشاتِ انسانی پر کھڑا دیکھتے ہیں، اس لئے یہ کہتے ہیں اگر اس نظام کو چھوڑ دیا گیا، تو موجودہ

شیرازہ بکھر جائے گا اور ہماری سیادت جاتی رہے گی۔ مکہ شریف والوں کو دیکھنا چاہئے وہ جہاں ہیں، اس حرمت والے مقام کو امن کا مقام کس نے بنایا ہے۔ یہاں کے رہنے والوں کو ثمرات سے رزق دیا جاتا ہے، یہ کس کے علم سے ہو رہا ہے۔ جو لوگ اپنی کسی حکمت عملی میں اس سکھ کا سبب تلاش کر رہے ہوں، وہ قطعاً لاعلم ہیں۔ موجودہ نظام اگر خلاف حق ہے اور چل رہا ہے تو اسے اتمام حجت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت جاننا چاہئے۔

حاصل: انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے علوم میں برکات ہو ہی نہیں سکتیں۔ مکہ شریف میں امن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے آیا۔ ثمرات سے رزق بھی آپ کی دعا سے آتا ہے اور آتا رہے گا۔ جو اس کو اپنی حکمت عملی کی بدولت سمجھیں وہ لاعلم ہیں۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥٨﴾

اور کتنے ہی قریئے ہم نے ہلاک کر دیئے جو اپنی معیشت پر اتراتے تھے، تو یہ ہیں ان کے مساکن کہ ان کے بعد ان میں سکونت نہ ہوئی مگر قلیل، اور وارث ہم ہی ہیں۔

جو لوگ معیشت کو اپنی کوشش کی بدولت جانتے ہیں، وہ اس کو حق کے مطابق استعمال نہیں کرتے۔ وہ اللہ کی عطا کو خلاف حق استعمال کرتے ہیں اور اس پر اتراتے بھی ہیں۔ ایسے لوگوں پر اتمام حجت کے بعد بربادی مسلط کر دی جاتی ہے اور وہ لوگ پیچھے آنے والوں کے لئے درس عبرت چھوڑ کر یہاں سے رخصت ہوتے ہیں۔ ایسے بہت سے قریئے اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں، کہ عذاب الٰہی سے تباہی کے بعد وہاں کسی نے سکونت اختیار نہیں کی۔ تباہی کو دیکھنے کے لئے کوئی وہاں رکا ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ مالک کل تو اللہ ہے، بندوں کو وقتی ملکیت ملی۔ اللہ ماضی میں بھی مالک تھا، اب بھی مالک ہے، مستقبل میں بھی مالک ہو گا۔ مالک حقیقی سے کسی کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

حاصل: اپنی معیشت پر اترانا بربادی کے راستے پر ہونے کا ثبوت ہے۔ اجتماعی سوچ کو درست رکھنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حق کے مطابق رہنے میں ہی بھلائی ہے۔ اللہ سے اس کا فضل مانگنا چاہئے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا

اور تمہارا رب قریوں کو ہلاک نہیں کرتا، جب تک ان کے مرکز میں رسول مبعوث نہ فرمائے جو ان پر ہماری آیات تلاوت فرمائے، اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں

وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ کرتے مگر جب ان کے اہل ظالم ہوں۔

بستیوں میں وہ بستی مرکزی حیثیت رکھتی ہے، جہاں علم نافذ کرنے والے رہتے ہوں، جہاں عدل کا نظام قائم ہو، جہاں سے انتظام والصرام و کنٹرول کیا جائے۔ صدر مقام کو داخلی اور خارجی معاملات کے حوالے سے محفوظ جگہ پر ہونا چاہئے۔ مرکزی بستی میں ڈر سنانے والا آجائے تو بات سب متعلق مقامات پر پہنچ جاتی ہے۔ حق پہنچانے والے کی شان یہی ہے کہ وہ آیات الٰہی کی تلاوت فرمائے، لوگوں کو خیر کا رخ دکھائے، خلاف حق کرنے سے منع کرے۔ سنت الٰہی بستیوں کی ہلاکت کے حوالے سے یہی چلی آرہی ہے، کہ جب ان کے اہل خلاف حق کرنے کو اپنا معمول بنالیں تو پھر انہیں برباد کر دیا جاتا ہے۔

حاصل : مرکزی بستی کے لوگوں کو اخلاق و کردار کے حوالے سے مثالی ہونا چاہئے۔ حق کا خلوت و جلوت میں ماننا، نور ہدایت کو پھیلانا ہے۔ خلاف حق کرنا جن لوگوں کا معمول ہو جائے ان کی ہلاکت کو دور نہیں جاننا چاہئے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور جو کچھ تمہیں عطا ہوا ہے، تو وہ حیاتِ دنیا کی متاع اور اس کی زینت ہے، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے، تو کیا عقل نہیں کرتے۔

متاعِ حیاتِ دنیا یہ دیکھنے کے لئے ہوتی ہے کہ کون اس کو حق کے مطابق استعمال کرتا ہے، کون اس کو حق کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ حیات دنیا کی زینت کو مقصود بنالیا جائے تو یہ انجام سے غفلت کا ثبوت ہو گا۔ جو متاع حیات کو رضاء الٰہی کے مطابق استعمال کرے گا، وہ عقل مند ہو گا، کہ یہاں خوف و حزن سے بچے گا، آخرت میں انعامات دائمی سے نوازا جائے گا۔ دعویٰ عاقل ہونے کا ہو تو کام خلاف عقل نہیں ہونا چاہئے۔

حاصل : متاعِ حیاتِ دنیا کو صالحین کی صورت سے استعمال کرنا چاہئے، یہی عقل مندی ہے۔ حیاتِ دنیا کی زینت فانی ہے، اس کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے تو انعامات دائمی ملتے ہیں۔ عقل مند لوگوں کی قدر کرنی چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ (2) میں فرمایا ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

شیطان تمہیں محتاجی کا اندیشہ دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تم سے مغفرت اور اپنے فضل کا وعدہ فرماتا ہے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰهُ وَعۡدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيۡهِ كَمَنۡ مَّتَّعۡنٰهُ مَتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ثُمَّ هُوَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ ﴿۶۱﴾

بھلا وہ شخص جسے ہم نے وعدہ دیا ہے، احسن وعدہ، تو اس کا پانے والا اس جیسا ہو جائے گا جسے ہم نے متاع دی، متاعِ حیاتِ دنیا، پھر قیامت کے دن وہ پکڑ کر حاضر کیے گئے لوگوں سے ہوا۔

ایمان والوں سے اللہ نے فلاح کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ خلافِ حق کرنے والے ظالموں سے اللہ نے جہنم کا وعدہ کر رکھا ہے۔ یہ دونوں کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ ان کا مقصد کبھی ایک نہیں ہوتا، اس لیے ان کا رخ کبھی ایک نہیں ہوتا۔ محرم اور مجرم کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ محرم کو حاکم کی طرف سے بلاوا آئے تو عزت کے ساتھ لے جایا جاتا ہے۔ مجرم کو پکڑ کر وہاں حاضر کیا جاتا ہے۔ کافر کو بھی متاع ضرور دی جاتی ہے۔ کہ یہ رب العالمین کی شان ہے۔ وہ متاعِ حیات دنیا کو خلافِ حق استعمال کرتا ہے۔ جزا کے منکر کو قیامت کے دن پکڑ کر مالک یومِ الدین کے پاس حاضر کیا جائے گا۔

حاصل : جن کا مقصود ایک نہ ہو ان کا رخ ایک نہیں ہوتا۔ محرم اور مجرم کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ ان سے یکساں سلوک کرنا خلافِ حق ہے۔

وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۶۲﴾

اور جس دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔

جو لوگ حال پر اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے جیسے ماننے کا حق ہے، وہ من مانی کرتے ہیں۔ جن کی خوشی، اللہ کی رضا کے مقابل ان کا مقصود ہوتی ہے، وہ عملاً انہیں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حیاتِ دنیا میں یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں،

قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دیتے اگر ہم ان پر صبر نہ کرتے۔ ایسے لوگ مجرم کی حیثیت سے جزا کے لیے، جزا دینے والے مالک کل کے سامنے پیش کیے جائیں گے تو اس دن ان سے پوچھا جائے گا، کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تمہیں زعم تھا اور جن کے زعم کی وجہ سے تم خلافِ حق کرتے رہے ہو۔

حاصل : ہمارے رخ کو حق کے مطابق سند کے ساتھ درست ہونا چاہیے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو دیکھنا چاہیے، جن کا انہیں زعم ہے وہ انہیں جہنم سے بچا نہیں سکیں گے۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾

جن پر قولِ حق ہو چکا ہے کہیں گے، اے رب ہمارے، یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے بھکایا، ہم نے انہیں بھکایا جیسے خود بھکے تھے، ہم تیرے سامنے ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، وہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے۔

منکرینِ حق جن کی پیروی میں اپنا سب کچھ لگا دیتے ہیں، وہ عذابِ الٰہی کا اپنے بارے میں فیصلہ سن لینے کے بعد یہ کہیں گے: یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بھکایا۔ ہم نے انہیں بھکایا جیسے خود بھکے تھے۔ مگر انہوں نے وہی کیا جو ان کو اچھا لگا۔ اب ہم ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ لوگ قطعاً ہماری پوجا نہیں کرتے تھے۔ ان کو حق کے مقابل ہماری خوشی عزیز نہ تھی۔ یہ تو وہی کرتے تھے جو ان کو اچھا لگتا تھا۔

حاصل: حکمِ خداوندی ہے کہ ان لوگوں کے پیچھے نہ چلو جو لاعلم ہیں۔ بے شک وہ تمہیں اللہ سے بچانے میں کام نہیں آئیں گے۔ جو خود بھکا ہوا ہو وہ کسی کو فلاح کی دعوت نہیں دے سکتا۔ جزا کے وقت حق کو مان لینا فائدہ نہیں دیتا اور غرض و غایت کے تعلقات بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور ان سے فرمایا جائے گا اپنے شریکوں کو پکارو، تو وہ پکاریں گے، تو وہ ان کی پکار کا جواب نہ دیں گے اور عذاب دیکھ لیں گے۔ کہیں وہ ہدایت پاتے۔

وہ خیالی معبود، وہ اصنام جن کی پوجا میں منکرینِ حق نے اللہ کی عطا کردہ توفیق کو ضائع کر دیا، ان کے بارے میں یہ فرمایا جائے گا، انہیں پکارو جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ تو وہ انہیں پکاریں گے۔ مگر ان کی پکار کا جواب کہیں سے نہیں آئے گا۔ تب یہ حقیقت ان پر کھل جائے گی، کہ یہ تو محض ان کا گمان تھا، جس کے پیچھے وہ لگے رہے ہیں۔ اب عذابِ الٰہی ان کے سامنے ہوگا اور حسرت ان پر چھا رہی ہوگی۔ ہدایت کی اہمیت تو روشن ہوگی مگر یہ لوگ تو پچھتاتے ہی رہیں گے۔

حاصل: ہر مقام پر اللہ کی رضا مقصود ہو تو بندگی اللہ کی ہوگی، ورنہ جو بھی ہوگا وہ خلافِ حق ہوگا۔ اپنے عقیدے کی صحت کو حال پر دیکھنا چاہئے، آخرت میں اس کا بے حقیقت ثابت ہو جانا دائمی افسوس میں مبتلا کر دے گا۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾

اور جس دن انہیں ندا کرے گا، تو فرمائے گا، تم نے مرسلین کو کیا جواب دیا۔

منکرینِ حق سے پوچھا جائے گا، جب مرسلین نے تمہیں حق سنایا تھا تو تم نے انہیں کیا جواب دیا تھا۔ مقصدِ حیات کا انکار کرنے والے جواب وہی کو مانتے ہی نہیں، اس لئے یہ سوال ان کے لئے سزا کا اعلان بن جائے گا۔ طلبِ ہدایت ہو تو حق کو سن کر اس کا ماننا لازم ہے۔ جو حق کو نہ مانے وہ حق کے انکار سے نہیں بچ سکتا۔

حاصل : مرسلین کبھی حق کو پہنچانے میں کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ منکرینِ حق سے پوچھا جائے گا، تم نے مرسلین کو کیا جواب دیا۔

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾

تو اس دن ان پر خبریں اندھی ہو جائیں گی، پھر وہ ایک دوسرے سے سوال نہ کریں گے۔

منکرینِ حق، مرسلین کا مذاق اڑاتے رہے ہوں گے، دربارِ الٰہی میں ان کی شان دیکھ کر منکرینِ حق مبہوت رہ جائیں گے۔ جن کی بات کو وہ بے معنی سمجھتے رہے۔ ان کی بات تو اللہ کی بات تھی، یہ واضح ہو جانے کے بعد ان کے پاس کہنے کو کیا رہ جائے گا۔ جو لوگ اللہ سے ملنے کا انکار کرتے ہیں وہ یقیناً خسارے میں پڑیں گے۔ خسارہ سامنے نظر آ رہا ہو، بچ جانا ممکن نہ ہو تو پھر کسی دشمن سے بات کرنے میں دکھ ہی بڑھ سکتا ہے۔ اس دن سوائے متقین کے گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔

حاصل : آیاتِ خداوندی کو جھٹلانے والے، افتریٰ باندھنے والے لوگ ہوتے ہیں، قیامت کے دن مرسلین کی شان دیکھ کر یہ حیرت زدہ ہو جائیں گے۔

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

تو جو تائب ہوا اور ایمان لایا اور صالح عمل کیے قریب ہے کہ وہ فلاح پانے والوں سے ہو۔

جو حال پر خلافِ حق کرنے سے توبہ کر لے، ایمان لائے اور ایمان کو صالح اعمال سے سچا ثابت کر دے، ایسے لوگوں کی برائیوں کو حسنات سے بدل دینا، اللہ کی سنت ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے فلاح کی بشارت دی گئی ہے۔ توبہ یہ ہوگی کہ کبھی من مانی نہ کرنے کا عہد کیا جائے، کیونکہ من مانی کرنے والا جزا کا منکر ہوتا ہے۔ ایمان لانا یہ ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے

والے سے محبت ہو جائے، اور صالح اعمال یہ ہوں گے کہ اصلاحِ حال پر اس کو گواہ بنایا جائے جس کا اتباع کیا جا رہا ہے۔ یکسوئی کے حصول کی یہی صورت ہے۔

حاصل : تائب ہونے کے بعد ایمان لانا ضروری ہے اور ایمان صالح اعمال سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ مومن کے لئے فلاح کی بشارت موجود ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور تمہارا ربّ خلق فرماتا ہے جو چاہے، اور پسند کرتا ہے جس کو چاہے۔ ان کے ہاتھ میں پسند کرنا نہیں۔ پاکی ہے اللہ کو، اور وہ بہت بلند ہے اس سے جو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ اس نے کسی شے کو بے مقصد نہیں بنایا۔ اس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ وہ جو چاہے خلق فرماتا ہے۔ اس میں یقیناً حکمت موجود ہوتی ہے۔ اپنی تخلیق سے کسی نوع کو اور کسی نوع کے کسی فرد کو اللہ کسی منصب کے لئے پسند کرے، تو علیم مطلق کا فیصلہ ہی سب سے اعلیٰ فیصلہ ہوتا ہے۔ جن کو منصب عطا فرمایا جائے، ان کو پسند کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ ملائکہ کو اللہ نے جو مقامات دیئے ہیں، ان میں فرشتوں کی پسند کو دخل نہیں ہے۔ فرشتے وہی کرتے ہیں جس کا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر دیا جاتا ہے۔ اللہ کی شان بہت بلند ہے۔ کوئی اس کی مثل نہیں ہے۔ کوئی کام جو اللہ کے علم سے ہوتا ہے، دوسرا کوئی اس کو کرنے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا۔

حاصل : مخلوق کا مقصدِ تخلیق، خالقِ کل کے علم میں ہے۔ خالقِ کل، مختارِ کل ہے۔ اس کا ہر فیصلہ علمِ مطلق سے ہوتا ہے۔ لوگوں کی اپنی تجویز و انتخاب سے جس کو اللہ کا شریک بنایا جائے گا وہ ہمیشہ بے سند ہو گا۔ مشرک، شرک سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتا، اپنے اوپر ہی ظلم کرتا ہے۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور تمہارے ربّ کو خوب علم ہے، جو وہ سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور جس کا وہ اعلان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ سینوں کی بات کا بھی علم رکھتا ہے اور جو ظاہر کیا جائے اس کا بھی علم رکھتا ہے۔ نیت بھی اس کے سامنے ہوتی ہے، قول بھی اس کے سامنے ہوتا ہے۔ جو ظاہر و باطن کے تضاد میں مبتلا ہو، وہ اپنے آپ

کو ہی دھوکا دے رہا ہوتا ہے کہ اسے جزا کا یقین نہیں ہوتا، اور اس کی جزا کے بارے میں بے یقینی اسے جزا سے بچا نہیں سکتی۔

حاصل : یہ یقین ہو کہ اللہ ہماری نیت کو بھی جانتا ہے، ہمارے قول کو بھی سنتا ہے، تو ہماری نیت کو بھی پاک ہونا چاہئے، قول کو بھی پاک ہونا چاہئے۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اول و آخر حمد اسی کی ہے، اور حکم اسی کا ہے، اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

آیات خداوندی اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کا ثبوت ہیں۔ خالق کل ہونا اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ سِر و علانیہ کا پورا علم رکھنا اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ توفیق دینے والا بھی وہی ہے جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ معبود ہونا صرف اسی کی شان ہے۔ وہ ہر ایک کو پالتا ہے، اور بڑے علم سے پالتا ہے۔ سب سے پہلا حکم بھی اسی کی ذات لاشریک سے تعلق رکھتا ہے، سب سے آخری حکم بھی اسی لاشریک کا ہوگا، اور احکم الحاکمین بھی وہی ہے۔ انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا دعویٰ ہے، اس دعوے کے ساتھ اللہ کی حمد کرتے رہنا ضروری ہے، حکمِ الٰہی کی اطاعت ضروری ہے، اپنے حکم کو حکمِ الٰہی کے تابع رکھنا ضروری ہے، لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا یقین رکھنا ضروری ہے۔ جس دعوے کے ساتھ شہادت موجود نہ ہو وہ دعویٰ کوئی معنی نہیں رکھتا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾

فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر یوم قیامت تک رات ہی رکھے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں ضیا عطا فرمائے، تو کیا تم سنتے نہیں۔

روز مرہ مشاہدے میں آنے والے حقائق کو دعوتِ فکر و نظر کی بنیاد بنایا جا رہا ہے۔ سائے کا پھیلنا روز مرہ مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ اگر اللہ اس کو ساکن کر دے تو حالات کا رُوہ نہیں رہیں گے، جو اس وقت ہیں۔ اگر اللہ رات کو ساکن کر دے تو دن کو

لانے کی قدرت کا دعویٰ کرنے والا کون ہو گا۔ رات کو بنانے والے نے اسے اپنے علم سے پروے کے لئے اور آرام کے لئے ٹھہرایا ہے۔ یہ اس کی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے رات کو مستقل نہیں ٹھہرا دیا، ورنہ آنکھیں ہوتے ہوئے بھی ہم وہ کچھ نہ دیکھ سکتے جو دن میں دیکھ سکتے ہیں۔ رات میں سننے کا عمل ہوتا ہے، اس لئے اس کے ساتھ سننے کا ذکر کیا گیا ہے۔

حاصل : رات کا لانا اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ رات کا لانے والا اسے مستقل ٹھہرا دے تو کوئی دن کی روشنی لانے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا۔ رات میں سننا آسان ہوتا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۷۲)

فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر یوم قیامت تک دن ہی رکھے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں تمہیں سکون ہو، تو کیا تم دیکھتے نہیں۔

دن کو اللہ تعالیٰ نے آنکھیں کھولنے والا بنایا ہے۔ اس سے معاش کا تعلق ہے۔ اللہ کے فضل کو تلاش کرنا دن میں ہی ممکن ہوتا ہے۔ دن کو اگر اللہ تعالیٰ مستقل ٹھہرا دیتا، تو لوگ کتنی دیر مشقت میں پڑ سکتے تھے۔ دن اللہ کے علم سے ہے تو رات بھی اللہ کے علم سے ہے۔ دن کے بعد رات کو لانا اللہ کی بڑی مہربانی ہے۔ اس مہربانی سے ہر روز فائدہ اٹھانے والے کو دیکھنا بھی چاہئے کہ جس نے یہ سب اہتمام کیا ہے، اس کی طرف واپسی بھی ہو گی، اور وہاں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کے حوالے سے پوچھ بھی ہو گی۔

حاصل : رات اور دن کا تسلسل قائم رکھنا اللہ کی بڑی مہربانی ہے۔ خلوت و جلوت لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں مقامات پر حق کے مطابق رہنے میں ہی فلاح ہے۔ دیکھنے کا تعلق دن سے ہے۔ جو کچھ دن میں دیکھا جا سکتا ہے وہ مصنوعی روشنی میں نہیں دیکھا جا سکتا۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۷۳)

اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے لیل و نہار ٹھہرائے کہ تم ان میں تسکین پاؤ اور اس کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو۔

لیل و نہار کا تسلسل اللہ کی رحمت ہے۔ رات کا مقام پہلے ہے، کہ وہ خلوت کا درجہ رکھتی ہے، سکون کے لئے ہے۔

پردے اور نیند کے لئے ہے۔ دن معاش کے لئے ہے، اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے ہے۔ نعمت کا شکر یہ اس نعمت کو حق کے مطابق استعمال کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ جو خلاف حق کرتے ہیں، وہ مشقت میں پڑتے ہیں۔ پاتے پھر بھی وہی ہیں جو ان کے حصے کا ہوتا ہے مگر لیتے ناپاک ہاتھ سے ہیں، اس طرح خرابی میں پڑ جاتے ہیں۔

حاصل : لیل و نہار، اللہ کی رحمت ہیں۔ رات کو آرام کرنا اور دن کو اللہ کا فضل تلاش کرنا طبعی زندگی ہے۔ دونوں مقامات پر پاک رہنا اللہ کا شکر ادا کرنا ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾

اور جس دن انہیں ندا فرمائے گا، تو ارشاد ہو گا، کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔

لیل و نہار میں خلافِ حق کرنے والے ناشکرے لوگوں سے جو اپنے ظن کا اتباع کرتے ہیں، بغیر کسی سند کے حدود کا تعین کرتے ہیں، اپنی بنائی اصطلاحات میں لوگوں کو الجھاتے ہیں، پوچھا جائے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تمہیں زعم تھا اور جن کے زعم کی وجہ سے تم من مانی کرتے رہے، تم نے مرسلین کی تکذیب کی اور میری آیات کو جھٹلایا۔ ان کے پاس اس وقت کہنے کو کچھ نہیں ہو گا۔ جن کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے رہے وہ تو محض خیالی صورتیں تھیں، اور انہیں جزا کا یقین نہ تھا۔

حاصل : جزا کا یقین راہ راست پر رہنے کے لئے ضروری ہے۔ اپنے عقیدے کے درست ہونے کی سند کو دیکھنا چاہئے۔ حلال و حرام کا تعین کرنا اللہ کی شان ہے۔ راہ راست پاک لوگوں کا نقشِ قدم ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتا۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٧٥﴾ ع

اور ہم ہر امت سے گواہی دینے والے کو نکالیں گے، اور لوگوں سے فرمائیں گے اپنا برہان لاؤ، تو انہیں علم ہو جائے گا کہ حق اللہ ہی کا ہے، اور گم ہو جائیں گے ان سے جو افترا وہ باندھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر امت کو حق پہنچانے کا جو اہتمام کیا گیا ہے، اس سے احسن کچھ نہیں ہو سکتا، کہ وہ سب سے بڑے علم والے کی طرف سے کیا گیا ہے۔ حق پہنچانے والے اللہ کے حضور گواہی دیں گے کہ انہوں نے قولاً حق کو لوگوں تک پہنچایا اور عملاً وہ کر کے دکھایا جو انہیں کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب منکرین سے پوچھا جائے گا، حق کا انکار کرنے کا جو جواز

تمہارے پاس تھا اس کی سند لاؤ۔ منکرین کے پاس حق کا انکار کرنے کے لئے کوئی سند تو موجود نہیں ہوتی، وہ تو محض اپنے ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ قیامت کے دن انہیں علم ہو جائے گا کہ حق اللہ ہی کا ہے۔ اسی کی طرف سے نازل فرمایا گیا تھا۔ اس دن حق کے انکار میں گھڑی ہوئی باتیں بے حقیقت ہونے کی وجہ سے گم ہو جائیں گی اور منکرین کچھ بھی نہ بول سکیں گے۔ پھر فرمایا جائے گا، کیا تم نے میری آیات کی تکذیب کی اور تمہارا علم ان پر محیط نہ تھا، وہ کیا عمل تھے جن کی بنا پر تمہیں علم ہوا کہ جو راستہ تم نے اختیار کر رکھا ہے وہی درست ہے۔ پھر وہ کچھ نہ بولیں گے۔

حاصل : حق کے پہنچانے کا اہتمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ اور ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ دعویٰ وہی سچا ہوتا ہے جس کے ساتھ ثبوت موجود ہو۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ حق فرمانِ خداوندی ہے اور صالح عمل کرنے کے لئے وقت موجود نہ ہو، تو اس سے ناقابل بیان دکھ ہوتا ہے۔ اس دکھ میں وہ سب باتیں جو افترے کے طور پر گھڑی گئی تھیں گم ہو جاتی ہیں۔

شہادت : سورۃ النمل (27) میں فرمایا گیا ہے
مَن جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُۥ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُم مِّن فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ ءَامِنُونَ ﴿٨٩﴾ وَمَن جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِى النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾ جو نیکی لائے ان کے لئے اس سے بہتر ہے اور انہیں اس دن گھبراہٹ سے امان ہوگی، اور جو برائی لائے ان کے منہ آگ میں اوندھائے گئے۔ تمہیں کیا جزا ملے گی مگر جو عمل تم کرتے تھے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَآ إِنَّ مَفَاتِحَهُۥ لَتَنُوٓأُ بِالْعُصْبَةِ أُو۟لِى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُۥ قَوْمُهُۥ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾

بے شک قارون قوم موسیٰ سے تھا، تو اس نے ان سے بغاوت کی، اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت بمشکل اٹھاتی تھی، جب اس کی قوم نے اسے کہا اترا مت، بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔ مال کی کثرت کو دیکھ کر اس نے اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے حق سے بغاوت کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے وسعتِ مال کی بنا پر سیادت کو اپنا استحقاق جانا اور اپنی پسند کو حق کے مقابل بیان کرنے لگا۔ مال اس کے پاس اتنا تھا کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں اٹھانے کے لئے بھی ایک طاقتور جماعت کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ مال لوگوں کی بھلائی پر خرچ نہیں کیا جاتا تھا۔ قارون اس مال کی بدولت اتراتا رہتا تھا۔ قوم کے دانا لوگوں نے اسے بتایا: مال اللہ نے دیا ہے۔ جس نے دیا ہے وہ لینے پر بھی قادر ہے۔ تم اس مال پر اترانا چھوڑ دو۔ اترانے والے اللہ کو نہیں بھاتے۔

حاصل : وسعتِ مال کو کبھی قیادت و سیادت کی اہلیت کا معیار نہیں بننے دینا چاہئے، ورنہ خرابی کو روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مال کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔ اترانا، پاکیزگی کے منافی ہے۔ اترانے والے اللہ کو پسند نہیں ہوتے۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾

اور جو تجھے اللہ نے عطا فرمایا ہے، اس سے دارِ آخرت طلب کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول، اور احسان کر جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے، اور زمین میں فساد نہ چاہ، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بھلے لوگوں نے قارون کو وسعتِ مال پر اترانے سے منع کرتے ہوئے یہ کہا کہ جو کچھ اللہ نے تجھے عطا فرمایا ہے وہ ہے تو فانی۔ اگر اس کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرو گے تو دارِ آخرت میں تمہارا بھلا ہو گا، اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر یہ مال خلافِ حق استعمال ہو گا۔ مال کا خلافِ حق استعمال باعث عذاب ہی ہو سکتا ہے۔ دنیا میں جو کچھ بھی تم استعمال کرو گے وہی تمہارا حصہ ہے۔ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے یہ سب تمہارے استعمال میں آ نہیں سکتا۔ استعمال تو کرو گے ایک چھوٹا سا جزو اور حساب دینا پڑے گا کُل کا۔ اللہ نے تم کو آسانی عطا فرمائی ہے، تم بھی لوگوں کو آسانی دو، سکھ دو۔ مال کو حق کے مطابق خرچ کرو گے تو لوگوں کو سکھ ملے گا۔ مال کو خلافِ حق استعمال کرنے سے زمین میں فساد ہوتا ہے، اور فساد کرنے والے اللہ کو نہیں بھاتے۔

حاصل : بھلے لوگوں کو اظہارِ حق کرتے ہوئے اترانے والوں سے یہ کہنا چاہئے: کہ جو تمہیں اللہ نے عطا فرمایا ہے، اس سے دارِ آخرت کو طلب کرو۔ دنیا سے اپنا حصہ نہ بھولو۔ احسان کرو جیسے اللہ نے تم پر احسان کیا ہے۔ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اللہ زمین میں فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ

کہنے لگا یہ تو مجھے میرے ذاتی علم کی بدولت ملا ہے۔ کیا اسے یہ علم نہیں کہ اللہ نے اس سے قبل کتنے ہی قرون کو ہلاک کر دیا، جو قوت میں اس سے اشد اور جمع میں اس

قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

سے کثیر تھے۔ اور مجرموں کے گناہ ان سے نہ پوچھے جائیں گے۔

قارون نے بھلے لوگوں کی بات کا جواب دیتے ہوئے یہ کہا: آپ کہہ رہے ہیں جو کچھ میرے پاس ہے، یہ اللہ نے دیا ہے، اس لئے اسے لوگوں کی بھلائی پر خرچ ہونا چاہئے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ میرے پاس ہے یہ میرے ذاتی علم کی بدولت ہے۔ جو کچھ میرے ذاتی علم کی بدولت مجھے ملا ہے اسے میرے علم کے مطابق ہی خرچ بھی ہونا چاہئے۔ قارون نے یہ دیکھا بھی تھا، سنا بھی تھا کہ خلاف حق کرنے والے ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ اسے یہ علم تھا کہ اس سے زیادہ اسباب و وسائل کے مالک اور اس سے بڑی جمیعت والے ماضی میں خلاف حق کرنے کی بدولت ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ اللہ کو ہر شے کا علم ہوتا ہے، اسے مجرموں کے گناہوں کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کا عذاب جب کسی جگہ آتا ہے، تو اس کے سامنے انسانی تدبیریں سب دھری رہ جاتی ہیں۔

حاصل : مفسد کی یہ نشانی ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے، کہ وہ اللہ کی عطا کو اپنے ذاتی علم کی بدولت جانتا ہے، اس لئے اپنی پسند پر ہی خرچ کرتا ہے۔ ماضی میں یہی رویہ باعثِ ہلاکت رہا ہے، حال پر بھی یہی رویہ باعث ہلاکت ہے۔ مال کا خلافِ حق استعمال ناقابلِ معافی جُرم ہے۔ عذابِ الٰہی کے سامنے انسانی تدبیریں کچھ کام نہیں آتیں۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾

تو قوم کو اپنی زینت دکھانے کو نکلا۔ حیاتِ دنیا کے چاہنے والوں نے کہا، اے کاش ہمیں بھی اس کی مثل ملتا جیسے قارون کو ملا ہے، بے شک وہ بڑی قسمت والا ہے۔

حیاتِ دنیا کی زینت میں کشش بہت ہوتی ہے، اور جو لوگ اللہ کی عطا کو اپنے علم کی بدولت جانتے ہیں، وہ لوگوں کو اس وسعتِ مال سے مرعوب کرنے کی ہر صورت کو ضروری جانتے ہیں جو انہیں حاصل ہوتی ہے۔ زینتِ حیاتِ دنیا سے مرعوب ہونے والے یہی کہا کرتے ہیں کہ اے کاش ہمیں بھی اس کی مثل ملے، اور یہ مال والے صاحب بڑے ہی خوش قسمت ہیں۔

حاصل : زینتِ حیاتِ دنیا سے لوگوں کو مرعوب کرنا اترانے والوں کی صفت ہے، اس صفت سے بچنا حق ہے۔ اترانے والوں کے بارے میں اپنے مشاہدے کو حقیقی بنانا چاہئے۔ جو وہ دکھا رہے ہوتے ہیں، اس کے مقابلے میں وہ بات اہم ہوتی ہے، جس کے لئے وہ دکھاوا کر رہے ہوتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور وہ لوگ جنہیں علم عطا ہوا تھا کہنے لگے، خرابی ہو تمہاری، اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لائے اور صالح عمل کرے، اور یہ انہی کو ملتا ہے جو صابر ہوں۔

علمِ حقیقی صالح اعمال کے بعد عطا ہوتا ہے۔ علمِ حقیقی رکھنے والوں نے کم نظر لوگوں سے یہ کہا کہ جس مال سے، جس زینت سے تم مرعوب ہو رہے ہو، اس میں بھلائی کچھ نہیں ہے۔ قارون کو راحت تو حاصل نہیں ہے۔ وہ ہدایت سے دور ہے۔ خوف و حزن میں مبتلا ہے۔ دولت کا دکھاوا کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ راحت تو اسے ہی حاصل ہوتی ہے، جو ایمان لائے اور مال کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال میں لائے۔ یہ اللہ کا عطا کردہ ثواب ہے، اور ملتا انہی لوگوں کو ہے جو صابر ہوں۔ صابر اللہ کی عطا کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی احسن ادائیگی کے لئے پوری ہے۔ اور عطاءِ الٰہی کو حکمِ الٰہی کے مطابق استعمال کیا جائے تو عطاءِ الٰہی کا دروازہ کھلا رہتا ہے، ناشکری کی جائے تو وہ دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ صبر کرنے والے حُسنِ عمل کو پیشِ نظر رکھتے ہیں اور اس کے لئے وہی کچھ درکار ہوتا ہے جو حال پر اللہ نے عطا کر رکھا ہو۔

حاصل : علمِ حقیقی صالح اعمال کے بعد عطا ہوتا ہے۔ علم والے لوگوں کا حق ہے کہ وہ صحیح رخ کی اہمیت کو واضح کریں، اللہ کے ثواب کو زینتِ حیاتِ دنیا سے بہتر ثابت کریں، صابر ہونے کا علم عطا کریں اور صابر لوگوں کی قدر و منزلت کو اپنا طریقِ زندگی بنائیں۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾

تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، تو اس کے پاس کوئی جماعت نہ ہوئی کہ اللہ کے سامنے اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی کچھ کر سکا۔

قارون جو اللہ کی عطا کو اپنے علم کی بدولت جانتا تھا اور لوگوں کے ساتھ احسان نہ کرتا تھا، عذابِ الٰہی میں پکڑ لیا گیا۔ وہ بمعہ اپنے خزانوں کے اور بمعہ اپنے ساتھیوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ تب کوئی جماعت اللہ کے سامنے اس کی مدد کرنے والی نہ ہوئی، نہ وہ خود ہی اپنی کچھ مدد کر سکا۔ خلافِ حق کرنے والے عبرتناک انجام کو ہی پہنچتے ہیں۔

حاصل : عذابِ الٰہی کے سامنے نہ کوئی قوت کام آتی ہے نہ کوئی جمیعت فائدہ دیتی ہے۔ خلافِ حق کرنے والے ہمیشہ عبرتناک انجام کو پہنچتے ہیں۔

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور صبح کو وہ لوگ جو کل شام کو اس کے درجے کی تمنا کرتے تھے، کہنے لگے: ارے بلاشبہ یہ تو وہی بات ہے کہ اللہ اپنے بندوں سے جس کے رزق میں چاہے بسط فرما دیتا ہے اور جس کے رزق کو چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر ہم پر اللہ کا احسان نہ ہوتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ ارے یہ تو وہی بات ہے کہ کافر فلاح نہیں پاتے۔

جو لوگ شام کو قارون کے درجے کی تمنا کرتے تھے، وہ اسے گرفتارِ عذاب دیکھنے والے بھی ہوئے۔ اترانے والے کا انجام ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ انہیں یہ بھی احساس تھا کہ وہ بھی اللہ کے فضل و مہربانی سے ہی قارون کے ساتھ سے اور اس کے انجام سے بچ گئے ہیں۔ قارون کا ساتھ ہوتا تو انجام بھی وہی ہوتا جو اس کے ساتھیوں کا ہوا۔ ان پر یہ بھی روشن ہو گیا کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کا کام ہے، اور یہ بڑے علم کا کام ہے۔ اللہ جو کرتا ہے، اس میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ حال کو مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ مال کو حق کے مطابق استعمال میں نہ لایا جائے تو یہ بڑے دکھ کا باعث بنتا ہے۔ اور خلاف حق کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے۔

حاصل: اللہ کی عطا کو اپنے لئے پورا جاننا اور اسے حق کے مطابق خرچ کرنا فلاح پانے والوں کی طریقت ہے۔ کشادگی ہو یا تنگی ہو اللہ کی مشیت سے ہی ہوتی ہے۔ اللہ سے اس کا فضل مانگنا چاہئے۔ بُرے کے ساتھ سے بچنا ضروری ہے۔ خلافِ حق کرنے والے کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف (18) میں فرمایا ہے۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾

یہ روشن ہوا کہ اختیار سچے اللہ کا ہی ہے۔ اس کا ثواب سب سے بہتر اور اسے ماننے کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ

وہ دارِ آخرت ہم انہی لوگوں کے لئے

لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۸۳﴾

ٹھرائیں گے جو زمین میں بُرائی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور عاقبت تو متّقین کے لئے ہی ہے۔

آخرت میں بھلائی انہی لوگوں کو نصیب ہوگی، جو زمین میں اپنی بڑائی کے ڈنکے نہیں بجاتے اور اللہ کے دیۓ ہوۓ مال کو خلافِ حق خرچ کر کے فساد نہیں پھیلاتے۔ جسے اللہ ذلیل کرے اسے عزت دینا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ بڑائی اور فساد کے چاہنے والے ہمیشہ اس انجام کو پہنچتے ہیں، جو انہیں عزیز نہیں ہوتا۔ مگر ہوتا انہی کا کمایا ہوا ہے۔ جو لوگ جزا کا یقین رکھتے ہوۓ تقویٰ کے ساتھ حیاتِ دنیا کو گزارتے ہیں ان کا انجام بہت اچھا ہوگا، کہ وہ خدائی مہمان ہوں گے۔

حاصل : زمین میں بڑائی اور فساد چاہنے والے راہ ہدایت سے بہت دور ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو کبھی تقویت نہیں دینی چاہئے۔ متّقین حال پر خوف و حزن سے بچتے ہیں، آخرت میں وہ خدائی مہمان ہوں گے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾

جو بھلائی لے کر آیا اس کے لئے اس سے بہتر صلہ ہے، اور جو بُرائی لے کر آیا تو بُرے عمل کرنے والوں کو کیا جزا ملے گی مگر وہی جو عمل وہ کرتے تھے۔

جو حال پر ایمان لائے اور صالح اعمال سے اپنے ایمان کو سچا ثابت کرے، اس کا رخ درست ہوتا ہے۔ وہ اسوۂ حسنہ کے معیار کے حوالے سے حُسنِ عمل کو دیکھتا چلا جاتا ہے۔ اس کے لئے جزا اس کے عمل کے حوالے سے بہتر ہوگی، کہ اللہ کے فضل کی یہی شان ہے۔ جو لوگ خلافِ حق کرتے ہوئے اپنی بڑائی چاہتے ہوئے اور فساد پھیلاتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوں گے، وہ یہاں سے برائی کما کر جائیں گے۔ ان کو جزا ان کے اعمال کے مطابق ہی دی جائے گی۔ جزا سے لاپرواہی برتنے والے اپنے اعمال کی جزا سے بچ نہیں سکیں گے۔

حاصل : اسوۂ حسنہ کے معیار کے حوالے سے حسن عمل کو دیکھتے رہنا چاہئے۔ جس کی بھلائی کا ثبوت مل جائے اس کو اس کے صلے سے زیادہ دینا اللہ کی سنت ہے۔ بُرائی کرنے والے کو بُرائی کے حوالے سے سزا دینی چاہئے۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ

بے شک جس نے تم پر قرآن فرض کیا ہے وہ تمہیں شان دار انجام تک پہنچائے گا۔

إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّىٓ أَعْلَمُ مَن جَآءَ بِٱلْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾

فرما دیجئے میرے رب کو خوب علم ہے جو ہدایت لایا اور وہ جو کھلی گمراہی میں ہے۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے. تمام لوگوں کے لئے ہے، قیامت تک کے لئے ہے۔ یہ اسی کا حکم ہے جس کی طرف سے ہم آئے ہیں، اور جس کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ حکمِ خداوندی سے بہتر کوئی حکم نہیں ہو سکتا۔ اللہ سے بڑی قدرت والا کوئی نہیں۔ اس لئے یقیناً حکمِ خداوندی کو ماننے سے ہی دنیا و آخرت میں شان دار انجام نصیب ہو سکتا ہے۔ جو لوگ راہِ ہدایت کو روشن کرتے ہیں، منکرینِ حق ہمیشہ ان پر اعتراض کرتے رہے ہیں۔ ان کے جواب میں یہی کہنا چاہئے: ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال کی جزا ہوگی۔ جزا دینے والا خوب جانتا ہے، کہ کون راہِ ہدایت پر ہے اور کون گمراہی میں ہے۔

حاصل: قرآنِ پاک کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ قرآن پاک کو ماننے والوں کا انجام ہی دنیا و آخرت میں شان دار ہوتا ہے۔ منکرینِ حق سے ان کے اعتراضات کے جواب میں یہی کہنا چاہئے کہ جزا دینے والے کو خوب علم ہے کون ہدایت پر ہے اور کون کھلی گمراہی میں ہے۔

وَمَا كُنتَ تَرْجُوٓا۟ أَن يُلْقَىٰٓ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَٰفِرِينَ ﴿٨٦﴾

اور تم توقع نہیں رکھتے تھے کہ کتاب تمہاری طرف اتاری جائے گی، مگر تمہارے رب نے رحمت فرمائی، تو ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا۔

قرآن پاک عربی زبان میں ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں تاکہ لوگ متقی ہو جائیں۔ پھر اس کے متعلق ارشاد ہے، یہ یقیناً ہدایت و رحمت ہے مومنین کے لئے۔ کتاب اللہ کا نزول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا۔ لوگوں کی خواہشات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ یقیناً رب العالمین کی رحمت ہے، کہ اس کی طرف سے اس کی رضا کو روشن فرما دیا گیا ہے۔ اب اس علمِ رحمت کو اس طرح استعمال کرنا منع فرما دیا گیا ہے، جس سے کافروں کو تقویت ملتی ہو۔ صیغہ ضرور واحد حاضر کا ہے، مگر ذات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ معیارِ مطلق ہے جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ جس کے اتباع سے اللہ کے محبوب ہونے کا شرف ملتا ہے اور گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے رحمتِ الٰہی سے فیض یاب ہونے والا فرد ہی یہاں مخاطب ہے۔

حاصل: کتاب اللہ ہدایت و رحمت ہے اور لوگوں کی توقعات سے بہت بلند ہے۔ جو عطا بندے کی توقع سے تعلق رکھتی ہو اس میں مشقت ضرور ہوتی ہے۔ جو عطا بغیر طلب کے ہو اس میں اللہ کا فضل ہر مقام پر شاملِ حال ہوتا ہے۔ قرآنِ پاک کا علم رحمت ہے۔ اس کو کبھی خلافِ حق کرنے والوں کی تقویت کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے، ورنہ پاک اور ناپاک میں وقف لازم کو ملحوظ رکھنے کے

حکم کی عملاً نفی ہو جائے گی۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور ہرگز وہ تم کو اللہ کی آیات سے نہ روکیں بعد اس کے کہ وہ تمہاری طرف آچکیں اور اپنے رب کی طرف بلاؤ، اور مشرکین سے مت ہونا۔

لغت اور گرامر علم الٰہی کے لئے پیمانہ نہیں ہے۔ ناصحین سے محبت ہو تو ایمان نصیب ہوتا ہے۔ نورِ ایمان سے مقامات منور ہوتے ہیں، اور یہ پتہ چلتا ہے کہ کونسی بات صاحبِ لولاک کی شان کے لائق ہے۔ اور کونسی ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اللہ نے اپنے رسول کو شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ شاہد کے ذمے راہِ خیر پر رہنے والوں کو نیک انجام کی بشارت دینا ہے، اور خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرانا ہے۔ جو معلم ہو کتاب و حکمت کا، جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہو، جس کی تعظیم و تکریم فرض ہو، جس کے اسوۂ حسنہ کو معیارِ مطلق بنا دیا گیا ہو، اسے اللہ کی آیات سے روکنا ناقابلِ فہم ہے۔ اس کا مشرکین سے ہونا ناممکن ہے۔ یہ مومن فرد سے خطاب ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ حق کی احسن ادائیگی میں لگا رہے، حق کے مقابل کسی بات کو اہمیت نہ دے، اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلاتا رہے، اور اس کے سامنے حوالہ صرف ایک ہو۔

حاصل: اللہ کے فرمان کے مقابل کسی بات کو اہمیت دینا خلافِ حق ہے۔ حق پر رہتے ہوئے لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلانا چاہئے۔ مشرکین کی صفات سے بچنا چاہئے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر شے ختم ہونے والی ہے مگر اس کا رخ۔ حکم اسی کا ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

اللہ کی رضا کے علاوہ جب بھی کچھ مقصود ہو گا، تو یہ شرک ہو گا۔ معبود تو اللہ ہی ہے، جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، توفیق دی ہے، متاع دی ہے۔ حق کو نازل فرمایا ہے، حق کو بیان کرنے والے اور عملاً کر کے دکھانے والے کو بھیجا ہے اور جو ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دے گا۔ پاکی کے رخ کو دوام ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ حکم ہے ہی اس کا جو خالقِ کل ہے۔ ہر حاکم کو دیکھنا چاہئے کہ اسے احکم الحاکمین کے حضور پیش ہونا ہے، اس لئے حکم کو حق کے حوالے سے ہونا چاہئے۔

حاصل : ہمارے قول کو بھی شرک سے پاک ہونا چاہیے، ہمارے عمل کو بھی شرک سے پاک ہونا چاہیے۔ ہمارے رخ کو ہر مقام پر درست ہونا چاہیے۔ اللہ کے حکم کو ادب سے ماننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین ہمارے عمل سے نظر آنا چاہیے۔

شہادت : سورۃ ھود (11) میں فرمایا گیا ہے۔

أُوْلَٰٓئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ ٱلْأَشْهَٰدُ هَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ كَذَبُواْ عَلَىٰ رَبِّهِمْۚ أَلَا لَعْنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلظَّٰلِمِينَ ۝

وہ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے، اور گواہی دینے والے کہیں گے کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔ سن لو ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے۔

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ

آیاتھا ٦٩ — رکوعاتھا ٧

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① — حروف مقطعات

حروف مقطعات معنوں کے اعتبار سے خلوت کا درجہ رکھتے ہیں، خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا روشن ثبوت ہیں، ان پر زبان نہ کھولنا اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے۔

حاصل : اظہارِ حق میں بولنا ایک مقام ہے تو خاموشی بھی ایک مقام ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ②

کیا لوگ یہ حساب لگاتے ہیں، کہ محض اس بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انہیں جانچا نہیں جائے گا۔

ایمان لانا دعویٰ ہے۔ صالح اعمال کی شہادت سے ہی یہ دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ صالح اعمال اگر رضاء الٰہی کے لئے ہوں تو یہ حسن نیت اور حسن عمل کا پتہ دیتے ہیں، اگر سماجی دباؤ کی وجہ سے ظاہری اعمال کو ٹھیک رکھنے کی کوشش کی جارہی ہو تو پھر خلوت پاک نہیں ہوتی۔ صرف اس دعوے کی بنا پر کہ کوئی ایمان لے آیا ہے اس کو صادق نہیں مان لیا جاتا۔ جہاں دعویٰ ہو، وہیں اس کا ثبوت پیش کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے۔ جس قدر دعویٰ بڑا ہو، اسی قدر بڑا ثبوت، صداقت کی سند مانا جائے گا۔ دعوے کی تکرار کبھی صداقت کا ثبوت نہیں ہوتی۔ ہونے کے مقام پر شکر کرنا اور نہ ہونے کے مقام پر صبر کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ مقامِ شکر پر بھی بندے کو دیکھا جاتا ہے، مقامِ صبر پر بھی بندے کو دیکھا جاتا ہے۔

حاصل : دعویٰ کرنا کبھی کافی نہیں ہوتا۔ دعوے کے مطابق صداقت کا ثبوت پیش کرنا بھی دعویٰ کرنے والے پر حق ہوتا ہے۔ ایمان کا دعویٰ ہو تو صبر و شکر سے ہی اپنی صداقت کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔ صداقت حسنِ نیت اور حسنِ عمل سے ثابت ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ

اور ہم نے ان لوگوں کو بھی جانچا جو ان سے قبل تھے۔ تو اللہ یقیناً صدق والوں کو

لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③

ممیز کرے گا اور یقیناً کاذبین کو ممیز کرے گا۔

پہلے جن لوگوں نے ایمان کا دعویٰ کیا، انہیں بھی اعمال کے مقام پر ان کے دعوے کے حوالے سے دیکھا گیا۔ صداقت و کذب کو دیکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی معیار رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ خالق کل بھی وہی ہے۔ توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے۔ حق بھی اسی کا نازل کردہ ہے۔ رخ کو اختیار کرنے کی توفیق بندے کو دی گئی ہے۔ اس کو کیسے استعمال کیا گیا ہے، یہ حال پر دیکھا جاتا ہے۔ اسی سے صدق والے ممیز ہو جاتے ہیں، اسی سے کذب والے ممیز ہو جاتے ہیں۔

حاصل : دعوے کے بعد عملاً ضرور دیکھا جاتا ہے۔ صداقت و کذب کا فیصلہ حال پر ہوتا ہے۔ جو اختیار اللہ نے ہم کو دیا ہے، اس کے استعمال سے ہی ہماری صداقت یا ہمارے کذب کا درجہ متعین ہوتا ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④

کیا بُرے عمل کرنے والے یہ سمجھتے ہیں، کہ ہم سے بچ جائیں گے۔ کتنا غلط فیصلہ کرتے ہیں۔

جو لوگ خلافِ حق کرتے ہیں اور کرتے چلے جاتے ہیں، انہیں یہ گمان ہوتا ہے، کہ ان پر گرفت کا مقام نہیں آئے گا۔ یا اگر وہ مقام ان پر آبھی گیا تو وہ کسی طرح سے بچ جائیں گے۔ یہ بہت ہی غلط فیصلہ ہے جس کی بنا پر وہ خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے باہر ہونا ممکن ہی نہیں۔ مہلت دینا اور اتمام حجت کرنا اللہ کی سنت ہے۔ ماضی میں بڑی بڑی استطاعت والے خلافِ حق کرنے کی وجہ سے عذابِ الٰہی کی گرفت میں آچکے ہیں، اس لئے حال پر کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ جس کو جزا کا یقین ہو، جس کو یہ یقین ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے، اسے خلافِ حق کرنے کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے۔ خلافِ حق کرنے کی نیت بہت ہی غلط فیصلہ ہوتا ہے، اور یہ غلط فیصلہ ہمیشہ بُرے عمل سے پہلے ہوتا ہے۔

حاصل : خلافِ حق کرنا بہرصورت بُرا عمل ہے۔ عمل سے پہلے اس کی نیت ہوتی ہے۔ جزا کا یقین ہو تو رخ درست ہوتا ہے، ورنہ رخ درست نہیں رہتا۔ نیت کی بُرائی وہ غلط فیصلہ ہے، جو بُرے عمل سے پہلے کیا جاتا ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑤

جو اللہ کی ملاقات کی توقع رکھتا ہے، تو بے شک اللہ کا وعدہ آرہا ہے۔ اور وہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

جزا کا یقین رکھنے والا یہ توقع رکھتا ہے، کہ اسے جزا دینے والے سے ملاقات نصیب ہوگی۔ اے اللہ کی رضا کے مقابل کسی کی خوشی مطلوب نہیں ہوتی، اسے اللہ کے ڈر کے مقابل کسی کا ڈر مرعوب نہیں کرتا۔ ایسے بندے بڑی شان رکھتے ہیں۔ انہیں اطمینان دلایا جارہا ہے، کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو گا۔ جو کچھ بھی کہا جارہا ہے، اللہ اس کو سنتا ہے اور جو سینوں میں چھپا ہے، اللہ اس کا بھی علم رکھتا ہے۔ بندے کے اللہ سے زیادہ قریب کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : حال پر یہ یقین ہونا چاہئے کہ اللہ ہماری ہر بات کو سنتا ہے۔ ہماری نیت کا علم رکھتا ہے۔ اللہ سے ملاقات کی توقع رکھنے والوں کی صفات ہم میں پائی جائیں تو ہمارے قول کو بھی پاک ہونا چاہئے، عمل کو بھی صالح ہونا چاہئے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾

اور جو کوئی جدوجہد کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ بے شک اللہ عالمین سے مستغنی ہے۔

جو صالح عمل کرتا ہے، وہ یقیناً حق کی احسن ادائیگی کے لئے جدوجہد کر رہا ہے۔ اس میں فائدہ بھی اس کا اپنا ہی ہے، کہ وہ فلاح کے رخ کو اختیار کر کے اللہ کی عطا کردہ توفیق کا درست استعمال کر رہا ہے۔ اس سے حال پر اسے خوف و حزن سے نجات ملتی ہے، آخرت میں وہ خدائی مہمان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ احتیاج سے پاک ہے، وہ عالمین کا رب ہے، اور اس ربوبیت سے وہ کبھی اکتاتا نہیں ہے۔ اس نے سب کچھ بنایا ہے، مگر کوئی شے اپنے لئے نہیں بنائی۔

حاصل : صالح اعمال کے لئے جدوجہد کا راستہ ہی رکھا گیا ہے، مگر اسی میں بندے کی بھلائی بھی ہوتی ہے۔ جس کی بات حق کے حوالے سے ہو اور بغیر کسی خواہش اور غرض وغایت کے ہو اس کی بات کو بڑے ادب سے مان لینا چاہئے کہ اس کی بات میں یقیناً ماننے والے کی فلاح ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ہم ان پر سے ان کی برائیاں اتار دیں گے اور انہیں ان کے اعمال کی احسن جزا دیں گے۔

جو لوگ ناحق کو چھوڑ دیتے ہیں، حق کو مان لیتے ہیں اور اپنے ایمان کو صالح اعمال سے سچا ثابت کرتے ہیں، ان کے ماضی کی جو برائیوں سے تعلق رکھتا ہے، نفی کر دی جاتی ہے، کہ ان کا حال ان کے ماضی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ خیر کے راہ کو اختیار کرنے سے ان لوگوں کی حسنِ نیت اور حسنِ عمل کا ثبوت مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ان کے اعمال کی احسن جزا دیتے

والا ہے۔

حاصل : جو ناحق سے تائب ہو جائے، حق کو مان لے اور صالح اعمال سے اپنے ایمان کا ثبوت دے، اس کے ماضی کی برائیوں کا ذکر کرنا قطعاً منع ہے۔ اس کی قدر کرنا اللہ کے نزدیک بڑا پسندیدہ کام ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت فرمائی۔ اور اگر وہ تجھے مجبور کریں کہ تُو میرا شریک ٹھہرا جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کر۔ میری ہی طرف تمہیں مراجعت کرنا ہے تو میں تمہیں بتا دوں گا جو عمل تم کرتے تھے۔

اللہ کے سوا کسی کی بندگی حق نہیں ہے۔ والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی تبھی ہو سکتی ہے، جب ان کی منشاء کے مطابق ان کو سکھ دیا جائے۔ اس اعتبار سے ان کی اطاعت کا بڑا مقام ہے۔ جب یہ اطاعت، اطاعت الٰہی سے متصادم ہو تو پھر والدین کی اطاعت کا حق ختم ہو جائے گا۔ کہ یہی اللہ کا حکم ہے۔ والدین کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے عقیدے کو اپنے بچوں کا عقیدہ بنائیں۔ بلوغت کے بعد انسان اپنے عمل کے نتیجے میں حاصل ہونے والے علم کو دیکھتا ہے تو اسے حق اور ناحق میں فرق نظر آنے لگتا ہے۔ اس وقت وہ شرک کی نفی کرنے کا یقینی علم رکھتا ہے۔ اس صورت میں والدین کی خدمت کا حق باقی رہ جاتا ہے۔ اطاعت اسی کی ہونی چاہئے جو حق کو مانتا ہو۔ کہ اسی کا رخ درست ہوتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت کا یقین نہ ہو، اس کا رخ درست نہیں ہوتا۔ جزا دینے والا ہر عمل کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک کے اعمال کی حقیقت اس کے سامنے آ جائے گی۔

حاصل : والدین کے ساتھ بھلائی کرنا فرض ہے، کہ یہ اللہ کی وصیت ہے۔ جب وہ شرک پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ خدمت کا حق بہرحال قائم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی کا یقین ہو تو رخ درست ہوتا ہے۔ جزا دینے والا ہی سب سے بڑا جاننے والا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے انہیں ہم صالحین میں داخل کریں گے۔

جو لوگ اپنے دعویٰ ایمان کو صالح اعمال سے سچا ثابت کرتے ہیں، یہ حق کو مانتے ہیں جیسے حق کو ماننا چاہئے۔ ان کی

صداقت کا انعام انہیں حال پر بھی ملتا ہے۔ آخرت میں بھی ملے گا۔ حال پر بھی یہ صالحین کے ساتھ سے نوازے جاتے ہیں، آخرت میں بھی یہ صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ صالحین کا قول و فعل حق کے حوالے سے ہوتا ہے اس لئے وہ ہر مقام پر یک سو ہوتے ہیں۔

حاصل : صالحین کا ساتھ حیاتِ دنیا میں بھی انعام ہے، آخرت میں بھی یہ انعام ہے، اور یہ انعام اللہ ہی دیتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰

اور کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں ایذا پہنچے تو لوگوں کے فتنے کو اللہ کے عذاب کی مانند ٹھہراتے ہیں۔ اور اگر تمہارے رب کی نصرت آئے تو کہیں گے ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ ہی سب سے بڑا جاننے والا نہیں ہے جو عالمین کے سینوں میں ہے۔

بعض لوگ ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں، پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں ایذا پہنچتی ہے تو وہ گھبرا جاتے ہیں اور صبر کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ لوگوں کا فتنہ کبھی اللہ کا عذاب نہیں ہوتا۔ لوگوں کا فتنہ یہ دیکھنے کے لئے ہوتا ہے، کہ کون حق کو مانتا ہے اور کون اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے۔ اللہ کا عذاب ادنیٰ بھی ہوتا ہے اکبر بھی ہوتا ہے۔ ادنیٰ ہو تو وہ رجوع الی اللہ ہوتے میں مدد دیتا ہے۔ مشکل مقام پر پورا رہنا صابرین کی طریقت ہے۔ جب اللہ کی نصرت شامل حال ہو جائے تو پھر حالات اور ہو جاتے ہیں۔ اس وقت صالحین کے ساتھ کا دعویٰ کرنا باعثِ راحت ہوتا ہے۔ مگر اللہ تو ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ وہی تو سب سے بڑا جاننے والا ہے کہ کون دعویٰ ایمان میں سچا ہے، اور کون سچا نہیں ہے۔ جب یہ یقین ہو کہ اللہ ہمارے سینے کے بھید کو جانتا ہے تو پھر باتیں بنانا ممکن نہیں رہتا، اور یہ یقین نہ ہو تو پھر ایمان کا دعویٰ ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ ہی کسی کی صداقت کی سند نہیں ہوتا۔ لوگوں کا فتنہ کبھی اللہ کا عذاب نہیں ہوتا۔ اللہ کی مدد سے حالات بدل جاتے ہیں۔ کامیابی کے وقت کمزور ایمان والے زیادہ باتیں کرتے ہیں۔ یہ یقین ہو کہ اللہ ہمارے سینوں میں موجود باتوں کا سب سے بڑا جاننے والا ہے تو پھر بولنے میں احتیاط ضرور ہونی چاہئے۔

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ

اور اللہ ایمان والوں کو ممیز کرے گا، اور

الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ منافقین کو ممیز کرے گا۔

ایمان کا دعویٰ کرنے والے جب صالح اعمال سے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کریں گے، تو وہ صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ ان کو ممیز کر دے گا۔ حسن عمل ان کا امتیاز ہو گا۔ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد من مانی کرنے کو اپنا طریق زندگی بنائیں گے ان کی منافقت کو بھی اللہ واضح کر دے گا۔ یہ اللہ کے کام ہیں اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایمان والوں کو ممیز کرنا اور منافقین کو ممیز کرنا اللہ کی سنت ہے۔

حاصل : ایمان والے بھی واضح ہو جاتے ہیں، منافق بھی چھپے نہیں رہتے۔ یہ اللہ کا کام ہے اور اللہ جو کرتا ہے بڑے علم سے کرتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫

اور کفر کرنے والے ایمان والوں سے کہتے ہیں، تم ہماری راہ پر چلو، ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھالیں گے۔ اور وہ ان کی خطاؤں کا کچھ بھی بوجھ نہ اٹھائیں گے۔ بے شک وہ کاذب ہیں۔

خلافِ حق کرنے والے کافر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان والوں کو اپنی ملت میں لوٹ آنے کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ جب ایمان والے، اعمال کی جزا کا ذکر کرتے ہیں، تو بے سند باتیں کرنے والے انہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ تم اس کی فکر نہ کرو، تم ہمارے پیچھے چلے آؤ، تمہاری خطاؤں کا بوجھ ہم اٹھائیں گے۔ حالانکہ قیامت کے دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ سوائے متقین کے۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر عامل جو خلافِ حق کرتا ہے وہ اپنے جلانے کا سامان اکٹھا کرتا رہتا ہے اور اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت وہ اپنے اعمال کے حاصل کی صورت میں اسے ساتھ لے کر جاتا ہے۔ دوسروں کو خلافِ حق کرنے کی دعوت دینے والے اور ان کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کا دعویٰ کرنے والے یقیناً جھوٹے ہوتے ہیں۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے ایمان والوں کو اپنی ملت میں لوٹ کر آنے کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ قیامت کے دن صرف متقین کی دوستی قائم رہے گی، باقی سب دوستیاں، دشمنیوں میں بدل جائیں گی۔ جو خلافِ حق کرنے کی دعوت دے اور پیچھے آنے والوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کا دعویٰ کرے، اس کے کاذب ہونے کی اللہ نے سند نازل فرمائی ہے۔

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وز

اور یہ لوگ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے

وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اور قیامت کے دن ان سے ضرور پوچھ ہو گی جو افترٰی یہ باندھتے تھے۔

جو لوگ خلافِ حق کرتے ہیں، اور خلافِ حق کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، یہ اللہ پر کذب سے افترٰی باندھنے والے لوگ ہیں۔ ان سے قیامت کے دن ان کے باندھے ہوئے افتروں کے بارے میں پوچھ ہو گی۔ اس وقت یہ حق کو مان تو لیں گے مگر خسارے سے نہ بچ سکیں گے۔ ان پر ان کے گناہوں کا بوجھ ہو گا، اور جن لوگوں کو انہوں نے برائی کی ترغیب دی ہو گی ان کا بھی کچھ بوجھ ان پر ہو گا۔ مگر اس ترغیب کو ماننے والوں کو بھی اپنے کیے کی پوری سزا ملے گی۔

حاصل : بات کرتے وقت دھیان رکھنا چاہئے، کہ بات ہمیشہ سند سے ہو اور پوری ہو۔ خلافِ حق کرنا اور خلافِ حق کرنے کی ترغیب دینا، اللہ کے پاک بندوں سے عملاً جنگ کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کو دوست نہیں بنانا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف (7) میں فرمایا ہے۔
إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾
بے شک ہم نے شیاطین کو ان کا دوست ٹھہرایا ہے، جو ایمان نہیں لاتے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۖ فَأَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو آپ کی قوم کی طرف بھیجا تو آپ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے۔ پھر انہیں طوفان نے پکڑ لیا اور وہ ظالم لوگ تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: میں تمہارے لئے رسول امین ہوں، تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو رب العالمین پر ہے۔ پچاس کم ہزار برس آپ ان لوگوں میں رہے۔ اپنی بعثت سے لے کر طوفان کے آنے تک آپ نے تبلیغ حق کو جاری رکھا۔ مخالفین کی تکلیف دہ باتوں کو سنتے رہے اور ان کے جواب میں بھلی باتیں کرتے رہے۔ بالآخر قوم نے آپ سے یہ کہا، اے نوح (علیہ السلام) اگر آپ اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو سنگسار کر دیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھوڑے ہی لوگ تھے۔ آپ نے اللہ کے حکم سے کشتی بنائی۔ اس میں وہ سب کچھ رکھا جس کے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا، اور اپنے پاک ساتھیوں کے ساتھ اس میں سوار ہوئے۔ منکرینِ حق بصورتِ طوفان عذابِ الٰہی کی گرفت میں آئے۔ اس دن انہیں اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ ان ظالم لوگوں کو قرآنِ پاک میں اندھی قوم فرمایا گیا ہے۔

حاصل : تبلیغ حق کرنے والے منکرینِ حق سے دکھ اٹھاتے رہے ہیں اور صبر کرتے رہے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے حق کی احسن ادائیگی میں صدیاں لگا دیں۔ اللہ نے ظالموں کو عذاب میں پکڑا اور وہ پیچھے آنے والوں کے لئے باعثِ عبرت بنا دیئے گئے۔

فَأَنْجَيْنٰهُ وَأَصْحٰبَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِينَ ﴿۱۵﴾

توہم نے آپ کو اور کشتی والوں کو نجات دی، اور اسے عالمین کے لئے نشانی ٹھہرایا۔

اتمامِ حجت ہو جانے کے بعد، عذابِ الٰہی آ جایا کرتا ہے۔ پھر انسان کی خلافِ حق تدبیریں کسی کام نہیں آتیں۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا کی، یا اللہ میرے اور حق کا انکار کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ایمان والے ساتھیوں کو نجات دے، تو طوفان کے آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ حضرت نوح علیہ السلام حکمِ خداوندی کے مطابق کشتی میں سوار ہوئے اور ان کی آنکھوں کے سامنے منکرینِ حق غرق کر دیئے گئے، اور یہ واقعہ عالمین کے لئے نشانِ عبرت ہو گیا۔

حاصل : جس کی بات، اللہ کی بات ہو اس کا ساتھ دنیا و آخرت میں باعثِ فلاح ہوتا ہے۔ منکرینِ حق کے انجام سے سبق سیکھنا چاہئے۔ سیکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہمیشہ موجود ہوتی ہیں۔

وَإِبْرٰهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ ۖ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

اور ابراہیم (علیہ السلام) جب آپ نے اپنی قوم سے فرمایا۔ کہ اللہ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرتے رہو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو۔

جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے رسول تھے، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ کے رسول تھے۔ انبیاء کرام کی تعلیم یہی تھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کی بندگی کی تاکید کرتے رہے ہیں، انہیں بتاتے رہے ہیں کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی معبود نہیں ہے۔ حق کی راہ اختیار کرنے والوں کو بھلے انجام کی بشارت دیتے رہے ہیں، حق کا انکار کرنے والوں کو ان کے برے انجام سے ڈراتے رہے ہیں۔ اللہ کی بندگی کرنے والے، اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ہدایت کی راہ اختیار کرنے والے جانتے ہیں، کہ حیاتِ دنیا میں خوف و حزن سے بچاؤ کی صرف یہی صورت ہے اور متاعِ حیاتِ دنیا کے استعمال کی بہترین صورت بھی یہی ہے۔ اللہ کا ڈر ہو تو خلوت میں پاک رہنا ممکن ہوتا ہے، اور خلوت پاک ہو تو جلوت میں اللہ کی رضا کے مطابق پاک رہنا ممکن ہوتا ہے۔ ورنہ جلوت کی پاکیزگی میں لوگ اپنی نیک نامی کے لئے بھی زور لگاتے رہتے ہیں۔

حاصل : اللہ کی بندگی کرنے کی تاکید کرنا، اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کرنا انبیاء کرام کی طریقت رہی ہے۔ لوگ اپنے تجربات و مشاہدات سے صحیح نتائج پر پہنچ سکتے ہیں۔ جو اپنی بہتری چاہتا ہو وہی بھلائی کی طرف آتا ہے۔

اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّتَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَـكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾

تم تو اللہ کے مقابل بتوں کی عبادت کرتے ہو، اور جھوٹ گھڑتے ہو۔ بے شک وہ جن کی تم اللہ کے مقابل عبادت کرتے ہو، تمہارے رزق کے کچھ مالک نہیں۔ تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈو، اور اسی کی عبادت کرو، اور اسی کا شکر ادا کرو۔ اسی کی طرف تمہیں مراجعت کرنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ کیا تماثیل ہیں جن کے سامنے تم آسن مار کر بیٹھے رہتے ہو۔ قوم نے یہ جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباء کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگ بتوں کی بندگی کرتے ہو۔ یہ تمہارے بنائے ہوئے ہیں۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ جن کی تم پوجا کر رہے ہو یہ تمہارے رزق کے مالک ہیں۔ یہ تو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ یہ تمہارے رزق کے مالک نہیں ہیں۔ خالقِ کل ہی مالکِ کل ہے۔ اللہ کو ماننے والے اس کی مقرر کردہ حدود کو مانتے ہیں اور طیبات سے کھاتے ہیں۔ اللہ کی عبادت یہ ہے کہ خلوت و جلوت میں اسی کی رضا مقصدِ حیات ہو۔ اس کا شکر یہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اس کے رزق کو حق کے مطابق خرچ کیا جائے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف واپسی بھی ہوگی۔ جس کی طرف سے ہم پر حق کو عاید کیا گیا ہے۔ وہی ہمیں جزا دینے والا ہے۔

حاصل : معبود وہی ہے جو خالقِ کل ہے، مالکِ کل ہے، رزق دیتا ہے۔ اس کی عبادت ہو تو اس کے عطا کردہ رزق کو حق کے مطابق خرچ کیا جاتا ہے۔ جسے اللہ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین ہو وہ غافل نہیں ہو سکتا۔

وَاِنۡ تُكَذِّبُوۡا فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم تکذیب کرو تو تم سے قبل کتنی ہی اُمتیں تکذیب کر چکی ہیں، اور رسول پر تو صاف پہنچا دینا ہی ہے۔

حق کو جھٹلانے والے جس انجام کو پہنچتے رہے ہیں، وہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے۔ اب اگر کوئی اسی راہ کو اختیار کرتا ہے، تو وہ بھی اسی انجام کو پہنچے گا۔ رسول کی شان یہ ہے۔ کہ اس نے حق کو کھول کر بیان کر دیا ہے، عملاً وہ کر کے دکھا دیا ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ بھلائی کرنے کے انجام کی بشارت دے دی ہے، بُرائی کرنے کے انجام سے ڈرا دیا ہے۔ ہدایت تو وہی پاتا ہے، جو طالبِ ہدایت ہو۔

حاصل : حق کو جھٹلانے والے اسی انجام کو پہنچ جاتے ہیں، جس انجام کو حق کی تکذیب کرنے والے پہلے پہنچتے رہے ہیں۔ اللہ کے رسول کی شان، اللہ کی عطا کردہ ہے۔ حق کی احسن ادائیگی کا معیار بھی اللہ کے نزدیک اللہ کا رسول ہی رہا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٩﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کیسے خلق کی ابتدا فرماتا ہے، پھر اعادہ فرمائے گا، بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔

اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے۔ کائنات میں ہر شے کو ایک مقدار کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ اشیاء کے مابین ایک توازن رکھا گیا ہے۔ زمین کی قوتِ روئیدگی ختم ہو جائے تو وہ اپنے فعل کے اعتبار سے مردہ ہو جاتی ہے۔ بارش کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کر دینے والا اللہ ہی ہے۔ کسی بھی شے کے اجزاء ترکیبی کو زمین سے اکٹھا کر کے اس شے کو پیدا کر دینے والا اللہ ہی ہے۔ بیج سے پودا اور پودے سے بیج، انسان کے مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ اس پر بعث بعد الموت قطعاً آسان ہے۔ اور اس بات کا یقین ہو جانے سے کہ اللہ ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دے گا، اصلاحِ حال سے غفلت کو ختم ہو جانا چاہیے۔

حاصل : خلق کی ابتدا کرنے والا، اعادہ کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔ بعث بعد الموت کے یقین کو ہمارے عمل میں نظر آنا چاہیے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ۚ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

فرما دیجئے زمین میں سیر کرو تو نظر کرو کہ کیسے پہلے خلق فرماتا ہے، پھر دوسری اٹھان اٹھائے گا۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

زمین میں سیر کرنے کا منشاء بیان فرمایا گیا ہے، کہ نظر کرو اللہ کیسے پہلی بار خلق فرماتا ہے۔ کھجور کی گٹھلی بڑی سخت ہوتی ہے، اس سے پیدا ہونے والے پتے بہت نازک ہوتے ہیں۔ مقصدِ تخلیق کے ساتھ انسان کو پیدا کرنے والا، اسے اپنے علم سے توفیق دینے والا، اسے اپنا رخ متعین کرنے کی ایک حد تک آزادی دینے والا، اس کے اختیار کردہ رخ کے مطابق اسے ہدایت یا گمراہی دینے والا، اب بھی قادرِ مطلق ہے۔ مستقبل میں بھی قادرِ مطلق ہو گا۔ قیامت کے دن لوگ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے تو اس وقت بعث بعد الموت کا انکار کرنے والے کہیں گے: ہائے خرابی ہماری کس نے ہمیں قبروں سے اٹھا دیا۔ یہ ہے

رحمٰن کا وعدہ، اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا۔

حاصل : اللہ کی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ خالقِ کل کے لئے دوسری بار اٹھانا مشکل نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی قدرت کا علم ہو جائے تو اس قدرت کو ماننے والا خلافِ حق نہیں کر سکتا۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿٢١﴾

عذاب دے جسے چاہے اور رحم فرمائے جس پر چاہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ماضی اس امر کی شہادت دے رہا ہے، کہ جن لوگوں نے حق کے خلاف کرنے کو اپنا طریق زندگی بنالیا اور اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے کی کوشش کی، وہ عذاب الٰہی میں پکڑ لئے گئے، پھر وہ اپنا دفاع نہیں کر سکے۔ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، ان پر رحم فرمایا گیا، انہیں آسانیاں عطا فرمائی گئیں۔ اللہ متقی لوگوں کا دوست ہے۔ وہ صالحین کو پسند فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا کسی کو پسند ہو یا پسند نہ ہو، کوئی دوسرا تو ہے ہی نہیں جس کی طرف لوٹ کر جانا ممکن ہو۔ جس کی طرف لوٹ کر جانا یقینی ہے اس کی بڑی پرواہ ہونی چاہئے۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے عذابِ الٰہی کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اطاعتِ حق کرنے والے اللہ کے رحم سے نوازے جاتے ہیں۔ اللہ کی طرف واپسی کا یقین ہمارے عمل میں نظر آنا چاہئے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٢٢﴾ ع

اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو زمین میں اور نہ آسمان میں، اور اللہ کے مقابل تمہارا کوئی دوست اور نصرت دینے والا نہیں۔

حال پر موجود لوگوں کو یہ مان لینا چاہئے کہ اللہ سے مقابلہ کر کے اسے عاجز کر دینا ممکن نہیں ہے۔ یہ نہ کبھی ہوا ہے نہ کبھی ہو گا۔ نہ یہ زمین میں ہو سکتا ہے نہ یہ آسمان میں ہو سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا مقام آتا ہے تو اس کے مقابل کوئی دوست اور مدد کرنے والا بھی نہیں رہ جاتا۔ اس وقت بے بسی کا احاطہ منکرینِ حق کو ان کی حیثیت کا پتہ دے رہا ہوتا ہے، مگر حق کو ماننا تو اسی وقت فائدہ دیتا ہے جب اصلاحِ حال کے لئے مہلت موجود ہو۔ قیامت کے دن ظالمین سے فرمایا جائے گا، چکھو اس کی جزا جو کسب تم کرتے تھے۔

حاصل : زمین و آسمان میں اللہ کو عاجز کرنے والا نہ کوئی ہوا ہے نہ کوئی ہو گا۔ خلاف حق کرنے

والوں کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کی مدد کرنا ایک وقت تک ہی ممکن ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا مقام آجائے تو یہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ھود (11) میں فرمایا ہے۔ ظالم لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ

وہ لوگ زمین میں عاجز کرنے والے نہیں اور اللہ کے مقابل ان کے کوئی حمایتی نہیں۔ ان کے لئے دونا عذاب ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٣﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا وہی ہیں جو میری رحمت سے محروم ہوئے اور انہی کے لئے المناک عذاب ہے۔

اللہ کی آیات کا انکار کرنا اور اللہ کی ملاقات کا انکار کرنا، حیاتِ دنیا میں یہ رحمتِ خداوندی سے دور ہونے والوں کی نشانیاں ہیں۔ حکمِ خداوندی ہدایت اور رحمت ہے۔ مگر یہ تو مومنین کے لئے ہے۔ اب اگر دعویٰ ہو حق کو ماننے کا اور صالح اعمال سے اس دعوے کی تصدیق نہ ہو رہی ہو، تو یہ دعویٰ کسی کو سچا ثابت نہیں کرے گا۔ وہ لوگ یقیناً خسارے میں رہتے ہیں جو اللہ سے ملاقات کا انکار کرتے ہیں، اور وہ ہدایت والے نہیں ہوتے۔ حق کے بعد ہے ہی کیا مگر گمراہی، اور گمراہ کے لئے دردناک عذاب رکھا گیا ہے۔ تقابل سچے اور جھوٹے کے مابین ہو تو بات واضح ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ کی آیات کا انکار اور اس کی ملاقات کا انکار رحمت الٰہی سے دور کر دیتا ہے۔ اس راستے کو اختیار کرنے والے المناک عذاب میں پکڑے جاتے ہیں۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٤﴾

تو آپ کی قوم کا جواب کچھ نہ تھا مگر یہی، کہنے لگے کہ انہیں قتل کر دو یا جلا دو، تو اللہ نے آپ کو آگ سے نجات دی۔ بے شک اس میں ایمان والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ حق کا جواب قوم کی طرف سے یہ دیا گیا کہ ان کا خاتمہ ضروری ہے جو دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ جلا دینے کی رائے اجتماعی فیصلے کی شکل اختیار کر گئی۔ منکرینِ حق نے اپنے معبودوں کی مدد کا یہ طریقہ قابلِ عمل جانا۔ اور اسی میں انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کا جواب بھی نظر آیا جو آپ نے فرمائی تھی کہ یہ کیا معبود ہیں۔ جو نہ تمہیں نفع دے سکتے ہیں، نہ تمہیں ضرر دے سکتے ہیں۔ وہ لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ معبود کو ماننا تو ایک نظریہ ہوتا ہے۔ معبود کر کیا سکتا ہے۔ عملاً یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے آپ کے جلانے کا فیصلہ کیا ہے، آپ کا معبود اب کیا کرلے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں یہ دیکھا کہ قادرِ مطلق کے سامنے منکرینِ حق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ منکرینِ حق جو بھی کر رہے ہیں، اللہ کی عطا کردہ قوت سے ہی کر رہے ہیں۔ وہ جو چاہے گا وہی ہو گا۔ اب اللہ کی قدرت کی شان کچھ اس طرح سے روشن ہوگی کہ لوگ نصرتِ الٰہی کو عملاً دیکھ لیں گے۔ اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے سلامتی ہو جا۔ آگ ٹھنڈی ہو گئی، اور ابراہیم علیہ السلام بچا لئے گئے۔ لوگوں نے نصرتِ الٰہی کو دیکھ لیا۔ وہ آگ جو منکرینِ حق کے وسائل کے حوالے سے بہت بڑی تھی، اللہ کی قدرت کے سامنے اس کو ٹھنڈا ہونے میں دیر نہیں لگی۔ اس میں ایمان والے لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں۔ یہ نشانیاں دیکھنے والوں کو نظر آتی ہیں۔ ایمان کے درجے سے مشاہدے کا تعلق ہوتا ہے۔ اور اس سے ہمیشہ ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

حاصل : منکرینِ حق شمعِ ہدایت کو گُل کرنا ضروری جانتے ہیں۔ اپنے معبودوں کی مدد کا یہ طریقہ ان کے نزدیک بہت مفید ہوتا ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے انسانی تدبیریں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ایمان والے لوگ یہ مانتے ہیں کہ نفع اور ضرر باذن اللہ ہوتا ہے اس لئے وہ اللہ اور اس کی قدرت کو دیکھتے ہیں، کسی دوسری طرف دیکھتے ہی نہیں۔ ایمان والے لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی مدد سے جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ انسانی سوچ کے دائرے میں آیا نہیں کرتا۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ۙ

اور فرمایا تم نے تو اللہ کے مقابل یہ بت ٹھہرائے ہیں۔ تمہاری آپس کی دوستی حیاتِ دنیا تک ہی ہے۔ پھر قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک دوسرے کا انکار کرے گا، اور ہر ایک دوسرے کو لعنت کرے گا۔ اور ٹھکانا تمہارا آگ ہو گا، اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہو گا۔

سنا بھی نہ تھا، مگر وہ ایمان لانے والے نہ ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا: تم نے اللہ کے مقابل یہ بت بنا رکھے ہیں، اور یہ سارا نظام تمہاری خواہشات پر قائم ہے اور آخرت کے انکار پر قائم ہے۔ مگر تمہارے انکار کرنے سے قیامت کے دن پر کیا اثر پڑے گا۔ وہ تو اللہ کے امر سے آئے گا، اور اس دن تمہاری سب باتیں بے حقیقت ہو جائیں گی۔ تمہیں اپنی اپنی پڑ جائے گی۔ تم میں سے ہر ایک دوسرے کا انکار کرے گا، ہر ایک دوسرے کو لعنتی کہے گا اور حیات دنیا کی یہ دوستیاں، دشمنیوں میں بدل جائیں گی، پھر آگ تمہارا ٹھکانا ہو گا، اور کوئی تمہارا مدد گار نہ ہو گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ حق جس کا پہنچانا آپ کے ذمے تھا کماحقہٗ پہنچا دیا۔

حاصل : اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کر لینے کے بعد بھی باطل عقائد کو جو لوگ چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں، انہیں ان کے انجام سے آگاہ کر دینا حجت کو پورا کر دیتا ہے۔ جزا کا انکار کرنے والے قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، جہنم میں ہوں گے اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہو گا۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۲۶﴾ وقف لازم

تو لوط (علیہ السلام) نے آپ کی تصدیق کی۔ اور فرمایا میں اپنے ربّ کی طرف ہجرت کرتا ہوں، بے شک وہی عزیز ہے حکیم ہے۔

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان پر انوار کو دیکھئے اور نہ ماننے والوں کی کثرت کو دیکھئے، تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نورِ ہدایت کے پھیلنے کے لئے ابتداء میں ایک صاحب کی تصدیق بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنے تعلق کا اظہار ایسے وقت میں کیا جب اس کے معنی پوری قوم سے دشمنی مول لینے کے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھ لیا، کہ لوگوں نے حق کو اس قدر روشن نشانی کے ساتھ دیکھ لینے کے باوجود بھی نہیں مانا تو آپ نے ہجرت کا عزم کیا اور اس عزم کا اظہار کیا، اور یہ بھی فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے، بڑی حکمت والا ہے۔ یہاں قدر دان نہیں ملے تو اللہ قدر دانوں کے پاس لے جائے گا۔ جو کچھ اللہ کر سکتا ہے وہ کسی دوسرے کے بس میں تو ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : مشکل حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک قدر کرنے والا مل ہی جاتا ہے۔ جہاں اتمامِ حجت کے بعد بھی لوگ حق کے انکار کی روش کو ترک نہ کریں، وہاں سے ہجرت کا مقام آجاتا ہے۔ علم والے یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم اپنے ربّ کے رخ پر ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے آپ کو اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) عطا فرمائے اور ہم نے آپ کی ذریت میں نبوت اور کتاب رکھی اور ہم نے دنیا میں آپ کو آپ کا اجر عطا فرمایا اور بے شک آخرت میں وہ صالحین سے ہیں۔

ہجرت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے حساب آسانیوں سے نوازا۔ آپ کو حضرت اسحاق علیہ السلام عطا فرمائے جو آپ کے بیٹے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام عطا فرمائے گئے جو آپ کے پوتے تھے۔ آپ کی اولاد کو اللہ نے اس شان سے نوازا کہ نبوت اور کتاب اللہ انہی کے پاس رہی۔ اللہ نے دنیا میں بھی آپ کو آپ کے احسن اعمال کا اجر دیا۔ آخرت میں تو آپ کا مقام صالحین میں ہو گا ہی۔

حاصل: ہجرت اپنے رب کی طرف ہو، تو اللہ تعالیٰ بہت آسانیاں عطا فرما دیتا ہے۔ دنیا میں بھی احسن اعمال کا اجر دیا جاتا ہے، آخرت میں تو جزا ملے گی ہی۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور لوط (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم سے فرمایا۔ بے شک تم وہ فحش کرتے ہو جو تم سے پہلے عالمین سے کسی نے نہیں کیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ نے حکم اور علم عطا فرمایا۔ آپ کو ان کی قوم میں مبعوث فرمایا گیا۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا۔ تم وہ بے حیائی کر رہے ہو، جو تم سے پہلے عالمین میں کسی نے نہیں کی۔ خطاب قوم سے تھا۔ یہ بے حیائی قومی سطح پر اس سے پہلے کہیں نہیں تھی۔ سند یہی ہے کہ اللہ کے رسول نے اس کی شہادت دی ہے۔ وہ رسومات جو لوگوں کو بے حیائی میں آگے بڑھنے میں مدد دیں قطعاً قابلِ نفرت ہیں۔ بری رسموں کو شروع میں روک دینا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ جب لوگوں کا اجتماعی رویہ بگڑ جائے تو پھر ان کی اصلاح کی طرف آنا مشکل ہوتا جاتا ہے۔

حاصل: بے حیائی سے بچنا فرض ہے۔ اپنی اولاد کو پاک رہ کر دکھایا جائے تو ان کو پاکیزگی کی قدر معلوم ہو سکتی ہے۔ وہ رسومات جو بے حیائی کو بڑھاتی ہیں یا بڑھا سکتی ہیں، ان کو قابلِ نفرت جاننا چاہیے اور ان سے اجتناب کرتے ہوئے لوگوں کو ان سے بچنے کی تاکید کرنی چاہیے۔

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٩﴾

کیا تم مردوں پر دوڑتے ہو اور راہ قطع کرتے ہو، اور اپنی مجلس میں برُا کام کرتے ہو۔ تو آپ کی قوم کا جواب کچھ نہ تھا مگر یہی کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر عذاب لے آئیے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر شہوت کے لئے دوڑتے ہو۔ اللہ نے جس قوت کو بقاء نسل کے لئے رکھا ہے اور بقاء نسل کے لئے فطرت کا جو طریقہ رکھا گیا ہے تم اس کو قطع کر رہے ہو۔ تم اس قدر بے حیا ہو گئے ہو کہ مجلس میں برائی کرنے سے بھی تمہیں شرم نہیں آتی۔ جس راستے پر تم جا رہے ہو تم اس کے انجام سے بالکل غافل ہو۔ قوم نے یہی جواب دیا: آپ تو صرف پاکیزگی چاہتے ہیں۔ اگر آپ سچے ہیں تو وہ عذاب لے آئیے جس سے آپ آگاہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔

حاصل : اللہ کے مقرر کردہ راستے کو اختیار کرنا ہی باعثِ فلاح ہوتا ہے۔ مجلس میں برُائی کا ارتکاب بے حیائی کی انتہا ہے۔ ناقابل اصلاح لوگ عذاب الٰہی کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔

ع ۱۵ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾

دعا کی اے میرے ربّ قومِ مفسدین پر میری مدد فرما۔

حضرت لوط علیہ السلام نے دعا کی اے میرے رب قوم نے میری تکذیب کی حد کر دی ہے، اب تیری نصرت کا انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو آگاہ فرما دیا گیا، کہ صبح ہوتے ہی ان مفسدین کی جڑ کٹ جائے گی۔ آپ نے امرِ الٰہی کے مطابق اس بستی کو چھوڑ دیا۔ تو اللہ نے اس کے اوپر کو نیچے کر دیا۔ پھر انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

حاصل : مفسدین کے ناقابلِ اصلاح ہونے کا ثبوت مل جائے تو اپنے رب سے اس کی نصرت کی طلب کرنے کا مقام آ جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (24) میں ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ

اے ایمان والو شیطان کے قدموں پر نہ چلو اور جو شیطان کے قدموں پر چلے تو وہ اسے بے حیائی اور برُائی کا ہی امر دے گا۔

وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَآ اِبۡرٰهِيۡمَ بِالۡبُشۡرٰىۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مُهۡلِكُوۡۤا اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ‌ ۚ اِنَّ اَهۡلَهَا كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ۚ‌ۖ ﴿۳۱﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر پہنچے، کہنے لگے ہمیں اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنا ہے، بے شک اس بستی کے لوگ ظالم ہیں۔

فرشتوں کا مقام یہ ہے کہ وہ وہی کرتے ہیں، جس کا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر دیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی طرف سے دی گئی بشارت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی بشارت ہے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے کا قول و فعل یقیناً سند کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تو حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت لے کر آئے اور حضرت لوط علیہ السلام کے منکرین کی بستی پر عذاب کا حکم لے کر آئے۔ ان کا بیان سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مجادلہ کیا اور یہ کہا کہ اس بستی میں تو حضرت لوط علیہ السلام جیسے پاک لوگ بھی ہیں اور کچھ لوگ ان پر ایمان بھی لائے ہیں، سب اہل قریہ کی ہلاکت تو ان کے ظلم کی بدولت ہی ہو سکتی ہے اور جو لوگ اس ظلم میں شامل نہیں ہیں ان کا انجام ظالموں کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

حاصل : فرشتے وہی کرتے ہیں جس کا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر دیا جاتا ہے۔ ظلم ہی بستیوں کی ہلاکت کا سبب بنتا رہا ہے۔ اپنی بستی کو ظلم سے بچانے کی فکر کرنا اہل قریہ کا حق ہوتا ہے۔

قَالَ اِنَّ فِيۡهَا لُوۡطًا‌ ؕ قَالُوۡا نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِيۡهَا‌ لَـنُـنَجِّيَـنَّهٗ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ۖ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ‏ ﴿۳۲﴾

فرمایا اس میں لوط (علیہ السلام) بھی ہیں۔ وہ بولے ہمیں خوب علم ہے جو اس میں ہے۔ ہم آپ کو اور آپ کے اہل کو نجات دیں گے سوائے آپ کی عورت کے، کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل قریہ کی ہلاکت کی بات سن کر یہ فرمایا۔ کہ اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام بھی ہیں، ان کے ساتھ اس بستی میں کچھ اور اہل ایمان بھی ہوں گے۔ فرشتوں نے یہ کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم ہے اور اس حوالے سے ہم خوب جانتے ہیں، کہ کون کون اس بستی میں پاک ہے۔ ہم حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پاک ساتھیوں کو مقام عذاب سے نکال لیں گے۔ ان کی عورت پاک لوگوں کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والوں سے ہو گی۔ یہ تفصیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے کافی تھی۔

حاصل : جس بستی میں پاک لوگوں کا کوئی دوست رہتا ہو وہ اس بستی کے لئے بھلائی کی دعا کرتے

رہتے ہیں۔ عذابِ الٰہی سے پہلے اچھوں کو بُروں سے الگ کر لیا جاتا ہے۔ اچھوں کو محفوظ کر لینے کے بعد بُروں پر عذاب کا کوڑا برسایا جاتا ہے۔ صالح کے صرف پاس ہونا کسی کے صالح ہونے کی سند نہیں مانی چاہئے۔ جس کے اعمال غیر صالح ہوں وہ صالح کے اہل میں شمار نہیں ہوتا۔

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے۔ آپ کو ان کا آنا اچھا نہ لگا، اور ان سے آپ کو تنگی ہوئی۔ فرشتوں نے کہا خوف نہ کیجئے اور غم نہ کیجئے. بے شک ہم آپ کو اور آپ کے اہل کو نجات دیں گے سوائے آپ کی عورت کے جو پیچھے رہنے والوں سے ہو گی۔

فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس امرِالٰہی کے مطابق پہنچے۔ جس صورت میں وہاں پہنچنے کا حکم تھا۔ اس صورت میں پہنچے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی دعا کے حوالے سے نصرتِ الٰہی کا انتظار تو تھا ہی. تنگی اس لئے ہوئی، کہ مہمانوں کے حوالے سے اس بے حیا قوم کی مزید بے حیائی دیکھنی پڑے گی۔ فرشتوں نے آپ کی کیفیت کو دیکھتے ہوئے یہ کہا کہ آپ پر خوف بھی نہ ہو اور آپ کو غم بھی نہ ہو، آپ اور آپ کے گھر والے سوائے آپ کی عورت کے محفوظ رہیں گے۔ اور ہمارے بارے میں کوئی غم نہ کیجئے. ہم امرِالٰہی کے مطابق کرتے ہیں اور قدرتِ خداوندی کو اس کی مشیت کے مطابق ظاہر کرتے ہیں۔

حاصل: مہمان کی سلامتی اور عزت افزائی کے لئے سعی کرنا بھلے لوگوں کا طریقِ زندگی ہے۔ بے حیائی کے مناظر کو دیکھنے پر مجبور ہونا بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ نجات کے بارے میں آگاہی سب کچھ واضح کر دیتی ہے۔ جو عملاً ناپاک ہو اس کا انجام کے وقت پاک لوگوں کے ساتھ ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾

ہم کو اس قریئے کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنا ہے، اس لئے کہ یہ فسق کرتے ہیں۔

نجات پانے والوں کا ذکر کرنے کے بعد فرشتوں نے یہ کہا کہ اس بستی کے ناپاک لوگوں پر ہم کو عذاب نازل کرنے کے

لئے بھیجا گیا ہے۔ اور یہ عذاب ان پر ان لوگوں کے فسق کی وجہ سے آرہا ہے۔ حق میں اپنی خواہش کو داخل کرنا، حق کے انکار کی وہ صورت ہے جس کو فسق کہتے ہیں۔ شیطان کی پیروی کے لئے ترقی کے نام پر جو کچھ بھی کیا جاتا ہے، اس کا انجام تباہی ہی ہوا کرتا ہے۔

حاصل : عذاب الٰہی آسمان سے اتارا جاتا ہے۔ رحمت و برکات بھی اوپر سے اتاری جاتی ہیں۔ فسق کا انجام صرف ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور عقل والے لوگوں کے لئے ہم نے اس سے روشن نشانی باقی رکھی۔

حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب کرنے والوں پر عذاب الٰہی آیا۔ اس عذاب سے بستی کے اوپر کو نیچے کر دیا گیا۔ اور ان لوگوں پر پتھر برسائے گئے۔ عقل والے لوگ آثار قدیمہ سے بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں، بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ عقل وہ توفیق ایزدی ہے جس سے ہم حال پر فلاح پانے والوں میں شمار ہونے کا یقین حاصل کر سکتے ہیں۔ آثار قدیمہ سے یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس کیا کچھ تھا، اور ہمارے پاس جو کچھ ہے، اس کی حیثیت ان لوگوں کی متاع حیات کے مقابل کیا ہے۔ حق کے مقابل ان لوگوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی تو وہ کس انجام کو پہنچے اور جو ان کے نقوش قدم کو اپنے لئے راستہ بنا رہا ہے وہ ان کے انجام سے کیسے بچ سکتا ہے۔

حاصل : آثار قدیمہ کو دیکھ کر اپنے لئے راہ راست کا تعین کرنا عقل والے لوگوں کی طریقت ہے۔ عقل والے لوگ قابلِ قدر ہوتے ہیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا تو آپ نے فرمایا۔ اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اور یوم آخر کی امید رکھو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔

پیغام حق کا پہنچانا اللہ کی شان ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا تو آپ نے فرمایا۔ اے میری قوم اپنا رخ درست کرو۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی تمہیں جزا دی جائے گی۔ من مانی کرو گے تو ناپ اور تول پورا نہیں رکھو گے۔ اور لوگوں سے وصول کردہ مال کے عوض ان کی چیزیں انہیں گھٹا کر دو گے تو افراد کے مابین باہمی اعتماد کے رشتے بے معنی ہو جائیں گے، احتیاطی تدابیر میں بہت کچھ ضائع ہونے لگے گا، زمین میں فساد مچ

جائے گا، اور اس کا انجام کبھی اچھا ہو نہیں سکتا۔

حاصل : حق پہنچانے والے کا انہی لوگوں میں سے ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے، جن کو حق پہنچاتا ہو۔ پیغام حق ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے، اللہ کی بندگی کی جائے اس کے سوا کسی کو معبود نہ بنایا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کا اتباع کیا جائے۔ جو لوگ زمین میں فساد مچا رہے ہوں، وہ عملاً آخرت کے منکر ہوتے ہیں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾

تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی، پھر انہیں زلزلے نے پکڑ لیا، تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہوئے ان کی قوم نے یہ کہا کہ آپ کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اور ہم اپنے معاشرے میں آپ کو ضعیف دیکھتے ہیں، اور اگر آپ کا کنبہ یہاں نہ ہوتا تو ہم آپ کو سنگسار کر دیتے اور آپ ہم پر زبردست تو ہیں نہیں کہ آپ کی بات کے نہ ماننے میں کوئی خطرہ ہو۔ اس قوم کو زلزلے کے عذاب میں پکڑ لیا گیا۔ ان کے خاتمے میں کچھ دیر نہیں لگی۔ اگلی صبح یہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے۔

حاصل : جو لوگ صرف زبردست کی بات مانتے ہوں، وہ حق کو جھٹلانے والے ہوتے ہیں۔ ان کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۟ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور عاد اور ثمود، اور ان کا حال ان کے مساکن سے تم پر واضح ہو چکا ہے۔ اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو زینت دی اور انہیں راہ سے روکا اور وہ تھے ہوشیار۔

قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ قوم نے آپ کی تکذیب کی۔ آپ نے فرمایا اگر تم منہ پھیرتے ہو تو میں تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا چکا ہوں، اور میرا رب یہ قدرت رکھتا ہے کہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے ظلم کی بدولت ہلاک کر دیئے گئے۔ قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ کی قوم نے بھی آپ کی تکذیب کی۔ اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، جو اللہ کی نشانی تھی اور جسے برائی کے ساتھ مس کرنے سے منع

فرما دیا گیا تھا۔ ان کو بھی عذاب نے پکڑا اور یہ نابود ہو گئے۔ ان کے مساکن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑے قوی لوگ تھے۔ پہاڑوں میں گھر تراشتے تھے۔ شیطان نے ان کی کارکردگی کو اس قدر زینت دے کر ان کے سامنے رکھا کہ وہ اس پر فریفتہ ہو گئے اور اسی کو اپنا امتیاز جاننے لگے۔ یہ اللہ کی راہ سے رک جانے والی بات تھی۔ ان کی ہوشیاری دنیا کے کاموں میں بہت تھی مگر ان لوگوں نے شیطان کی انسان دشمنی کو پیش نظر نہیں رکھا، اس لئے ان کی ہوشیاری ان کے لئے مفید نہ بنی۔

حاصل : اپنی صلاحیتِ کار اور استعداد کو اپنی بڑائی ثابت کرنے کی بجائے، اللہ کے فضل کی بدولت دیکھا جائے تو شیطان کے دھوکے سے بچ جانا ممکن ہوتا ہے۔ ورنہ خود فریبی کا دھوکہ شیطان کا وہ ہتھیار ہے جس سے ہوشیار بھی بچتے نہیں دیکھے گئے۔

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿٣٩﴾

اور قارون اور فرعون اور ہامان، بے شک ان کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے، تو انہوں نے زمین میں استکبار کیا، اور وہ ہم پر سبقت نہیں حاصل کر سکتے تھے۔

قارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا، عملاً وہ فرعون کا ساتھی تھا۔ فرعون اور ہامان کا تعلق یہ تھا کہ خلاف حق کرنے میں انہیں اپنا امتیاز نظر آتا تھا۔ فرعون کا امر تو راستی کا نہیں ہوتا تھا۔ ہامان اپنی اغراض کے لئے سعی کرتا رہتا تھا۔ ان لوگوں کے پاس، جو سرمایہ بھی رکھتے تھے، اختیار و اقتدار بھی رکھتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری بڑی روشن نشانیوں کے ساتھ تھی۔ جس غلط فہمی کی بنا پر ان لوگوں نے حق کا انکار کیا، وہ غلط فہمی ان کی آنکھوں کے سامنے قطعاً دور ہو گئی۔ ان لوگوں کو حق کے ماننے میں اپنی بڑائی ختم ہوتی نظر آئی، تو انہوں نے حق کو ماننے کی بجائے استکبار کا راستہ اختیار کیا۔ زمین میں بڑا بننے کی طلب میں وہ کہاں تک جا سکتے تھے۔ زمین کے خزانوں کے تو وہ مالک نہیں تھے۔ مشیت الٰہی کے تحت ہی اپنی حیثیت کا اظہار کر سکتے تھے۔ وقت بھی ان کے پاس محدود ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑائی کا اظہار کرنا بڑی ہی بے سمجھی کی بات ہے۔

حاصل : متاعِ حیات، توفیق اور وقت یہ سب اللہ ہی دیتا ہے۔ ان ہی کی بنا پر خلاف حق کرنے والے استکبار کا اظہار کرتے ہیں۔ جو اپنا مقام نہ پہچانے اس کی کسی بات کو وقعت نہیں دینی چاہئے، اس کی پیروی میں خسارہ ہی خسارہ ہوتا ہے۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ

تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ پر پکڑا۔ تو ان میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ بھیجا اور

الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾

ان میں سے کسی کو چنگھاڑ نے پکڑا، اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔ اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا۔ اور ایسا نہیں ہوا کہ اللہ نے ان پر ظلم کیا ہو لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے منکرین حق کو ان کے جرائم کے مطابق عذاب میں پکڑا۔ قوم لوط پر پتھراؤ کیا گیا۔ اہل مدین پر چنگھاڑ کا عذاب آیا۔ قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ فرعون و ہامان کو غرق کر دیا گیا۔ ان میں سے کسی کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں کیا گیا، کہ ظلم اللہ کی شان کے لائق ہی نہیں۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو جس طرح خلاف حق استعمال کیا اسی کے مطابق ان کو سزا دی گئی۔ اس طرح یہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔

حاصل: سزا کو جرم کے مطابق ہونا چاہئے۔ اللہ کی پکڑ سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ خلاف حق کرنا ظلم ہے اور یہ مومنین کا طریق زندگی نہیں ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

مثال ان لوگوں کی جنھوں نے اللہ کے مقابل اور دوست بنا لئے ہیں ایسے ہے جیسے مکڑی کی مثال۔ اس نے ایک گھر بنایا، اور بے شک سب گھروں میں بودا گھر، مکڑی کا گھر ہی ہے، کہیں انھیں معلوم ہو۔

اللہ خالق کل ہے، علیم مطلق ہے، مالک یوم الدین ہے۔ بندہ اسی کی طرف سے آیا ہے، اسی کی طرف مراجعت کرے گا۔ حق وہ ہے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور حق پہنچانے والوں نے عملاً وہ کر کے دکھایا ہے۔ اب اگر کوئی اللہ کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی میں کسی اور کو دوست بنا لیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنا ایک عقیدہ رکھتا ہے، اس کی زندگی اس عقیدے کے مطابق گزر رہی ہے اور وہ ایک پناہ گاہ میں ہے جہاں وہ حقائق کا سامنا کر سکتا ہے، تو اسے جاننا چاہئے کہ اس کا عقیدہ، اس کی پناہ گاہ مکڑی کے جالے کی طرح ہے جو محل وقوع کے اعتبار سے کسی اونچی جگہ پر ہو سکتا ہے، مگر ہوتا انتہائی کمزور ہے۔ کسی دباؤ کو برداشت کرنے کی سکت اس میں نہیں ہوتی۔

حاصل: اپنے عقیدے کے درست ہونے کی سند ہمارے پاس ہونی چاہئے۔ قادر مطلق کی دوستی

کے مقابل جو راستہ اختیار کیا جائے گا وہ اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالنے والی بات ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾

بے شک اللہ کو علم ہے اس کے مقابل جس شے کی عبادت کرتے ہیں۔ اور وہی عزت والا حکمت والا ہے۔

جس شے کو بھی لوگ اپنا معبود بناتے ہیں، وہ شے اللہ کی تخلیق کردہ ہوتی ہے۔ اللہ سے کسی کی نیت بھی مخفی نہیں ہوتی، اس لئے اسے بہرحال علم ہوتا ہے کہ کس مقام پر کس وقت کیا کیا جارہا ہے۔ جب اپنی پسند کا نتیجہ حاصل کرنے کے لئے خلاف حق کیا جائے تو یہ شرک خفی ہوتا ہے کہ نظر آنے والا اہت وہاں نہیں ہوتا، کام وہی ہوتا ہے جو مشرک کرتے ہیں۔ اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے اور کوئی اس کی قدرت کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔ حکیم مطلق کی حکمت ہی سب سے بڑی اور پوری ہے، اس کے مقابل کسی حکمت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ معبود کی شان ہے کہ وہ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔ اس کے مقابل جس کو بھی مانا جائے گا، نہ وہ عزت والا ہوگا، نہ وہ حکمت والا ہوگا۔

حاصل : اللہ کے مقابل جس شے کو بھی معبود بنایا جائے، وہ قطعاً خلاف حق ہے۔ ایسا عقیدہ مکڑی کے جالے کی طرح ہے۔ معبود کی شان ہے کہ وہ عزت والا حکمت والا ہے۔ اللہ کے ساتھ سے ہی بندہ قوی ہو سکتا ہے۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾

اور یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں؛ اور عقل تو وہی کرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

مذکورہ مثالیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ مقصد بیان یہ ہے کہ لوگ حال پر ان مثالوں سے اپنا ذاتی اور اجتماعی تعلق دیکھیں، اپنے رخ کو دیکھیں، ماضی میں ہونے والی خرابیوں کو دہرانے سے بچیں، اور کبھی اپنی پسند کو حق کے مقابل قابل ذکر نہ سمجھیں۔ اتباع انہی لوگوں کا کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتے ہیں، اور لوگوں کو ان کی خواہشات کے دائرے سے نکلنے میں مدد دیتے ہیں۔ عقل کرنا طالب ہدایت کی نشانی ہے، اور عقل کرنا یہ ہے کہ ہم اپنی خواہشات کے حوالے سے حال پر کہاں ہیں اور حق کے مطابق ہمیں کہاں ہونا چاہئے۔ پہلا درجہ قول ہے دوسرا درجہ عمل ہے۔ عمل کے بعد علم عطا ہوتا ہے۔ علم سے اپنا تضاد دور کرنے والے عقل والے ہوتے ہیں۔

حاصل : مثال سے سیکھنا آسان ہوتا ہے۔ اپنے حال سے اس کے تعلق کو دیکھا جائے، بیان کرنے والے کی شان کو دیکھا جائے، اپنے علم کو تضاد سے پاک ہونے کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ

عقل کرنے کا ثبوت ہو گا۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق فرمایا۔ بے شک اس میں مومنین کے لئے نشانی ہے۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق لوگوں کی تخلیق کے مقابل بہت بڑی بات ہے۔ جہاں بھی کوئی مصروف کار ہے وہ آسمان اور زمین سے اپنے تعلق کو دیکھتا ہے۔ اگر وہ حق کو مانتا ہے تو آسمان و زمین سے اس کی تائید ہو گی۔ اگر وہ حق کا انکار کرتا ہے تو یہ مفسدین کی راہ اختیار کرنے والی بات ہو گی۔ اس کا انجام ہمیشہ بربادی ہی ہوتا رہا ہے۔ ایمان والے یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں خوف و حزن سے نجات پانا، ہدایت یافتہ لوگوں کی پیروی کرنے سے نصیب ہوتا ہے، صرف مال کسی کو راحت نہیں دے سکتا۔ مال کا حق کے مطابق استعمال ہی باعث راحت ہوتا ہے۔ زمین میں خلاف حق کرنے کی جو کوششیں بھی ہوئی ہیں، ان کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوا ہے۔ کوئی شے جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے، اسی مقصد کے لئے استعمال ہو گی، تو خالق کل کی طرف سے رحمت و برکات کا نزول ہو گا۔

حاصل : ہر مقام پر اپنے قول و فعل کو حق کے مطابق رکھنا لازم ہے۔ مومنین اللہ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور نشانیاں حال پر موجود ہوتی ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مومن (40) میں فرمایا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق لوگوں کی تخلیق کے مقابل بڑی ہے، ولیکن اکثر لوگوں کو علم نہیں ہے۔

الجزء الحادی والعشرون ۲۱

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

تلاوت کرو جو کتاب سے تمہاری طرف حکم فرمایا گیا ہے، اور نماز قائم کرو، بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ اور اللہ کو علم ہے جو تم کرتے ہو۔

مومن کو یہ حکم ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کو اپنا معمول بنائے، نماز فجر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کو ہمیشہ جاری رکھے کہ یہ دین کا ایک رکن ہے۔ تلاوت کا مقصود یہ ہونا چاہئے، کہ حکم خداوندی کی بڑے ادب سے اطاعت کرنی ہے، اس

لئے دھیان رکھنا ہے۔ وہی کرنا ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ تلاوتِ قرآن کے بعد نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز اس طرح قائم ہوتی ہے کہ اس کے وقت سے پہلے اس کی نیت کی جائے، اس کے لئے تیاری کی جائے، اس کے لئے وضو کیا جائے اور وقت مقررہ پر اسے ادا کیا جائے۔ برائی اور بے حیائی سے روکنا نماز کی صفت ہے۔ شرم گاہوں کی حفاظت نہ کی جائے اور پاکیزگی کو قائم نہ رکھا جائے تو بے حیائی پھیلے گی۔ حق کے مقابل من مانی کرنے کی تمام صورتیں جن کا تعلق زینتِ حیاتِ دنیا کے ناحق حصول سے ہو، بُرائی میں شمار ہیں۔ نماز ان دونوں سے روکتی ہے۔ خلوت و جلوت میں کسی بھی مقام پر بندے کو من مانی کرنے سے روکنا نماز کی صفت ہے۔ بندہ نماز میں اللہ کے سامنے پاک رہنے کا عہد کرتا ہے۔ جب کبھی نماز کے بعد اس کا قدم خلاف حق اٹھنے لگتا ہے تو نماز میں کیا ہوا عہد فوراً اس کے سامنے آتا ہے، اور وہ برائی کے ارتکاب سے رک جاتا ہے۔ اللہ کا ذکر کرتے رہنا سب سے اہم کام ہے، اور ہمہ وقتی کام ہے۔ زبان کا کام ہے ہلتے رہنا۔ اس کو اگر اچھی طرح نہ لگایا جائے تو بری طرف لگنے سے اس کو روکنا ممکن نہیں ہوتا، اور ذکر الٰہی سے بہتر کوئی کام نہیں ہے۔ کہیں خفی ذکر کیا جائے، کہیں جلی کیا جائے۔ جس صفت کا ذکر کیا جائے، وہ ذاکر میں موجود ہو تو اللہ سے اس کے تعلق کا اظہار ہو گا۔ مثلاً ذکر کیا جا رہا ہے یا رحیم یا رحیم تو ذاکر کو عبدالرحیم رہ کر دکھانا چاہئے۔ اگر وہ لوگوں پر اپنے معبود کی شان کے حوالے سے رحم نہیں کرتا تو پھر وہ اپنی صداقت کا ثبوت کیا رکھتا ہے۔ بندہ جو بھی کرے، اللہ کو اس کی نیت کا بھی علم ہوتا ہے، اس کے کام کا بھی علم ہوتا ہے۔

حاصل : تلاوتِ قرآنِ پاک بڑی مبارک مصروفیت ہے۔ نماز قائم کرنی چاہئے۔ بُرائی اور بے حیائی سے روکنا نماز کی صفت ہے۔ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا ہمہ وقتی کام ہے، اس میں غفلت بندے کو زیب نہیں دیتی۔ جو کام بھی کیا جائے، حق کے مطابق کرنا چاہئے۔ ذکر کرنے والے کو جو تقویت ملتی ہے وہ کسی دوسرے کے گمان میں بھی نہیں آسکتی۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور اہلِ کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر بطریق احسن، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا، اور کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل ہوا اور جو تمہاری طرف نازل ہوا، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کو مانتے ہیں۔

مومنین کو یہ حکم دیا گیا ہے، کہ اہل کتاب سے مجادلے کی صورت بنے تو اسے بطریق احسن سرانجام پانا چاہئے۔ دعوتِ حق دینے والے کو یہ دیکھنا چاہئے، کہ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طریقت سے انحراف نہ کرے۔ جہاں بھی اس کی انا سامنے آجائے گی، مقصود اللہ کی رضا نہ ہوگی۔ سننے والے کی منفی بات میں بھی اچھے معنی دیکھے جائیں تو مجادلے میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ ظالم لوگوں کے اندر حق کو قبول کرنے کی استعداد نہیں رہتی، ان سے مجادلہ نہیں کرنا چاہئے۔ ان سے اعراض کرنا بہتر

ہے۔ اگر انہیں جواب بھی دینا ہو تو انہی کے استدلال کے اندر ان کی بات کا جواب موجود ہوتا ہے، وہی ان کے لئے موزوں جواب ہوتا ہے۔ اہل کتاب سے یہ کہنا چاہئے کہ جو کچھ ہماری طرف بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ جو کچھ تمہاری طرف بھیجا گیا تھا، ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا تمہارے ساتھ یہ رشتہ ہے۔ کہ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے، جو لاشریک ہے، اور ہم اسی کو مانتے ہیں، آپ بھی اسی کو جانتے ہیں۔ اہل کتاب کے کسی نظریئے کی تصدیق یا تردید نہیں کرنی چاہئے۔ صرف یہ کہنا چاہئے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے وہ حق ہے۔

حاصل : مجادلہ کرنا بڑے علم والوں کا کام ہے۔ ظالم لوگوں سے بات کرنے کی بجائے ان سے اعراض کرنا بہتر ہے۔ اہل کتاب سے اپنے تعلق کو اس طرح بیان کرنا چاہئے کہ بات ان پر روشن ہو۔ یہ کہنا چاہئے، جو ہماری طرف بھیجا گیا ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہم اس پر بھی ایمان لائے ہیں، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور ویسے ہی ہم نے تمہاری طرف کتاب بھیجی۔ تو وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی، اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور کچھ ان میں سے بھی ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور کافر ہی ہماری آیات کے منکر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور شریف نازل فرمائی، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات شریف نازل فرمائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل شریف نازل فرمائی، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف نازل فرمایا۔ اہلِ کتاب وہ لوگ ہیں جو پہلی آسمانی کتابوں کو مانتے ہیں، انبیاء سابقین کی تعلیمات کی روشنی میں اس ذاتِ بابرکات کو دیکھتے ہیں جس پر قرآنِ پاک کا نزول ہوا ہے اور جو اُمّی نبی ہے، تو وہ آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی آپ پر ایمان لاتے ہیں، جو اہلِ کتاب سے نہیں ہیں، مگر طلب ہدایت رکھتے ہیں۔ طبعی صورت یہی ہے کہ اللہ کی آیات پر ایمان لایا جائے۔ ہدایت کی طلب ہو تو اللہ کی آیات کو پانے کے بعد انہیں تسلیم کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ جو لوگ اللہ کی آیات کے منکر ہوتے ہیں وہ یقیناً کافر ہوتے ہیں۔

حاصل : اہلِ کتاب سابقہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات کی روشنی میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں۔ طالبِ ہدایت رکھنے والے لوگ آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ آپ کا انکار کرنے والے بلاشبہ کافر ہیں۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اس سے قبل آپ کسی کتاب کی تلاوت نہ کرتے تھے، نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے، ایسا ہوتا تو یہ جھٹلانے والے ضرور شبہ میں پڑتے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ لوگوں کے سامنے تھی۔ اہل کتاب بھی آپ کو دیکھتے تھے دوسرے لوگ بھی آپ کو دیکھتے تھے۔ آپ نے کسی آسمانی صحیفے کی تلاوت نہیں کی، آپ نے آسمانی کتابوں کی تلاوت نہیں کی، نہ آپ لکھنا جانتے تھے۔ جو کچھ آپ نے بیان فرمایا اس کا علم کسب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ماننے والوں کی آسانی کے لئے اللہ نے یہ صورت رکھی ہے کہ وہ علم لدنی کی روشنی کو پہچان سکیں۔ اگر پڑھنا لکھنا آپ کا معمول ہوتا تو جھٹلانے والے یقیناً آپ کے بارے میں شبہے کا اظہار کرتے۔ قرآن پاک کی مثل پیش کرنے سے منکرین حق ہر زمانے میں اپنی بے بسی کا اعتراف کرتے رہے ہیں۔

حاصل : قرآن پاک کے نزول سے پہلے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے بھی نہیں تھے، لکھتے بھی نہیں تھے۔ جو حقائق و معارف آپ کی زبان پاک سے بیان ہوئے، ان میں اہل کتاب کے لئے بڑی روشن نشانیاں تھیں، علم کسب والے بھی علم لدنی کی شان کو دیکھ رہے تھے۔ شبہے میں پڑنے کی گنجائش، اللہ نے نہیں رکھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی لوگوں پر بڑی مہربانی ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

بلکہ وہ روشن آیات ہیں ان کے سینوں میں، جنھیں علم عطا فرمایا گیا، اور ظالم ہی ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں۔

اہل کتاب سے وہ لوگ جو خاتم النبیین کی بعثت کے منتظر تھے، وہ آپ کی نشانیوں کا علم رکھتے تھے۔ ان کے لئے قرآن پاک کی آیات روشن اسناد کا درجہ رکھتی ہیں۔ وہ جانتے ہیں، پہلی کتب سماوی میں جن صاحب کی تشریف آوری کی بشارت دی گئی ہے ان کی نشانیاں بھی بیان فرمائی گئی ہیں، قرآن پاک بھی ان میں سے ایک نشانی ہے۔ علم والے اس کو پہچان کر شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں وہ وقت نصیب ہوا ہے۔ جس کے لئے مخلصین دعا کرتے رہے ہیں۔ طبعی طور پر اللہ کی آیات کو ماننا، طلب ہدایت رکھنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ کی آیات کا انکار تو ظالم ہی کرتے ہیں، کہ انھیں حق کے مقابل اپنی خواہشات کی پیروی عزیز ہوتی ہے۔

حاصل : طلب ہدایت ہو تو حق کی روشن نشانیاں نظر آتی ہیں اور دل کی آنکھوں سے نظر آتی ہیں۔ جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں، ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں

میں ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

اور کہتے ہیں آپ پر آپ کے رب کی کچھ نشانیاں کیوں نہ اتریں۔ فرما دیجئے نشانیاں تو عنداللہ ہی ہوتی ہیں، اور میں تو صاف ڈر سنانے والا ہوں۔

منکرین کے نزدیک نشانیوں سے مراد، معجزات کا ظہور ہے۔ آپ سے پوچھا گیا، کہ معجزات رسالت کے ساتھ ہوتے رہے ہیں، آپ کے ساتھ معجزات کیوں نہیں اتارے گئے، تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ معجزات کا عطا کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہ جو بھی کرتا ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔ اسے حال کی ضروریات کا جو علم ہوتا ہے وہ کسی دوسرے کو ہوتا ہی نہیں۔ اس نے معجزات سے کسی بھی حال پر علم کسب پر علمِ الٰہی کی فوقیت کو روشن کیا ہے۔ لوگ معجزات طلب کرتے رہے ہیں، مگر معجزات کی بےقدری کرنے پر انہیں ہلاک کر دیا جاتا رہا ہے۔ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ حق آپ کو سنا دوں اور انجام سے کماحقہٗ آپ لوگوں کو آگاہ کر دوں، حکمِ الٰہی کے مطابق یہ کام کر دیا گیا ہے۔

حاصل : معجزات یقیناً علمِ الٰہی کی فوقیت کو ثابت کرتے رہے ہیں، مگر حق کو روشن کرنے کے لئے اور بھی نشانیاں ہوتی ہیں۔ معجزات کے انکار کے بعد اصلاحِ حال کے لئے مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ علیم مطلق ہی جانتا ہے کس حال پر کیا بہترین ہے۔ وہ جو بھی کرتا ہے اپنے علم سے کرتا ہے، بندے کا حق یہی ہے کہ وہ امرِ الٰہی کی تعمیل میں لگا رہے۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع

کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے، کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی کہ وہ ان پر پڑھی جاتی ہے۔ بےشک اس میں رحمت اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

طلبِ ہدایت رکھنے والوں کے لئے یقیناً یہ کافی ہے، کہ کتاب اللہ کا نزول امّی نبی پر ہوا ہے، جس کی مثل پیش کرنا منکرینِ حق کی اجتماعی کوشش سے بھی ممکن نہیں۔ وہ کتاب اللہ، ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔ وہ اس کے اندر بیان کردہ حقائق کو سنتے ہیں۔ اصلاحِ حال کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہے، وہ اللہ نے اپنے علمِ مطلق سے اس کتاب میں رکھا ہے۔ اس کے اندر رحمت بھی ہے، اس میں نصیحت و یاد دہانی بھی ہے، اور اس رحمت و نصیحت سے فائدہ بھی اٹھایا جا رہا ہے۔ جو لوگ حق کو مانتے

ہیں، ان کا رخ درست ہو جاتا ہے۔ جن کا رخ درست ہو جاتا ہے، ان کے لئے قرآنِ پاک ایسی نصیحت ہے، جس میں ماننے والے کی فلاح کی سند موجود ہے۔

حاصل : طلبِ ہدایت ہو تو حال پر اللہ تعالیٰ کی عطا ہمیشہ پوری معلوم ہوتی ہے۔ ایمان لانے والے لوگ اپنے حال سے یہ گواہی دے رہے ہیں، کہ انہوں نے اللہ کی رحمت سے اور اس کی نصیحت سے فیض پایا ہے، اور پا رہے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل (27) میں فرمایا ہے۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿١﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾

یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں، ہدایت و بشارت مومنین کے لئے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٥٢﴾

فرما دیجئے، میرے اور تمہارے مابین اللہ کی گواہی کافی ہے، اسے علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور وہ لوگ جو باطل پر ایمان لائے اور اللہ سے کفر کیا وہی خسارے والے ہیں۔

اللہ کا فرمان علمِ مطلق سے ہے، اس لئے اس کی گواہی بھی بے مثل ہے۔ اس کی گواہی یہ ثابت کرتی ہے، کہ بندہ اسی کی طرف سے آیا ہے، اسی کی طرف مراجعت کرے گا۔ اس کو رخ کے اختیار کرنے کی جو آزادی دی گئی ہے، اس کے لئے یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، اللہ کا پیدا کردہ ہے۔ اس لئے کسی بھی شے کا درست استعمال وہی ہو گا، جو اللہ نے پسند کیا ہے۔ جو لوگ حق کو نہیں مانتے وہ باطل کو ماننے سے بچ نہیں سکتے۔ جو باطل کو مانتا ہے، وہ اللہ کا انکار کرتا ہے۔ اللہ کے منکر کا گمان اسے حال پر بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا آخرت میں بھی اسے خسارے سے نہیں بچا سکتا۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کا ایسا استعمال کہ حیاتِ دنیا میں وہ خوف و حزن کا باعث ہو، اور آخرت میں وہ صریحاً خسارے کا باعث ہو، قطعاً ناشکری ہے۔

حاصل : اللہ کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے۔ طبعی طور پر وہی کرنا اچھا لگتا ہے جو حق ہے۔ حق کا انکار کرنے والے باطل پر ایمان لانے سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ کا انکار کرنے والا حال پر بھی خسارے میں ہوتا ہے آخرت میں بھی خسارے میں رہے گا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى

اور آپ سے عذاب کے لئے جلدی مچاتے

لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

ہیں۔ اور اگر ایک اجلِ مسمّٰی نہ ہوتی، ان پر عذاب آجاتا۔ اور وہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں شعور بھی نہ ہو گا۔

خلاف حق کرنے کے انجام سے منکرین حق کو ہمیشہ ڈرایا جاتا رہا ہے۔ اس کے جواب میں وہ یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں، کہ جس عذاب سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے وہ آ کیوں نہیں رہا، وہ جلدی آئے تو ہم اس کو دیکھیں۔ اللہ نے جو بھی کیا ہے وہ اپنے علم سے کیا ہے۔ کس کو کس قدر مہلت دینی ہے، یہ بھی اللہ جانتا ہے۔ اتمامِ حجت کی باقی صورتیں کیا ہوں گی، یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والوں پر عذابِ الٰہی اچانک آئے گا، اور انہیں اس کا شعور بھی نہ ہو گا۔ وہ اس طرح پکڑ لئے جائیں گے کہ ندامت ان پر چھا رہی ہو گی اور وہ بالکل بے بس ہوں گے۔

حاصل: عذاب کے لئے جلدی مچانا منکرینِ حق کی ایک نشانی ہے۔ عذابِ الٰہی اللہ کے حکم سے آتا ہے، اچانک آتا ہے، اور حق کا انکار کرنے والوں کو اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ۙ

آپ سے عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں، اور بے شک جہنم کافروں کا احاطہ کر رہی ہے۔

عذابِ الٰہی کے لئے جلدی مچانے والے یہ نہیں دیکھتے، کہ ان کو جو متاعِ حیات دی گئی ہے، وہ بھی استعمال ہو رہی ہے، عمل کے لئے دیا گیا وقت بھی گزر رہا ہے، گزرا ہوا وقت لوٹ کر بھی نہیں آتا، پھر جزا کا انکار کب کسی کو جزا سے بچا سکتا ہے۔ خلافِ حق کرتے ہوئے منکرینِ حق اپنے جلانے کا سامان جمع کرتے رہتے ہیں۔ اس احاطے سے نکل جانا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح دوزخ ان کا احاطہ کر رہی ہوتی ہے۔

حاصل: عذابِ الٰہی کے لئے جلدی مچانے والے، دوزخ کے احاطے میں گھر چکے ہوتے ہیں، اور وہ احاطہ ان پر تنگ ہو رہا ہوتا ہے، حتیٰ کہ انہیں اچانک پکڑ لیا جاتا ہے۔

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

جس دن عذاب ان کے اوپر سے انہیں ڈھانپ لے گا اور ان کے پاؤں کے نیچے سے، اور فرمایا جائے گا چکھو جو عمل تم کرتے تھے۔

جزا کا انکار کرنے والے اپنے اعمال کی جزا بصورت عذاب اس طرح پائیں گے، کہ عذاب ان کو اوپر سے بھی ڈھانپ رہا ہو گا۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی ان کو لپیٹ رہا ہو گا۔ عمل، عامل کو گھیر رہا ہو گا، تو عامل سے پوچھا جائے گا۔ کیا یہ حق نہیں ہے، اور یہ وہی مقام نہیں ہے جس سے تم کو آگاہ کیا گیا تھا۔ وہ کہے گا، یقیناً ایسا ہی ہے۔ فرمایا جائے گا، تو چکھو اپنے اعمال کی جزا۔

حاصل : جس کا اوڑھنا بچھونا خلافِ حق ہو، جو جزا کا انکار کرتا چلا جائے، اسے عذاب اوپر سے ڈھانپ لے گا، اس کے پاؤں کے نیچے سے بھی اس کو گھیر لے گا۔ اس وقت معبودِ لاشریک کی طرف دیکھا جائے گا تو وہ فرمائے گا، یہی تمہارے اعمال کی جزا ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، بے شک میری زمین وسیع ہے، تو میری ہی بندگی کرو۔

عبد اور معبود کا طبعی تعلق ہمیشہ عبد کی غفلت سے متاثر ہوتا ہے۔ جب عبد غفلت کے دائرے سے نکلے تو سب سے پہلے اسے معبود ہی نظر آتا ہے۔ وہ مقامات جہاں اللہ کی بندگی کا حق ادا کرنے میں مشکل حالات کا سامنا ہو، وہاں کچھ سہولتیں ضرور موجود ہوتی ہیں۔ مگر یہ یقین بھی ہونا چاہئے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے، اس کے خزانے بڑے ہیں، وہ جو چاہے عطا کر سکتا ہے۔ ہجرت کا مقصد خلوت و جلوت میں اللہ کی بندگی ہی ہونا چاہئے۔ اللہ کی بندگی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی احسن ادائیگی کا نام ہے۔ اللہ کی بندگی کے مقابل کچھ سہولتوں کو دیکھتے ہوئے منکرین حق کے ساتھ رہنے کو قبول کر لینا، اللہ پر عدم توکل ہے۔

حاصل : ایمان والے ناصحین سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کے لئے اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ اللہ کی بندگی کے مقابل مومنین کو کچھ عزیز نہیں ہونا چاہئے۔ عبد کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ معبود جو کچھ عطا کر سکتا ہے اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ معبود پر توکل سے جو قوت حاصل ہوتی ہے، اس کی صرف یہی صورت ہے اور اس کے بغیر مشکل مقامات سے سلامتی کے ساتھ گزرنا بھی ممکن نہیں ہوتا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾

ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، پھر ہماری طرف ہی مراجعت کرو گے۔

اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو خلق فرمایا ہے۔ اس جوڑے کا منشاء تخلیق یہ ہے، کہ دیکھا جائے، کس نے حق کو بطریقِ احسن ادا کیا ہے۔ حیات دنیا میں جو متاع بھی حاصل ہو، اس کو دو طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک طریقہ حق کے مطابق رہنا ہے، دوسرا طریقہ حق کے مقابل اپنی پسند کو ترجیح دینا ہے۔ پہلے طریقے کے مطابق زندگی گزارنے والے پاک لوگ

خوف و حزن سے بچ جاتے ہیں، دوسرے طریقے کے مطابق رہنے والے خوف و حزن میں مبتلا رہتے ہیں۔ واپسی تو سب کی صرف اللہ تعالٰی کی طرف ہی ہوتی ہے. خلاف حق کرنے والے کس ندامت کے ساتھ اللہ تعالٰی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

حاصل : موت سے کسی کو مفر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالٰی کی طرف لوٹ کر جانے سے بچنا محال ہے۔ پھر عقل یہی تقاضا کرتی ہے، کہ زندگی میں اللہ کی عطا کردہ توفیق کو طبعی طریقے پر استعمال کرتے ہوئے فلاح پانے والوں میں شمار ہونے کی سعادت حاصل کی جائے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ہم انہیں جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی اچھا اجر ہے عاملین کا۔

ایمان کا دعویٰ تکرار سے نہیں، صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو لوگ حیات دنیا میں اپنی خواہشات کے دائرے سے نکل جاتے ہیں، ان کا مقام یہاں بھی بلند ہوتا ہے، آخرت میں بھی بلند ہو گا۔ ان کے لئے ان کے درجے کے مطابق جگہ ہوگی۔ وہ جنت کے بالاخانوں میں ہوں گے، اور ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ زیر زمین پانی کے خاص حد کے اندر رہنے سے زمین زندہ رہتی ہے۔ زیر زمین پانی اگر سطح زمین کے بہت قریب آجائے تو بھی زمین کی قوت روئیدگی قائم نہیں رہتی، اور سطح زمین سے بہت نیچے چلا جائے تو بھی قوت روئیدگی قائم نہیں رہتی۔ جنت میں دائمی بہار کی صورت ہوگی۔ جنتی ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ جو کچھ عاملین کو حیات دنیا میں ملا وہ فانی تھا، انھوں نے فانی اشیاء کو حق کے مطابق استعمال کرنے کا صلہ دائمی انعام کی صورت میں پایا۔ اس سے اچھے اجر کا اور کوئی مقام نہیں ہو سکتا، کہ یہ سب سے بہتر اجر دینے والے کی طرف سے دیا گیا اجر ہے۔

حاصل : ایمان کے دعوے کو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت کرنا چاہئے۔ جنت میں حق کو ماننے والوں کا مقام ان کے درجے کے مطابق ہو گا۔ دائمی بہار میں زیر زمین پانی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ فانی اشیاء کو حق کے مطابق استعمال کرنے کا اجر دائمی انعام کی صورت میں ملے گا۔ یہ بہت خوب اجر ہو گا، کہ سب سے بہتر اجر دینے والے کی طرف سے ہو گا۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

جنھوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کیا۔

ایمان والے جو صالح عمل کرتے ہیں، جنہیں ان کے اعمال کا خوب اجر دیا جائے گا۔ ان کی دو صفات کا ذکر کیا گیا ہے، صبر اور توکّل۔ صبر یہ ہے کہ اپنے حال پر وارد ہونے والے دکھ کو باذن اللہ مانا جائے اور تعلق مع اللہ کی شان کی قدر کی جائے۔ توکّل یہ یقین رکھنا ہے کہ حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو حال پر درکار ہے وہ موجود ہے، جو مستقبل میں درکار ہوگا وہ رب تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا رہے گا۔ صبر اور توکّل بندے کی شان کو بڑھاتے ہیں۔ مشکل مقامات پر پورا رہ کر دکھانے والا لوگوں پر اتنا بڑا احسان کرتا ہے، کہ وہ اس کا اتباع کرتے ہوئے سلامتی کے ساتھ مشکل مقامات سے گزر جاتے ہیں۔

حاصل : صبر و توکّل بندے کی شان کو بڑھاتے ہیں۔ مشکل مقامات پر پورا رہنا قیادت کے حق کو ثابت کرتا ہے۔

وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾

اور کتنے ہی جانور ہیں، جو اپنے رزق کو اٹھائے نہیں رکھتے۔ اللہ انہیں رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔ اور وہی سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

رزق کے لئے بے چینی انسان کا ایک مسئلہ ہے۔ مشاہدے کے حوالے سے یہ بتایا جا رہا ہے، کہ رزق ضروریات زندگی میں مسلمہ اہمیت رکھتا ہے۔ جہاں بھی زندگی ہے وہاں رزق کا استعمال لازم ہے۔ ایسے بہت سے جانور ہیں، جو اپنے رزق کو اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ہی انہیں رزق دیتا ہے۔ ہمیں بھی اللہ ہی رزق دیتا ہے۔ ہماری پکار کو اللہ سنتا ہے، وہ ندائے خفی کے ساتھ ہو تو بھی اللہ سنتا ہے، اور اسے علم ہوتا ہے کہ ہماری ضرورت کیا ہے اور اس ضرورت کے ساتھ ناداری کا خوف کتنا ہے۔ اگر یہ یقین ہو کہ جو کچھ ہمیں درکار ہے وہ علیم مطلق کی طرف سے یقیناً مہیا کر دیا گیا ہے، اور جو موجود ہے یہی ہمارے لئے مفید ہے تو پھر بے چینی نہیں ہونی چاہئے۔ خواہشات کے حوالے سے کھانے والا اپنی سلامتی کو خطرے میں ڈال رہا ہوتا ہے۔

حاصل : جانوروں کا مشاہدہ کرنا چاہئے۔ ان کی ضروریات زندگی کو دیکھنا چاہئے۔ اپنی ضروریات زندگی کا ان کی ضروریات زندگی سے تقابل کرنا چاہئے۔ سفر میں صرف اپنے لئے کھانا ساتھ رکھنا درست نہیں ہے، جو کچھ بھی ہو اسے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھایا جائے اور اجتماعی سلامتی کو بھی دیکھا جائے۔ ہر ایک کو رزق دینا اللہ کی شان ہے۔ بندہ اپنی کارکردگی کو درست تناظر سے دیکھے تو اللہ کی شان کا پتہ چلتا ہے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ

اور اگر تم ان سے سوال کرو کہ ارض و سماوات کو کس نے خلق کیا ہے، شمس و قمر

اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾

کو کس نے مسخر کیا ہے، کہیں گے اللہ نے، پھر کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا دعویٰ کرنا صرف اللہ کی شان کے لائق ہے۔ ان کے خالق ہونے کا دعویٰ نہ کسی دوسرے نے کیا ہے، نہ کوئی دوسرا کبھی کر سکتا ہے۔ شمس و قمر کے خالق ہونے کا دعویٰ بھی اللہ کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ شمس و قمر اس کائنات میں جو اہمیت رکھتے ہیں، وہ روزمرہ مشاہدے میں آنے والے حقائق سے ہے۔ اللہ کے امر سے ہی یہ اپنے اپنے دائروں میں کام پر لگے ہوئے ہیں۔ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ رزق کے تمام اسباب اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ جب یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر خلافِ حق رزق کے جمع کرنے کی فکر کو بھی ختم ہو جانا چاہیے۔ اللہ نے جو بنایا ہے، استعمال کرنے والوں کے لئے بنایا ہے، علم سے بنایا ہے اور وہ اپنے لئے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔

حاصل : رزق کا تعلق ارض و سماوات اور شمس و قمر سے ہے، اور ان کا خالق اللہ ہے۔ جب اللہ ہی ہماری ضروریات کا سب سے بڑا جاننے والا ہے، وہی قادرِ مطلق ہے، وہی رزق دینے والا ہے تو پھر خلافِ حق رزق کے جمع کرنے کی سوچ کا جواز تو کچھ بھی نہیں ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾

اللہ رزق میں بسط دیتا ہے اپنے بندوں سے جس کے لئے چاہے اور تنگی دیتا ہے جس کے لئے چاہے، بے شک وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

رزق کو بڑھانا یا تنگ کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہ جس کے لئے چاہے اپنے علم سے اس کے رزق کو بڑھا دیتا ہے، جس کے لئے چاہے اپنے علم سے اس کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔ اللہ کا کام ہمیشہ بڑے علم سے ہوتا ہے۔ اس میں بندے کی فلاح یقیناً موجود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہوئے جو رزق حاصل کیا جائے گا وہ ناپاک ہو گا اور اللہ کا دیا ہوا نہیں ہو گا۔ ایسا رزق حاصل کرنے کی کوشش بندے کو راہِ حق سے ہٹا دیتی ہے۔

حاصل : رزق کو بڑھانے والا بھی اللہ ہے، تنگ کرنے والا بھی اللہ ہے۔ وہ سب سے بڑا علم رکھتا ہے۔ وہ بندے کے لئے جو کچھ بھی کرتا ہے اسی میں بندے کی بھلائی ہوتی ہے۔ خلافِ حق کر کے رزق کو بڑھانے کی کوشش بندے کو صریحاً خسارے میں ڈالتی ہے، ہوتا پھر بھی وہی ہے، جو اللہ چاہے۔

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً

اور تم ان سے سوال کرو کہ کس نے

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا۔ کہیں گے، اللہ نے۔ فرما دیجئے حمد اللہ ہی کی ہے۔ بلکہ وہ اکثر عقل نہیں کرتے۔

آسمان سے بارش کا برسنا زمین کو زندہ رکھنے کی صورت ہے۔ جب زمین اگانے کی صلاحیت کھو دیتی ہے، تو اسے مردہ زمین کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے آسمان کے پانی سے زندہ کر دیتا ہے، اور یہ کام اللہ ہی کرتا ہے۔ مُردہ زمین کو بارش کے مبارک پانی سے زندہ کرنے والا اللہ ہی ہے۔ حمد اسی کی ہے، یہ اس کی شان ہے کہ وہ سب کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ عقل کرنے والے لوگوں کو اپنا فکری تضاد دور کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ عقل کے استعمال سے یک سوئی حاصل ہوتی ہے۔ اگر یک سوئی حاصل نہ ہو تو یہ عقل نہ کرنے کا ثبوت ہے۔

حاصل : جو اللہ مُردہ زمین کو بارانِ رحمت سے زندہ کر سکتا ہے، وہ یقیناً موت کے بعد زندگی دینے پر قادر ہے۔ عقل کرنے والے لوگوں کو اپنا فکری تضاد دور کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ یک سوئی کا حصول طبعی طور پر عقل کرنے کی سند ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (35) میں فرمایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾

اے لوگو بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، تو ہرگز تمہیں حیات دنیا دھوکا نہ دے، اور ہرگز تمہیں اللہ کے حکم سے فریب نہ دے وہ بڑا فریبی۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور یہ حیاتِ دنیا تو لھو و لعب ہی ہے۔ اور بے شک دارِ آخرت زندگی ہے، اگر انہیں علم ہو۔

منکرینِ حق یہ کہتے ہیں کہ حیاتِ دنیا ہی ہے، اسی میں ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم موت کے بعد مبعوث نہیں ہوں گے۔ ان پر یہ واضح کیا جا رہا ہے، کہ حیاتِ دنیا تو کھیل اور تماشا ہی ہے۔ بندے کو متاعِ حیات دی گئی ہے، رخ کو اختیار کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ زینت حیاتِ دنیا کے حصول میں لوگ بڑے منہمک ہیں، حالانکہ وہ تو ہے ہی ان کے لئے۔ عقل کرنے کی طرف نہیں آتے، سنجیدگی کو اپنا طریق زندگی نہیں بناتے۔ آخرت میں ایسا نہیں ہو گا۔ رخ کو اختیار کرنے کی آزادی وہاں نہیں ہوگی۔ حیاتِ دنیا میں اختیار کردہ رخ کی جزا آخرت میں دی جائے گی۔ وہاں حقائق کا انکار کرنا ممکن نہ ہو گا۔ فلاح پانے والے دائمی راحت کے مقام پر ہوں گے، خسارے والے دائمی دکھ میں مبتلا ہوں گے۔ اس زندگی کے بعد موت کا مقام نہیں ہو گا۔

یقیناً دارِ آخرت بڑی زندگی ہے۔ اس کا علم تبھی ہو سکتا ہے جب لھو و لعب کے دائرے سے نکلنے کی کوشش کی جائے۔ من مانی کرنے کی بجائے حق کو اپنا طریقِ زندگی بنایا جائے۔ سنجیدگی زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کرے۔ وقت کے محدود ہونے کا یقین ہو۔ عمر کے لئے دیئے گئے وقت کے بارے میں یہ احساس ہو کہ اس کا ایک حصہ گزر چکا ہے۔ اس کا کچھ حصہ باقی ہے اور اصلاح حال کی توفیق صرف حال سے تعلق رکھتی ہے۔

حاصل : حیاتِ دنیا لھو و لعب ہی ہے۔ اس کو سنجیدگی کے ساتھ گزارنا عقل والوں کی طریقت ہے۔ آخرت کی زندگی کے بعد موت کا مقام نہیں ہو گا، وہ دائمی زندگی ہوگی۔ دائمی پاک دامنی والے دائمی انعام پائیں گے۔ خلافِ حق کرنے والے دائمی خسارے میں پڑیں گے۔ حقائق کا علم اسے ہی ہو سکتا ہے، جو لھو و لعب کے دائرے سے نکلنے کی کوشش کرے۔

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٦٥﴾

پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں، اللہ کو پکارتے ہیں، خالص اسی کے دین کے ہو کر، تو جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے، جبھی وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

حیاتِ دنیا کی لھو و لعب میں سرگرداں لوگ جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور وہ خود کو خطرات میں گھرا ہوا دیکھتے ہیں، تو ان کی سوچ وقتی طور پر بدل جاتی ہے۔ وہ اللہ کی مخلصانہ اطاعت کا عہد کرتے ہیں۔ اس عہد کے ساتھ سنجیدگی اسی قدر ہوتی ہے کہ جب وہ خطرات کے تھپیڑے سے نکال دیئے جاتے ہیں، جبھی وہ شرک کی پرانی ڈگر پر آجاتے ہیں اور ان کی پسند کے مقابل انہیں کچھ اہم نظر نہیں آتا۔

حاصل : حیاتِ دنیا کی لھو و لعب میں منہمک لوگ، خطرات میں گھر جائیں تو اللہ کی مخلصانہ اطاعت کا عہد کرتے ہیں۔ جب خطرات سے نکال دیئے جائیں، تو شرک کرنے لگتے ہیں۔

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

کہ ہماری عطا کی ناشکری کریں اور مزے اڑاتے رہیں، تو عنقریب وہ جان لیں گے۔

شرک کرنے والے، عطاء الٰہی کی ناشکری کرتے ہیں اور من مانی کرنے کے دائرے میں پھنسے رہتے ہیں۔ اللہ کی عطا کو خلافِ حق استعمال کیا جائے، تو یہ قطعاً ناشکری ہوگی۔ ناشکری سے کبھی راحت حاصل نہیں ہوتی، وقتی طور پر فرحت ہو سکتی ہے۔ مزے اڑانے والے ہمیشہ غافل ہوتے ہیں۔ فانی اشیاء کا خلافِ حق استعمال اور وہ بھی ایک محدود وقت کے لئے انہیں دائمی دکھ میں ڈال دیتا ہے۔ وقت تو گزر رہا ہے، کچھ ہی باقی ہے، اس لئے عنقریب انہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ خسارے میں جا

پڑے ہیں۔ مگر جب اصلاحِ حال کے لئے مہلت موجود نہ ہو، تو پھر اصلاح کی حسرت ہی رہ جاتی ہے۔

حاصل : مشرک، اللہ کی عطا کی ناشکری کرنے میں اور مزے اڑانے میں لگے رہتے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوتا ہے، کہ وہ خسارے کو اپنے لئے مقدر کر چکے ہیں، تو اصلاحِ حال کے لئے دیا گیا وقت ختم ہونے والا ہوتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے یہ جگہ حرمت والی اور امان والی ٹھہرائی ہے اور ان کے ماحول کے لوگ اچک لئے جاتے ہیں۔ تو کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کو اللہ نے حرمت والی جگہ ٹھہرایا ہے۔ اس کو اللہ نے امن والا شہر ٹھہرایا ہے۔ یہاں کے رہنے والوں کو اس جگہ کی حرمت کی قدر کرنی چاہئے۔ اس کے جائے امن ہونے کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اس کے ماحول میں جنگ و جدل ہوتا تھا، مگر مکہ مکرمہ کی حرمت کو لوگ مانتے تھے۔ اللہ کی اس نعمت کی قدر کرنے کا تقاضا تو یہی تھا، کہ اس مقام پر ہونے کی وجہ سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے، حق کو مانا جائے۔ جب حق کے مقابل باطل کو مانا جائے، تو اسے یقیناً کفرانِ نعمت کہا جائے گا۔

حاصل : مکہ شریف، حرمت والی جگہ ہے، امان والی جگہ ہے۔ اس مقام پر ہونے کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بندگی کا حق بطریقِ احسن ادا کرنا چاہئے۔ کفرانِ نعمت کرنے والے عقل نہیں کرتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے، جو اللہ پر کذب سے افترا باندھے یا حق کی تکذیب کرے جب وہ اس کے پاس پہنچے۔ کیا جہنم ہی کافروں کا ٹھکانا نہیں۔

اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑنا انتہائی ظلم ہے، اور ایسے مفتری کو اظلم کہا گیا ہے۔ جب حق، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے بیان ہو کر لوگوں تک پہنچ گیا، تو ماضی کے حوالے سے حق کی بھی تصدیق ہو گئی اور شاہد کو ان بشارتوں کی روشنی میں دیکھنا بھی نصیب ہوا جو کتبِ سابقہ میں خاتم النبیین کے متعلق مذکور تھیں۔ جو حق ہماری فلاح کے لئے نازل فرمایا گیا ہو،

اس کو اپنے لئے باعث خسران بنالینا بھی انتہائی ظلم ہے۔ ایسے ظالموں کا ٹھکانا جہنم ہی ہے، جو برائی کو جلانے کی جگہ ہے۔

حاصل : ظلم کو پہچاننا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ سے بچنا چاہئے۔ حق کی تائید کرنا، حق کو ماننا، ادب سے اس کو بطریقِ احسن ادا کرنا بھلے لوگوں کی نشانی ہے۔ خلاف حق کرنے والوں کا انجام جہنم ہی ہو گا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

اور جن لوگوں نے ہمارے لئے جہد کیا، ہم انہیں اپنی راہیں سجھا دیں گے، اور بے شک اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔

جو لوگ حق کی احسن ادائگی کو اپنا حال بنا لیتے ہیں، وہ مصائب و آلام کو باذن اللہ جانتے ہوئے صبر کرتے ہیں، اللہ کی رضا کو مقصود جانتے ہوئے جہد مسلسل میں لگے رہتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے، یہی دیکھتے ہیں کہ ان پر کیا حق عائد ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح نوازا جاتا ہے کہ ان کی ہر حال پر مدد کی جاتی ہے، انہیں درست راہوں کی طرف چلایا جاتا ہے، انہیں اطمینانِ قلب حاصل ہونے لگتا ہے، اور یہ لوگ اللہ کے "ساتھ" کا انعام پاتے ہیں۔ یہ "ساتھ" انہیں حال پر نصیب ہوتا ہے۔ اسی حال کا مستقبل بنے گا۔ یہی "ساتھ" انہیں آخرت میں بھی نصیب ہو گا۔

حاصل : اللہ کے لئے جہد کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ حال پر اپنی راہیں سجھا دیتا ہے۔ اللہ کا ساتھ نصیب ہو جائے تو اس سے بڑی کوئی راحت نہیں ہو سکتی۔ اللہ کا "ساتھ" محسنین کے "ساتھ" سے ملتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ لقمان (31) میں فرمایا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾

یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں، جو محسنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں۔

سُوْرَةُ الرُّوْمِ

اٰیَاتُہَا ۶۰ — رُکُوْعَاتُہَا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ حروف مقطعات

یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ان کا ایک مقام ہے۔ ان حروف کا آداب کے مطابق پڑھنا حق ہے۔

حاصل : سند سے بات کرنے والے، خاموشی کے مقام پر خاموش رہتے ہیں. بولنے کے مقام پر بولتے ہیں۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ رومی مغلوب ہوئے۔

رومیوں کی حکومت، اہل کتاب ہونے کے حوالے سے مشرکینِ عرب کے لئے ناپسندیدہ تھی۔ جب یہ حکومت ایرانیوں کے سامنے مغلوب ہوگئی جو مشرک لوگ تھے، تو مشرکین عرب کو ایرانیوں کی فتح میں اپنی بڑائی کے کئی پہلو نظر آنے لگے۔ انہوں نے رومیوں کے مغلوب ہونے کو ایک ایسے واقعہ کے طور پر بیان کرنا شروع کر دیا، جو ان کے خیال کے مطابق مومنین کے مغلوب ہونے کی صورت میں دہرایا جانے والا تھا۔

حاصل : اپنے دوست کا دشمن مغلوب ہو جائے، تو یہ اپنی فتح نظر آنے لگتی ہے۔ درست نتائج اخذ کرنے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہئے۔

فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ ساتھ کے ملک میں۔ اور وہ اس مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔

رومیوں کی حکومت بڑی وسیع تھی۔ عرب کے ساتھ اس کی حدود متصل تھیں۔ وہ اہلِ کتاب تھے۔ شرک سے بچنا ان کی تعلیمات کا اہم رکن تھا۔ ایرانیوں کے سامنے ان کے مغلوب ہونے کو حق کی شکست کے معنی دے دیئے گئے۔ مشرکین عرب کے اس احساس کی نفی کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا گیا، کہ رومی مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے، اور ان کی شکست، فتح میں بدل جائے گی۔ یہ دعویٰ ایسے حالات میں کیا گیا، جب رومیوں کے غالب ہونے کے لئے ظاہری اسباب کو ملحوظ

رکھتے ہوئے، یہ ماننا بہت مشکل تھا۔

حاصل : اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی خوشی اپنی خوشی معلوم ہوتی ہے۔ اسباب، اللہ کے حکم تحت ہوتے ہیں۔ حکم پہلے ہوتا ہے، اسباب اس کے مطابق بنتے چلے جاتے ہیں۔

فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾

چند برسوں میں۔ امر اللہ ہی کا ہے قبل بھی اور بعد بھی۔ اور اس دن مومنوں کو خوشی ہوگی۔

وہ لوگ جو رومیوں کے مغلوب ہونے پر بہت خوش تھے، انہیں یہ بتایا گیا، کہ چند برسوں میں یہ مغلوب رومی تمہیں فاتح نظر آئیں گے، اور کوئی ایسا نہیں ہے، جو اللہ کے امر میں حائل ہو سکتا ہو۔ جن حالات میں یہ فرمایا گیا، ان حالات میں یہ بات مشرکینِ عرب کو ناقابل تصور نظر آتی تھی، کہ رومی دوبارہ کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنوان رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے مطابق تصرف شروع ہو جاتا ہے۔ جب رومیوں کی شکست، مومنین کے لئے دکھ کا باعث تھی تو ان کی فتح سے مومنین کو خوشی بھی ہونی تھی۔

حاصل : حالات کی شکل امرِ الٰہی کے تابع ہوتی ہے۔ اللہ جو چاہے وہی ہوتا ہے۔ جس کی شکست، تکلیف دہ ہو، اس کی فتح سے خوشی بھی ہوتی ہے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۵﴾

اللہ کی نصرت سے۔ نصرت فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ اور وہی عزت والا، رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ کی مدد یہ شان رکھتی ہے، کہ اس کے مقابل کوئی تعداد، کوئی سامانِ حرب، کوئی تیاری اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اللہ کی مدد، اللہ کے علم سے ہوتی ہے۔ وہ جسے چاہے مدد دیتا ہے۔ جسے وہ مدد دیتا ہے، اس کی عزت بھی بڑھاتا ہے، اس پر رحم بھی فرماتا ہے۔

حاصل : اللہ کی مدد کے لئے دعا بھی کرنی چاہئے، اور عملاً وہ کام کرنے چاہئیں جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔ ہم جس کی مدد کریں، حق کے حوالے سے کریں، تو ہم اللہ کے ساتھ ہیں۔ جس کی مدد کی جائے اس کی عزت افزائی کرنا اور اس پر رحم کرنا ضروری ہوتا ہے۔

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾

اللہ کا وعدہ ہے۔ اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ولیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

رومیوں کے غلبے کے ساتھ، مومنوں کی خوشی کا وعدہ، اللہ کا وعدہ ہے۔ اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ جو لوگ اسباب کے حوالے سے بات کرتے ہیں، وہ علم سے بات نہیں کرتے۔ اسباب بھی تو اللہ کے علم سے بنتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کام کا عنوان رکھ دیا جاتا ہے، تو اسباب اس کے مطابق بننے لگتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کو قادر مطلق مانتے ہیں، وہ کبھی اسباب کے حوالے سے حق کو نہیں مانتے۔ یہی لوگ علم والے ہوتے ہیں۔

حاصل : ہمارے وعدے کو پورا ہونا چاہئے۔ وعدہ خلافی اللہ کے بندے کی صفت نہیں ہونی چاہئے۔ حق کے حوالے سے بات کرنے والے علم والے ہوتے ہیں۔ اسباب کی بنا پر بات کرنے والے علم والے نہیں ہوتے۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

حیاتِ دنیا کے ظاہر کا ہی علم رکھتے ہیں اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔

حیات دنیا میں ظاہری اسباب کی بنا پر کوئی حکم لگانا بڑے علم کی بات نہیں ہے۔ ظاہری اسباب کی شکل کو بدلنے کی قدرت رکھنے والا، اللہ ہے اور اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ ظاہر کے ساتھ باطن بھی ہوتا ہے۔ جو اس وقت ہو رہا ہے، اس کا ایک انجام بھی ہو گا۔ اس کو بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔ یہ آخرت پر یقین رکھنے کا طریقہ ہے۔ آخرت کا انکار کرنا اپنے آپ کو غفلت میں ڈالنا ہے۔ حیات دنیا جس کے حکم سے ہے، آخرت بھی اسی کے حکم سے ہوگی۔ جزا کا یقین نہ ہو تو یہ کبھی جزا سے بچ جانے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

حاصل : حیاتِ دنیا کے ظاہری اسباب کی بنا پر حکم لگانے والا اور آخرت سے غافل رہنے والا کبھی علم والا نہیں ہوتا۔ اس کی اطاعت دونوں جہان میں خسارے کا باعث ہی ہو سکتی ہے۔

اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ

کیا انہوں نے اپنے آپ میں تفکر نہ کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، حق کے ساتھ اور اجلِ مسمّٰی کے ساتھ خلق فرمایا ہے، اور

النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧

بے شک کثیر لوگ اپنے رب سے ملنے کو نہیں مانتے۔

اپنے اندر تفکر کرنے سے یہ نظر آنا چاہئے، کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے۔ آسمان بھی اسی نے بنائے ہیں، اور ان کا ہمارے ساتھ وہ تعلق ہے، جو ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے مگر پوری طرح ہمارے احاطہء علم میں نہیں ہے۔ زمین بھی اسی نے بنائی ہے اور اس سے ہمیں جو کچھ ملتا ہے، اس کی اہمیت مسلمہ ہے مگر اس کے بارے میں بھی پورا علم ہمیں نہیں ہوتا۔ آسمانوں اور زمین کے مابین بھی جو کچھ پیدا کیا گیا ہے، وہ بھی اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ نے کسی شے کو بے مقصد نہیں بنایا۔ جس وقت میں کوئی شے اپنا مقصدِ تخلیق پورا کرتی ہے، وہی وقت اس کے لئے اجلِ مسمّٰی ہوتا ہے۔ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہاں بھیجا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف واپس بھی جائے گا۔ جو وقت کسی بندے کے لئے اللہ نے رکھا ہے وہی وقت اس کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ اس کو بڑھانے پر بھی قادر ہے، کم کرنے پر بھی قادر ہے۔ مگر وہ جو بھی کرتا ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔ جس کو یہ یقین ہو کہ اسے اپنے رب سے ملنا ہے، وہ مقصدِ حیات سے غافل نہیں رہ سکتا۔ وہ وقت کو کھیل تماشے میں ضائع نہیں کر سکتا۔ جب کثیر لوگ اپنے مقصدِ حیات سے غافل ہوں اور کھیل تماشے میں پڑے ہوئے ہوں تو یقیناً وہ اپنے رب سے ملنے کا یقین نہیں رکھتے۔

حاصل : اپنے اندر تفکر کرنا چاہئے۔ آسمانوں اور زمین میں اور ان کے مابین جو کچھ ہے، اس میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔ ان کو دیکھنا چاہئے، اپنے مقام کو اور مقصدِ حیات کو دیکھنا چاہئے۔ اس وقت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے جو ہمیں دیا گیا ہے، اور جس کا کچھ ہی حصہ باقی ہے۔ اپنے رب سے ملنے کا یقین ہمارے عمل میں نظر آئے تو پھر بندگی کا حق ادا ہوتا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ ⑨

اور کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ نظر کرتے ان سے پہلے لوگوں کی عاقبت کیسی ہوئی۔ وہ قوت میں ان سے اشد تھے۔ انہوں نے زمین کو جوتا اور آباد کیا ان کے آباد کرنے سے زیادہ۔ اور ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ تو اللہ کی شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم کرتا، ولیکن وہ خود ہی

اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

زمین میں سیر کرنے کا منشاء یہ بتایا گیا ہے، کہ پہلے لوگوں کے انجام کو دیکھا جائے۔ ان سے اپنی حیثیت کا تقابل کیا جائے۔ ان کے کام ان کے آثار سے نظر آتے ہیں۔ اپنی کارکردگی کا ان کے کام سے تقابل کیا جائے۔ اپنے تمدن کو بھی ان کے تمدن کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے۔ اپنے فنون کو ان کے فنون کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ وہ لوگ بڑی قوت والے تھے، بہت محنتی تھے۔ ان کے کام میں نفاست تھی۔ انہوں نے زمین کو خوب جوتا، خوب آباد کیا۔ اور اس کام میں اتنے محو رہے کہ مرسلین سے اپنے مقصد حیات کے متعلق سب کچھ سن کر بھی غفلت کے دائرے سے باہر نہیں نکلے۔ جو کچھ وہ کرتے رہے، وہ خلافِ حق تھا، وہ ظلم تھا۔ اسی ظلم کے نتیجے میں وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کا کیا ہی ان پر پڑا۔ اللہ تو کسی پر ظلم کرتا ہی نہیں۔ جب وہ اپنے ظلم کے انجام سے بچ نہیں سکے۔ تو کسی دوسرے کو یہ خیال کیوں کر ہو کہ وہ اپنے ظلم کے انجام سے بچ سکے گا۔

حاصل : زمین میں سیر کرنے کا منشاء بیان فرمایا گیا ہے۔ سیر کرنا بھی بندگی کا ایک رکن ہو سکتا ہے۔ پہلے لوگوں کے انجام سے سیکھنا چاہئے۔ اپنی حیثیت کا ان کی حیثیت سے تقابل کیا جائے، اپنی کارکردگی کا ان کی کارکردگی سے تقابل کیا جائے تو اپنے انجام کو دیکھنا مشکل نہیں رہتا۔ خلافِ حق کرنے کا انجام تباہی ہی ہو سکتا ہے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوٓأَىٰٓ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١٠﴾ ع

پھر بُرا کرنے والوں کی عاقبت بُری ہوئی، اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے تھے، اور وہ ان کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔

جو خلاف حق کرتے رہے ہیں، ان کا انجام ہمیشہ بُرا ہوا ہے۔ ان لوگوں کا طریق زندگی یہ تھا، کہ وہ اللہ کی آیات کو، جب وہ ان کے پاس پہنچتی تھیں جھٹلاتے تھے، اور اللہ کے پاک بندوں سے جو حق کی تبلیغ کرتے تھے، ٹھٹھے کرتے تھے۔ جو لوگ حق کا مذاق اڑاتے ہیں وہ شیطان کے دوست ہوتے ہیں، اور وہ شیطان کے قابو میں ہوتے ہیں۔ ان لوگوں پر شیطان کا بس نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں۔ جو کفر کرے اس کے کفر کا وبال بھی اسی پر پڑتا ہے، اور جو صالح عمل کرے وہ اپنی بھلائی کے لئے تیاری کر رہا ہوتا ہے۔

حاصل : بُرا کرنے والوں کی عاقبت یقیناً بُری ہوتی ہے۔ بُرے انجام سے بچنے کے لئے بُرائی سے بچنا ضروری ہے۔ شیطان کے قابو سے بچنا تبھی ممکن ہوتا ہے جب ایمان کے ساتھ اپنے رب پر توکّل بھی ہو۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والوں سے اور حق کا مذاق اڑانے والوں سے تعلق رکھنا،

عذابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

شہادت : سورۃ یونس (10) میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾

بلکہ انہوں نے اس کی تکذیب کی جس کے علم پر احاطہ نہ پایا، اور ابھی انہوں نے اس کا انجام نہیں دیکھا۔ ایسے ہی ان سے اگلوں نے جھٹلایا تھا، تو نظر کرو ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔

اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾

اللہ ہی پہلی بار خلق فرماتا ہے پھر اعادہ فرمائے گا، پھر اسی کی طرف مراجعت کرو گے۔

خالقِ کل ہونے کا دعویٰ، بھی اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ جس نے خلق کو پہلی بار بنایا ہے، اور اس کو کوئی مشکل پیش نہیں آئی، اس کے لئے دوبارہ بنانے میں کوئی مشکل نہیں ہو سکتی۔ انسان کی پہلی پیدائش میں بھی اس کی پسند کو کوئی دخل نہیں ہوتا، دوبارہ بنانے میں بھی اس کی پسند کو کوئی دخل نہ ہو گا۔ جب صور پھونکا جائے گا، جبھی وہ اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے ہوئے نکلیں گے۔ اس وقت وہ اعتراف کریں گے، یہ ہے وہ جس کا الرحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا، اور مرسلین بالکل صادق تھے۔ مگر اس وقت حق کو ماننا نفع نہ دے گا، کہ حق کے انکار کی گنجائش ختم ہو چکی ہو گی۔

حاصل : جس نے پہلے خلق فرمایا ہے، وہی صانع دوبارہ بنانے کی یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف ہی جانا بھی ہو گا۔ غفلت بندے کو زیب نہیں دیتی۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٢﴾

اور جس دن ساعت قائم ہو گی، مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی۔

اللہ کی طرف مراجعت کا عدم یقین انسان کو مجرم بناتا ہے۔ جس دن ساعت قائم ہو گی تو انسان کے ظن گمان سے بنے ہوئے جالے سب ٹوٹ جائیں گے، اور وہ کچھ ہو جائے گا، جس کا انکار کرتے کرتے سب کچھ ضائع کر لیا گیا ہو گا۔ اب اصلاح کی طرف آنے کا راستہ بھی نہیں ملے گا، اور آس ٹوٹ جائے گی۔ اللہ کی شان دیکھئے، کہ اس دن کو خلافِ حق کرنے والوں کے لئے یوم حسرت فرمایا گیا ہے، اور اس کے متعلق صراحت کے ساتھ آگاہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حاصل : مراجعت اللہ تعالیٰ کی طرف ضرور ہو گی۔ اس کا یقین ہو جائے تو پھر جرم کرنے سے رک جانا بھی ضروری ہے۔ جب من مانی کرنے کا امکان ختم ہو جائے تو خلافِ حق کرنے والے کی آس ٹوٹ جاتی ہے۔

وَلَمْ يَكُن لَّهُم مِّن شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ﴿١٣﴾

اور ان کے شرکاء سے کوئی ان کے شافع نہ ہوں گے، اور وہ اپنے شرکاء کا انکار کریں گے۔

مشرکین حق کو سن لینے کے بعد بھی وہ کچھ کرتے ہیں، جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی، اور جس کے بارے میں وہ علم نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظالمین کو نصرت نہیں دی جاتی۔ جب مشرکین دائمی خسارے کو سامنے پائیں گے، تو اپنے گمان میں وہ جن کو اپنا شافع جان کر اللہ کا شریک ٹھہراتے رہے ہوں گے، وہ ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اس وقت مشرکین ان کی نفی کرنے لگیں گے جن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ان کی عمر گزری ہوگی۔ مگر اس وقت جزا کا مقام شروع ہو چکا ہوگا، اور اصلاح کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہوگی۔

حاصل : اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ کے سامنے شفاعت کرنے کا حق اسی کو ہوگا جس کی بات اللہ کی بات ہوگی۔ جب خسارہ سامنے ہوگا، تو ان معبودوں کا انکار کرنے میں بھی مشرکین دیر نہیں کریں گے، جن کی بندگی میں ان کی عمر گزری ہوگی۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ ﴿١٤﴾

اور جس دن ساعت قائم ہوگی، اس دن وہ متفرق ہو جائیں گے۔

قیامت کے قائم ہونے تک حق کو ماننے کا راستہ بھی کھلا ہے، خلافِ حق کرنے کا راستہ بھی کھلا ہے۔ اس لئے دونوں طرح کے امکانات بھی موجود ہیں۔ اس وقت تک لوگوں کا متفرق ہونا درست نہیں ہے۔ راستے کو اختیار کرنے کی جو آزادی انہیں حاصل ہے، اس کا استعمال تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے، کہ ماننے والے اور نہ ماننے والے متفرق نہ ہوں۔ قیامت کے دن یہ امکان ختم ہو جائے گا۔ کوئی بُرائی کرنے والا، اس دن بھلائی کرنے والوں میں شمار ہونے کے لئے اپنا رخ درست نہیں کر سکے گا۔

حاصل : ساعت کے قائم ہونے تک، حق کو ماننے والے اور نہ ماننے والے متفرق نہ ہوں، تو وہ راہ کو اختیار کرنے کی آزادی کو اپنے لئے باعثِ فلاح بنا سکتے ہیں یا اپنے لئے باعثِ خسارہ بنا سکتے ہیں۔ قیامت کے قائم ہونے کے بعد عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو جائے گا۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ﴿١٥﴾

تو جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، تو باغ میں ان کی خاطر داری ہوگی۔

حق کو ماننے کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت ہوتا ہے۔ ایمان والے اپنے دعوے کو صالح اعمال سے سچا ثابت کرتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کا یہ مرتبہ ہوگا، کہ جو وہ چاہیں گے وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا کیا جائے گا اور یہ لوگ دائمی راحت کے مقام پر ہوں گے۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کے ساتھ ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو لوگ اس دعوے کو سچا ثابت کر دیں گے، قیامت کے دن ان کی خاطر داری باغ میں ہوگی۔ ان کو وہ عطا ہوگا، جو وہ چاہیں گے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیات اور آخرت کی تکذیب کی، تو وہی عذاب میں پکڑے ہوئے حاضر ہوں گے۔

حق کا انکار کرنے والے کافر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی آیات کو بھی جھٹلاتے ہیں، آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ جب حیاتِ دنیا کی صورت میں دی گئی مہلت ختم ہوگی، تو وہ مجرموں کی طرح عذاب میں پکڑ لئے جائیں گے، اور اسی طرح حاضر کیے جائیں گے۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں، ان کے لئے اللہ نے آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حاصل : کافر، اللہ کی آیات کو بھی نہیں مانتے، آخرت کو بھی نہیں مانتے، ان کو مجرموں کی طرح پکڑ کر یہاں سے لے جایا جائے گا۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو اللہ کی پاکی بیان کرو، جب شام کرو اور جب صبح کرو۔

حق کو ماننے والوں کے لئے یہ تاکید ہے کہ اللہ کی تسبیح بیان کی جائے، شام کو بھی کی جائے، صبح کو بھی کی جائے۔ شام کو پاکی بیان کرنے کی صورت نمازِ مغرب کی بر وقت ادائیگی ہے۔ صبح کو پاکی بیان کرنے کی صورت نماز فجر کی خصوصی حفاظت ہے۔ مومن کی رات نمازِ مغرب سے شروع ہوتی ہے، اس کا دن صبح کی نماز سے شروع ہوتا ہے۔ ان اوقات میں کائنات کے اندر جو تبدیلی واقع ہو رہی ہوتی ہے، وہ قادرِ مطلق کی شان کو واضح کرتی ہے۔ پاکی بیان کرنے والا اس قادرِ مطلق کی بندگی کو اپنا حال بناتا ہے، ذکر کرتا ہے، اور بلند آواز سے ذکر کرتا ہے۔ تاکہ ان اوقات میں اللہ کی تسبیح کرنے والوں میں اس کی آواز بھی شامل ہو جائے۔ سورج کے غروب ہونے کے آثار شفق کی صورت میں ایک وقت تک نظر آتے رہتے ہیں، جب یہ آثار ختم ہو جائیں اور رات تاریک ہو جائے تو یہ عشاء کی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ ذکر کرتے کرتے بندہ رات میں داخل ہو جو اس کے سکون کے لئے بنائی گئی ہے، تو بندہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔

حاصل : مغرب کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا چاہئے۔ اللہ کی پاکی بیان کرنے سے بندے کا بھلا ہوتا ہے، اللہ تو ہے ہی احتیاج سے پاک۔

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور حمد اسی کی ہے آسمانوں اور زمین میں اور پچھلے وقت اور جب تمہیں ظہر ہو۔

سورج کے حوالے سے اس کائنات میں طلوع آفتاب کے آثار سے پہلے نماز فجر کا وقت ہے۔ طلوع سے لے کر انتہائی عروج پر پہنچنے کا ایک وقت ہے۔ اس کے بعد سورج ڈھلنے لگتا ہے، یہ ظہر کا وقت ہے۔ تمازت آفتاب میں کمی آتے آتے روشنی میں بھی کمی آجاتی ہے۔ سورج کی حرارت اور روشنی میں یہ کمی خوب نمایاں ہو جائے تو یہ نماز عصر کا وقت ہے۔ عصر کے بعد سورج غروب ہونے کی تیاری کرنے لگتا ہے۔ غروب ہو جانے کے بعد مغرب کی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ اور جب شفق کی صورت میں آسمان پر سرخی بھی ختم ہو جائے تو یہ عشاء کا وقت ہے۔ تبدیلی کے ان اوقات میں اللہ کی حمد کرنا، مقام کوئی ہو، بندگی کا ایک رکن ہے۔ آسمانوں اور زمین میں تبدیلی کے ان اوقات میں اللہ کی حمد بیان ہو رہی ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ کی حمد کرنے والے کو ہر نماز کے بعد کچھ دیر کے لئے ذکر کرنا چاہئے، اور بلند آواز سے ذکر کرنا چاہئے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع

وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے، اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے والے یہ دیکھتے ہیں، کہ اللہ بیج سے درخت کو پیدا کرتا ہے، درخت سے بیج کو پیدا کرتا ہے۔ موت و حیات کے دائروں کا اتصال انسان کے مشاہدے میں آتا ہے تو اسے خالقِ کل کی قدرت کو بھی دیکھنا چاہئے۔ زمین جب اگانے کی قوت کھو دیتی ہے تو وہ اپنے فعل کے اعتبار سے مردہ ہو جاتی ہے۔ اللہ اس کو مبارک پانی برسا کر زندہ کر دیتا ہے۔ مردہ زمین کے اندر بارش کا مبارک پانی جو تبدیلی لاتا ہے وہ تو نظر آتی ہے، یہ تبدیلی کیسے آتی ہے، بندہ اس کا کلی علم نہیں رکھتا۔ انسان کو موت کے بعد جزا کے لئے زندہ کرنا اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہو سکتا۔ پہلے بھی تو اسی نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ قول و فعل کو محفوظ کرنے کا علم اب انسان کے مشاہدے میں آتا ہے۔ اس انسانی علم کو قادرِ مطلق کے علم سے بہت چھوٹی سی نسبت ہے۔ اللہ کی یہ شان ہے کہ ایک آواز پر سب لوگ نکل پڑیں گے، اور کچھ دیر نہ کریں گے۔

حاصل : جو اللہ ہونے کو نہ ہونا کر سکتا ہے، وہی نہ ہونے کو ہونا کر سکتا ہے۔ وہ یقیناً موت کے بعد حیات دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ جزا کا یقین ہمارے اعمال میں نظر آئے تو پھر حسنِ عمل کا

دعویٰ سچا ثابت ہو جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم (19) میں فرمایا ہے۔

إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾

جب کسی امر کا حکم فرماتا ہے تو یونہی فرماتا ہے ہو جا، وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنتُم بَشَرٌ تَنتَشِرُونَ ﴿٢٠﴾

اور اس کی نشانیوں سے ہے، کہ تمہیں مٹی سے خلق فرمایا پھر جبھی تم بشر ہو کر منتشر ہوئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا، اور ان کی ذریت کو بڑھا کر ساری زمین پر پھیلا دیا گیا۔ جہاں انسان ہوں گے، وہاں ان کے لئے ضروریات زندگی کا ہونا بھی لازم ہے۔ اور بشر کی ضروریات کا سب سے بڑا علم اللہ ہی کو ہے۔ اس لئے بشر کو بہر حال یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی ضروریات تو اللہ کے علم سے پوری ہو رہی ہیں اور وہ عبدالقادر ہونے کی بجائے قادر ہونے کی باتیں کرتا ہے۔

حاصل : مٹی سے انسان کی تخلیق اور زمین میں لوگوں کا پھیل جانا، اللہ کی قدرت کی نشانیوں سے ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾

اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لئے تم ہی سے جوڑے خلق فرمائے کہ تم ان سے تسکین پاؤ، اور تمہارے مابین مودّت اور رحمت ٹھہرائی۔ بے شک اس میں تفکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق فرمایا گیا، پھر بقاء نسل کے لئے عورت کو پیدا کیا گیا، اس جوڑے سے اللہ نے ان کی اولاد کو پھیلایا۔ مرد و عورت کا طبعی تعلق کس کے علم سے بنا ہے۔ یقیناً اللہ کے علم سے یہ تعلق بنا ہے۔ عورت کو طبعی طور پر مرد کے لئے باعث تسکین بنایا گیا ہے۔ تسکین ایک کیفیت ہے جو جسم سے، دماغ سے اور روح سے تعلق رکھتی ہے۔ عورت اگر تسکین دینے کی بجائے تکلیف دینے لگے تو وہ اپنا طبعی مقام چھوڑ دیتی ہے۔ مرد و عورت کے رشتے میں ایک دوسرے سے پیار اور ایک دوسرے کے لئے آسانیوں کا اہتمام طبعی صورتیں ہیں۔ پیار سے اپنے ساتھی کے سکھ کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے ہوئے کام کیا جاتا ہے، رحمت سے اپنی سہولیات کو اپنے ساتھی کے سکھ پر قربان کر دیا جاتا ہے، مگر اپنے حسنِ عمل کا چرچا نہیں کیا جاتا۔ یہ مرد و

عورت کی ازدواجی زندگی کی طبی صورتیں ہیں۔ تفکر کرنے والوں کے لئے اس میں یقیناً نشانیاں ہیں، کہ اللہ نے اپنے علم سے بندوں کے لئے کیا کیا اہتمام کیے ہیں۔ انسانی رشتے اگر محبت و رحمت سے خالی ہو جائیں، تو یہ دنیا کتنی بھیانک ہو سکتی ہے۔ تفکر کرنے والوں کو اس پر ضرور غور کرنا چاہئے۔ اور اللہ کی قدر کرنی چاہئے، جیسے اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔

حاصل : جوڑے کی تخلیق بھی اللہ کی نشانی ہے۔ عورت کو طبعی طور پر مرد کے لئے باعث تسکین ہونا چاہئے۔ ازدواجی زندگی پیار اور رحمت سے گزاری جائے تو وہ طبعی ہو گی، ورنہ وہ غیر طبعی ہو گی۔ تفکر کرنے والوں کو اللہ کی نشانیاں دیکھنی چاہئیں اور لوگوں کو دکھانی چاہئیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾

اور اس کی نشانیوں سے ہے، آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں، علم والوں کے لئے۔

مشاہدہ کرنے والوں کی نشانیوں سے آگاہ فرمایا گیا ہے۔ مصنوع سے صانع کا پتہ چلتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اتنی بڑی نشانی ہے، کہ اس نشانی کو نظر انداز کرنا شعور کی موجودگی میں ممکن ہی نہیں۔ آسمان سے ہمارا ایک تعلق ہے، زمین سے ہمارا ایک تعلق ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین سے ہمیں ملتا ہے، وہ ہمارے علم میں ہو تو دینے والے کی ناشکری کیسے ہو سکتی ہے۔ غور کیجئے، زبانیں کیسے بنتی ہیں۔ لوگوں کے مابین مکالمہ کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ زبانوں کے اختلاف سے معاشرتی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ تو جس نے اظہار کا یہ ذریعہ بنایا ہے، اس کو ادب سے ماننا تقاضاء عبدیت ہے۔ رنگوں کا اختلاف اپنے اندر ایک نشانی ہے۔ لوگوں کے رنگ جس کے علم سے بنتے ہیں، اس کے علم کے حوالے سے انہیں دیکھا جائے تو حقائق کا عرفان ہو گا، ورنہ جو ہو گا، وہ بے علمی سے ہو گا اور باعث فساد ہو گا۔ علم والے لوگوں کو دیکھنا چاہئے، کہ حسن کائنات میں رنگوں کے اختلاف کا کیا اور کتنا حصہ ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ کی نشانی ہے۔ زبانوں کا اختلاف اللہ کی نشانی ہے۔ رنگوں کا اختلاف اللہ کی نشانی ہے۔ علم والے ان نشانیوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ان نشانیوں سے فائدہ نہ اٹھانے والے، علم والوں میں شمار ہونے کا دعویٰ نہ کریں کہ وہ ان کے حوالے سے بجا نہیں ہو گا۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

اور اس کی نشانیوں سے ہے، رات اور دن میں تمہارا سونا اور اس کا فضل تلاش

لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۲۳﴾

کرنا۔ بے شک اس میں نشانی ہے سننے والے لوگوں کے لئے۔

رات کو سونا انسانی ضرورت ہے۔ دن میں اللہ کا فضل تلاش کرنا انسانی ضرورت ہے۔ ان ضروریات کے حصول کے لئے انتہائی موزوں حالات کا اہتمام کرنا اللہ کی شان ہے۔ رات کے آرام میں جسم جن مراحل سے گزرتا ہے، ان کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ دن میں اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے جو کچھ میسر ہوتا ہے۔ اس کا بھی کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ سننے والوں کو یہ کرنا چاہئے، کہ وہ رات اور دن کو خالق کل کے علم کی روشنی میں دیکھیں، اور اپنے حق کو بطریقِ احسن ادا کریں۔ سونے کے اوقات میں سونا جسم کے لئے قطعاً ضروری ہے۔ جاگنے کے اوقات میں جاگنا جسم کے لئے ضروری ہے۔ ان اوقات کا درست استعمال بھی بندے کو حق شناس ہونے میں مدد دیتا ہے۔

حاصل : رات کی قدر کرنی چاہئے، کہ اللہ نے ہمارے آرام کے لئے نہایت موزوں اہتمام کیا ہے۔ دن کی قدر کرنی چاہئے کہ اللہ نے ہمارے کام کے لئے نہایت موزوں اہتمام کیا ہے۔ اپنی مصروفیات کو حق کے مطابق بنا لینے سے بھی بندے کو بڑی مدد ملتی ہے۔ وقت کا طبعی استعمال بندے کو سکھی بنا دیتا ہے، فائدہ تو سننے والے ہی اٹھا سکتے ہیں۔

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحۡیٖ بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴﴾

اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہیں برق دکھاتا ہے، خوف اور طمع کے لئے اور آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر زمین کو مرنے کے بعد اس سے زندہ کرتا ہے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں، عقل والے لوگوں کے لئے۔

بجلی کی چمک بھی اللہ کی نشانیوں سے ہے۔ اس چمک اور گرج سے خوف بھی ہوتا ہے، اور اس سے طمع بھی ہوتا ہے۔ خوف تباہی کے تصور سے تعلق رکھتا ہے، طمع آبادی کے تصور سے تعلق رکھتا ہے۔ جب بادل آتے ہیں، اور بارش ہوتی ہے تو وہ زمین جو اگانے کی صلاحیت کے اعتبار سے مردہ ہو چکی ہو، زندہ ہو جاتی ہے۔ عقل والے لوگ یہ دیکھتے ہیں، کہ قادرِ مطلق تو اللہ ہی ہے۔ طبعی طور پر ڈرنا بھی اسی سے حق ہے۔ طبعی طور پر طمع بھی اسی سے ہو تو حق ہے۔ بندے کی شان یہی ہے کہ وہ عبدالقادر بن کر رہے۔

حاصل : برق کو اللہ کی نشانی ماننے میں اللہ سے اپنے تعلق کا پتہ لگتا ہے۔ یہ تعلق عبد و معبود کا طبعی

تعلق ہے۔ مردہ زمین کو زندہ کرنے کی قدرت رکھنے والا یقیناً ہمیں موت کے بعد زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝۲۵

اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ آسمان اور زمین اسی کے امر سے قائم ہیں۔ پھر جب تمہیں ایک بار پکارے گا زمین سے، جبھی تم نکل پڑو گے۔

آسمان اور زمین جس کے امر سے قائم ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس جلوت کو خلوت بنانا چاہے گا، تو اس کا ایک امر ہی اس کے لئے کافی ہوگا۔ یہ پورا انظام بدل جائے گا۔ جلوت، خلوت ہو جائے گی اور خلوت، جلوت ہو جائے گی۔ اور جن کو اللہ کے سامنے جواب دہ ٹھہرایا گیا ہے، وہ ایک ہی آواز سے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ طبعی تعلق یہ ہے کہ معبود کے حکم کو ماننے میں دیر نہ ہو۔ اس وقت یہ معلوم ہوگا کہ یہ تبدیلی الرحمٰن کے وعدے کے مطابق آئی ہے، اور مرسلین نے بڑی صداقت کے ساتھ اس سے آگاہ کیا تھا۔

حاصل : آسمان اور زمین جس کے امر سے قائم ہیں، اس کے سہارے سے بڑا سہارا کوئی نہیں ہو سکتا۔ عبد کو اپنے معبود کا حکم سن کر ماننے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ سے بندے کا طبعی تعلق یہی ہے کہ بندہ فرمان حق کو سنے اور مانے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝۲۶

اور اسی کے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اسی کے فرمان کے تابع ہیں۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ وہی ہر شے کا مالک ہے۔ وہی رب العالمین ہے۔ وہی قادر مطلق ہے۔ اس کی قدرت ہر جگہ محیط ہے۔ اس کے فرمان کی یہ شان ہے کہ ہر شے اس کے مطابق اپنے رخ کو سیدھا کر کے تسبیح کرتی نظر آتی ہے۔ بندے کو بھی اللہ کی عطا کردہ توفیق کے استعمال میں جو اختیار حاصل ہے، اس اختیار کو اس طرح برتنا چاہئے، کہ وہ ہر مقام پر اللہ کے فرمان کے تابع رہے۔

حاصل : بندہ اللہ کے فرمان کے تحت رہے تو اس کا رخ درست ہوتا ہے، ورنہ وہ اپنا طبعی مقام کھو دیتا ہے۔ اس کی زبان پاک ہو، ہاتھ امین ہو اور قدم مخلصین کے نقش قدم پر ہو، تو پھر وہ مطلوب ہوتا ہے، اشیاء اس کی طالب ہوتی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع ۸

اور وہی ہے جو خلق کو پہلی بار بناتا ہے، پھر اس کا اعادہ کرے گا اور وہ اس پر آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان سب سے اعلیٰ ہے، اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نہ ہونے کا ہونا بنا چکا ہے۔ یہ خلق کو پہلی بار علم سے پیدا کرنے کی صورت ہے۔ بندے کو اس نے اس طرح بنایا ہے، کہ اپنی خواہش کی پیروی کا اختیار رکھتے ہوئے بندہ حق کی احسن ادائیگی کو اپنا حال بنا کر کائنات میں اپنے طبعی مقام کو روشن کرتا ہے۔ جو اللہ پہلی بار بنانے میں لاشریک ہے، اس کو دوسری بار بنانے میں کسی کی مدد درکار نہیں ہوگی۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اس لئے یہ اس پر آسان ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو شان بھی کسی کو حاصل ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ شان دیتا بھی ہے، اس کو بیان بھی کرتا ہے، اور وہ ہے بھی احتیاج سے پاک۔ اس طرح اسی کی شان سب سے اعلیٰ ہے، مقام کوئی ہو۔ عزت والا بھی وہی ہے، حکمت والا بھی وہی ہے۔ بھلائی کا رخ اختیار کرنے والے اللہ کی قدر کرتے ہیں، جیسے اس کی قدر کا حق ہے۔

حاصل : پہلی بار بھی اللہ نے بنایا ہے، دوسری بار بھی وہی بنائے گا۔ اس کو نہ پہلے کوئی مشکل پیش آئی ہے، نہ آئندہ کوئی مشکل پیش آئے گی۔ اللہ کی شان سب سے اعلیٰ ہے، کہ وہ صفات عطا کرتا ہے اور انہیں بیان بھی کرتا ہے۔ اللہ کے بندے کے قول و فعل میں عزت و حکمت کو نظر آنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ شوریٰ (42) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور ان کی برائیوں سے عفو فرماتا ہے، اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ

تمہارے لئے ایک مثال تمہارے ہی انفس سے بیان فرماتا ہے۔ کیا تمہارے مملوک اس رزق میں شریک ہیں جو ہم نے تمہیں دیا ہے، کہ تم اور وہ مساوی ہو گئے ہو، تمہیں ان کا خوف ہو، جیسے اپنوں کا خوف

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

رکھتے ہو۔ اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے ہیں، عقل والے لوگوں کے لئے۔

مخاطب کے اپنے حال سے جو مثال اس کے سامنے رکھی جائے، اس کو سمجھنے میں نسبتاً آسانی ہوتی ہے۔ یہ مثال انفس سے ہے۔ رزق اللہ نے دیا ہے، بندے سب اس کی مخلوق ہیں۔ جن کو رزق دیا گیا ہے اور وہ اس کی بنا پر اپنی فضیلت کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ اپنا رزق باندی، غلاموں کو نہیں پھیر دیتے کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔ اپنوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ غلاموں کو وہ درجہ نہیں دیا جاتا، جو اپنوں کو دیا جاتا ہے۔ جو بات ہمارے حوالے سے طبعی طور پر درست نہیں ہے، اس کو مالک کل کے ساتھ لگا دینا انتہائی بے عقلی ہوگی۔ اللہ کو تو کوئی احتیاج نہیں ہے۔ دعویٰ یہ ہو کہ ہم بہت عقل والے ہیں اور عملاً شرک کا ارتکاب بھی ہو رہا ہو، تو عقل مند ہونے کا دعویٰ بے ثبوت ہوگا۔

حاصل: جب مملوک مالک کے برابر نہیں ہوتے، تو مخلوق خالق کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ اپنوں کا لحاظ طبعی طور پر مملوکوں کے مقابل زیادہ ہوتا ہے۔ ہم محتاج ہوتے ہوئے بھی مملوک کو وہ درجہ نہیں دیتے جو اپنوں کو دیتے ہیں، تو پھر اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والی بات کیا معنی رکھتی ہے، جو کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

بلکہ ظالم بغیر علم کے اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں، تو اسے کون ہدایت دے جسے اللہ گمراہ کرے، اور انہیں کوئی نصرت دینے والا نہیں۔

جو لوگ شرک کرتے ہیں، وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں، اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اس پیروی میں علم کا کوئی حوالہ نہیں ہوتا، کوئی سند موجود نہیں ہوتی۔ اللہ فاسقین کو گمراہ کرتا ہے۔ جسے اللہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اسباب جو بھی کسی کے پاس ہوں، اللہ کے مقابل کبھی کام نہیں آیا کرتے۔ فاسق اپنی پسند کو حق کے مقابل زیادہ اہم جانتا ہے، اس لئے وہ خوف و حزن کے دائرے میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ اسے نصرت دینا پھر کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

حاصل: علمِ حقیقی عمل کے بعد عطا ہوتا ہے۔ اپنی خواہشات کی بے سند پیروی خلاف عقل ہے، اور یہ گمراہ لوگوں کا طریق زندگی ہے۔ اللہ کے مقابل، اسباب کبھی کام نہیں آتے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ

تو اپنا رخ دینِ حنیف کے لئے سیدھا

اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

رکھو۔ اللہ کی رکھی ہوئی فطرت پر، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی خلق کو تبدیل نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے، ولیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حنیف فرمایا گیا ہے۔ یک سوئی کی یہ روشن مثال ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو پاک ہی پیدا کرتا ہے، اور اللہ کے علاوہ کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے فطرت کا تعلق پاکی سے ہی ہے۔ احدیت کے مقام پر جب یہ سوال کیا گیا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، تو جواب میں سب کی طرف سے یہی کہا گیا، یقیناً تو ہی ہمارا رب ہے۔ جو لوگ حق پر رہتے ہوئے، بچوں کو حق پر رکھتے ہیں، وہ مخلوق کو اس کی فطرت پر رکھتے ہیں۔ جو لوگ اپنی پسند کو حق کے مقابل نافذ کرنے لگتے ہیں، وہ اللہ کی خلق کو تبدیل کرنے کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس سے قطعاً منع فرمایا گیا ہے۔ جس بات کے حق ہونے کا ہمیں علم ہو، جس پر ہمارا عمل شاہد ہو، وہ یقیناً ہمارے لئے مفید ہوتی ہے۔ وہی بات بصورتِ علم ہم سے دوسروں تک پہنچے تو یہ سیدھا دین ہے۔ اس کے علاوہ دین قیم کے نام پر جو بھی کیا جائے، وہ خلافِ فطرت ہو گا، اور اس کا تعلق علمِ الٰہی سے نہیں ہو گا۔

حاصل: دینِ قیم پر رہنا فرد پر بھی لازم ہے، جماعت پر بھی لازم ہے۔ خود حق پر رہتے ہوئے بچوں کو حق پر رہنے کی تعلیم دینی چاہئے۔ ان کی تربیت فطرت کے مطابق ہو تو سکھ دینے والے ہوں گے۔ اپنی پسند کو خلافِ حق نافذ کرنا، اللہ کی خلق کو تبدیل کرنا ہے۔ سیدھا دین اور اس کی تبلیغ فطرت کے مطابق ہے، باقی سب بے علمی ہے۔

مُنِیْبِیْنَ اِلَیْہِ وَاتَّقُوْہُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۳۱﴾

اسی کی طرف رجوع لاؤ، اور اسی پر تقویٰ کرو، اور نماز قائم رکھو اور مشرکین سے نہ ہو۔

سیدھا دین یہی ہے کہ طلبِ ہدایت کے ساتھ اس کا اتباع کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتا ہو۔ کہ ہدایت اسے ہی ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتا ہے۔ اللہ پر تقویٰ کرنا یہ ہے کہ اپنی پسند کو ہر حال میں حق کے تابع رکھا جائے۔ نماز قائم رکھنے کے لئے نماز کا مقررہ اوقات پر پڑھنا ضروری ہے، خصوصاً نماز فجر کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ مشرکین سے نہ ہونے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ جو لوگ حق کے مقابل اپنی تجویز کو قابل ذکر بھی سمجھیں ان سے الگ ہونے میں ہی سلامتی ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے کے لئے اس کا اتباع ضروری ہے، جو منیب ہے۔ اللہ پر تقویٰ ہو، تو پھر کسی دوسرے کا ڈر نہیں رہتا۔ نماز قائم ہو تو برائی اور بے حیائی سے بچاؤ ممکن ہوتا

ہے۔ مشرکین سے نہ ہونے کا حکم ہے، یہی تقاضاء فطرت ہے۔ فطرت سے مطابقت ہی اخلاق حسنہ کے نام پر نافذ ہو تو اجتماعی بھلائی ممکن ہو گی۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا، اور گروہ گروہ ہو گئے۔ ہر گروہ اسی پر فرحت پاتا ہے جو اس کے پاس ہے۔

جو لوگ دینِ قیم پر نہیں ہوتے، وہ اسلام پر نہیں ہوتے۔ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش میں وہ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ صراطِ مستقیم سے انحراف کسی چاہت کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے گروہ جب بھی بنتا ہے کسی غرض و غایت کے لئے بنتا ہے۔ جو لوگ غرض و غایت کے دائروں میں گھرے رہتے ہیں، وہ اپنے حال کو اپنی پسند کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے اسی پر خوش رہتے ہیں جو ان کے پاس ہوتا ہے، حالانکہ اس کے درست ہونے کی ان کے سامنے کوئی سند نہیں ہوتی۔

حاصل : گروہ بندی کبھی دینِ قیم نہیں ہو سکتی۔ دین میں اپنی پسند کو داخل کرنا، تفرقے کا باعث ہوتا ہے۔ اپنی خواہش کے دائرے میں پھنسے رہنا خلافِ فطرت ہے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۳۳﴾

اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے، تو اپنے رب کو پکارتے ہیں اسی کی طرف رجوع لاتے ہوئے۔ پھر جب وہ انہیں اپنی رحمت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے، جبھی ان میں سے ایک فریق اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔

تکلیف کے وقت عبد اپنے معبود کے قریب ہو جاتا ہے۔ فطرت کا تقاضا یہی ہوتا ہے۔ مشرکین بھی دکھ میں پھنس جائیں تو اپنے رب کو ہی پکارتے ہیں، اسی کی طرف رجوع لاتے ہیں۔ فطرتاً بندے کا شرک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تکلیف میں پھنس جانے کے بعد لوگ خلافِ حق کرنے سے توبہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کی پیروی کا عہد کرتے ہیں۔ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی عطا کر دی جاتی ہے، تو جبھی توبہ سے منحرف ہونے والے اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ بحر میں غرق ہونے کا مقام سامنے ہو تو خلافِ حق کرنے سے توبہ کرتے ہیں، کنارے پر پہنچ جائیں تو پھر شرک کی پرانی ڈگر پر آ جاتے ہیں۔ قادرِ مطلق بحر میں غرق کر سکتا ہے، تو کنارے پر دھنسا دینے کی قدرت بھی اسی کی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو ہر حال

پر قادر مان لے، اسے من مانی کرنے سے رک جانا چاہئے۔

حاصل : تکلیف کے وقت عبد، اپنے معبود کے قریب ہو جاتا ہے۔ اپنے رب کو پکارنا بندے کی فطرت ہے۔ تکلیف کے بعد سکھ اللہ ہی دیتا ہے۔ سکھ میں حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش سے شرک کا اعادہ ہونے لگتا ہے۔

لِيَكْفُرُوا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

کہ ہماری عطا سے کفر کریں۔ تو برت لو، پھر جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

دکھ کے وقت بڑی انابت کے ساتھ اللہ کو پکارنے والا، رحمت کا ذائقہ چکھنے کے بعد شرک کی طرف لوٹ جائے، تو اسے ناشکرا کہتے ہیں۔ ناسپاسی یہ ہے، کہ جس کی رحمت سے دکھ دور ہوا ہے، اس سے بے پرواہی برتی جائے، حق سے غفلت کو حسبِ سابق اپنا معمول بنالیا جائے۔ وقت بھی اللہ کا دیا ہوا ہے، متاع بھی اللہ کی دی ہوئی ہے۔ عنقریب دونوں ختم ہونے والے ہیں۔ پھر پتہ چل جائے گا، کیا ہونا چاہئے تھا اور کیا ہوتا رہا۔ مگر اس وقت اصلاح کو اختیار کرنا ممکن نہ ہو گا، دائمی خسارے کا احاطہ بھی سامنے ہو گا۔

حاصل : ناسپاسی بندے کو زیب نہیں دیتی۔ متاعِ حیات، اللہ کی عطا ہے۔ اس کے استعمال میں جو رخ اختیار کیا جائے، اسی کے مطابق بندے کو جزا دی جائے گی۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

یا ہم نے ان پر کوئی سند نازل فرمائی پھر وہ کلام کرتی ہو، جو یہ شریک ٹھہرارہے ہیں۔

حق، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اس کی اسناد آفاق میں بھی موجود ہیں، انفس میں بھی موجود ہیں۔ جو لوگ شرک کرتے ہیں، وہ کس سند کے حوالے سے شرک کرتے ہیں، یہ ان کے دیکھنے کا مقام ہے۔ کائنات کی ہر شے اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ مشرکین کے پاس اپنے عقیدے کے جواز میں کوئی سند نہیں ہوتی۔

حاصل : اس کی بات بڑی توجہ سے سننی چاہئے، جو سند کے ساتھ بات کرتا ہو۔ مشرک کے پاس اپنے عقیدے کے جواز میں کوئی سند نہیں ہوتی۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں، اس پر فرحت پاتے ہیں۔ اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچے، ان کے

اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

ہاتھوں کے بھیجے ہوئے کی بدولت، جبھی وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔

جب لوگوں کو اللہ کی رحمت سے یہ مقام نصیب ہو، کہ وہی ہونے لگے جو وہ چاہتے ہوں، تو وہ اس پر اترانے لگتے ہیں، استکبار کرنے لگتے ہیں۔ رحمت خداوندی کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے وہ اپنے کمالات کو قابلِ ذکر جانتے ہیں۔ جب انہیں دکھ پہنچے، اور وہ بھی ان کے اپنے اعمال کی شامت کی وجہ سے، تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ اس وقت انہیں یہ نظر نہیں آتا، کہ دکھ کو دور کرنے والا قادرِ مطلق تو ان کا معبود ہی ہے۔ رحمتِ الٰہی پر اترانا بھی غیر طبعی کیفیت ہے۔ دکھ کے مقام پر مایوسی بھی غیر طبعی کیفیت ہے۔

حاصل : رحمتِ الٰہی نصیب ہو تو اترانا بے ہودگی ہے۔ شامت اعمال سے دکھ پہنچ جائے تو مایوسی کا اظہار بھی بے ہودگی ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ اللہ ہی جس کے رزق میں چاہے بسط فرماتا ہے، جس کے رزق کو چاہے تنگ کرتا ہے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں، ایمان والے لوگوں کے لئے۔

اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے، علیم مطلق ہے۔ وہ رزق میں کشادگی دے تو بھی اس میں حکمت موجود ہوتی ہے، علم موجود ہوتا ہے۔ وہ رزق کو تنگ کر دے تو بھی اس میں حکمت موجود ہوتی ہے، اس میں علم موجود ہوتا ہے۔ بندے کی ضروریات کا سب سے بڑا علم اس کے معبود کو ہی ہوتا ہے۔ اس کی سلامتی کا سب سے بڑا علم بھی اسی لاشریک کو ہوتا ہے۔ اظہارِ عبدیت کے لئے حال پر کن حالات سے گزرنا ہے، اس کا فیصلہ بھی اللہ ہی کرتا ہے۔ ایمان والے لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ نے کشادگی بھی ہماری بھلائی کے لئے رکھی ہے، تنگی بھی ہماری بھلائی کے لئے رکھی ہے۔ حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے، ایمان والے اسے حال پر موجود پاتے ہیں۔ بسط کو بھی باذن اللہ جانتے ہیں، قبض کو بھی باذن اللہ جانتے ہیں۔

حاصل : رزق میں کشادگی بھی اللہ کے علم سے ہوتی ہے، تنگی بھی اللہ کے علم سے ہوتی ہے، حکمت بہرحال اس میں موجود ہوتی ہے۔ ایمان والے ہی اللہ کو علیمِ مطلق ماننے کے دعوے میں سچے ہوتے ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ

تو قرابت دار کو اور مسکین و مسافر کو اس کا حق

وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٣٨﴾

دو۔ یہ بہتر ہے ان کے لئے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

جس نے مان لیا ہے کہ اس کا مال اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اسے مسطیع مطلق کی رضا کے مطابق استعمال کرے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ میری رضا چاہنے والے میرے عطا کردہ پاک مال کو اپنے قرابت دار پر خرچ کریں، مسکین پر خرچ کریں اور مسافر پر خرچ کریں۔ قرابت دار جو نادار ہو وہ حق دار ہوتا ہے۔ اس کو اس قدر آسانی مہیا کرنی چاہئے، کہ اس کی وقتی ضرورت عزت کے ساتھ پوری ہو جائے۔ مسکین کو اس طرح مال دینا چاہئے، کہ اس کا رکا ہوا کام چل پڑے اور مسافر کو اس قدر مدد دینی چاہئے کہ وہ منزل پر پہنچ جائے۔ جو لوگ اللہ کی رضا چاہتے ہوئے، اللہ کے عطا کردہ پاک مال کو خرچ کریں گے، وہ یقیناً فلاح پائیں گے۔ ان کی نیت، اللہ کی رضا کا حصول ہو گا، حصولِ مقصد کا طریقہ اسوۂ حسنہ پر بطریقِ احسن عمل ہو گا اور وہ اللہ سے اپنے حُسنِ عمل کی جزا کی بجائے اللہ کا فضل مانگتے ہیں۔

حاصل : قرابت دار، مسکین اور مسافر کا ہمارے مال میں حق ہوتا ہے۔ ان حق داروں کو ان کا حق پہنچانا لازم ہے۔ اللہ کی رضا مطلوب ہو تو عمل اس کے مطابق ہونا چاہئے۔ فلاح انہیں نصیب ہوتی ہے، جو حق داروں کو حق دے کر ان کی عزت افزائی بھی کرتے ہیں۔

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿٣٩﴾

اور جو تم سود پر دو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے، تو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا۔ اور جو تم زکوٰۃ دو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے، تو انہیں کے دونے ہیں۔

اللہ نے سود کو حرام ٹھہرایا ہے، اس لئے سود پر مال دینا، اللہ کی رضا کے خلاف کرنا ہے۔ ایسا مال سود کے حوالے سے بڑھتا بھی رہے تو وہ خلافِ حق ہونے کی وجہ سے، سود خور کے لئے تو باعثِ عذاب ہی ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ دی جائے تو مال اللہ کی رضا پر خرچ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ پاک مال ہی اللہ کی رضا پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ جو مال خلافِ حق ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے وہ قطعاً ناپاک ہے، اللہ کا دیا ہوا نہیں ہے۔ اور وہ ہمیشہ نام نمود پر خرچ ہوتا ہے، اللہ کی رضا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ جو مال اللہ کی رضا پر خرچ ہو، اس کا فائدہ خرچ کرنے والے کو دنیا میں بھی ہوتا ہے، آخرت میں بھی ہو گا۔ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ فانی شے کے بدلے اسے دائمی انعام سے نوازا جائے گا۔ شکر گزاری سے مال بڑھتا ہے، اور شکر گزاری یہی ہے کہ مسطیع مطلق کے حکم کے مطابق مال کو استعمال کیا جائے۔

حاصل : سود حرام ہے، اس کا نتیجہ اللہ کا عذاب ہے۔ خیرات کرنے والے عملاً اللہ کے قریب ہوتے ہیں۔ ان کو دنیا و آخرت میں وہ راحت ملتی ہے جسے محسوس نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سکھی وہی

ہوتے ہیں۔ مال اللہ بڑھائے تو وہ بندے کے لئے باعثِ راحت ہوتا ہے۔ بندہ اسے سود سے بڑھانے لگے تو وہی مال اسے خوف و حزن میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾

اللہ ہی نے تمہیں خلق فرمایا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں حیات دے گا۔ کیا تمہارے شرکاء سے کوئی بھی ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو۔ پاکی ہے اسے، اور وہ بہت بلند ہے ان سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

اللہ خالقِ کل ہے۔ اس نے ہر شے کو ایک مقصد کے تحت خلق فرمایا ہے۔ اشیاء سب بندے کے لئے ہیں۔ بندہ اللہ کے لئے ہو تو اپنے مقام پر ہوتا ہے۔ ہمارا خالق ہی ہمیں رزق بھی دیتا ہے۔ ہمارے پالنے کا علم اسی لاشریک کو ہے۔ پھر ہمیں موت بھی وہی دے گا۔ حیاتِ دنیا کے ساتھ جو توفیق دی گئی ہے اور جو وقت دیا گیا ہے اس کے پورے ہو جانے کے بعد اصلاح کو اختیار کرنا نافع نہ ہو گا۔ موت کے بعد ہمیں جزا کے لئے اٹھایا جائے گا، اور ہمیں ہمارے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ پیدا کرنا، رزق دینا، موت دینا اور جزا کے لئے اٹھانا سب اللہ کے کام ہیں۔ ان کاموں میں سے کوئی بھی ایسا کام نہیں ہے، جسے ان سے منسوب کیا جا سکے، جنہیں اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔ اللہ پاک ہے، اور ان سے بہت بالا ہے جن کو اس کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔ جن کو اللہ نے پیدا کیا ہو، جن کو اس نے رزق دیا ہو، جن کو ایک وقت کے بعد وہ موت دے گا اور جن کو وہ جزا کے لئے اٹھائے گا، انہیں اپنے معبود کی شان کو دیکھنا چاہئے۔ مشرک اپنی پسند کے دائرے سے نکلے تو اسے اپنے معبود کی شان نظر آتی ہے۔

حاصل: پیدا کرنا، رزق دینا، موت دینا اور جزا کے لئے اٹھانا معبود کی شان ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ جس کو یہ شان نظر آئے اسے شرک سے پاک ہو جانا چاہئے، یک سو ہو جانا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ مومنون (23) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی اس کے پاس کوئی سند نہ ہو، تو اس کا حساب اس کے ربّ کے پاس ہے۔ بے شک کافر فلاح نہیں پاتے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾

بر و بحر میں فساد ظاہر ہوا لوگوں کے ہاتھوں کے کیے کی بدولت۔ تاکہ انہیں ان کے اعمال کا مزہ چکھائے۔ تاکہ وہ رجوع کریں۔

خشکی و تری جہاں بھی لوگوں نے خلافِ حق کرتے ہوئے اپنا دکھ بڑھالیا ہے۔ وہاں لوگوں کو اپنی تجاویز کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ فطرت سے مطابقت میں جو انفرادی اور اجتماعی بھلائی ہے وہ خلافِ حق کرنے والوں کے حصے میں کیوں آئے گی۔ لوگوں کے اپنے اعمال کی بدولت بر و بحر کا فساد ان کے لئے پریشان کن ہو جاتا ہے۔ اللہ انہیں ان کے اعمال کا مزہ چکھا کر یہ موقع دیتا ہے کہ وہ زندگی کے طبعی راستے کو جو اللہ نے ان کے لئے رکھا ہوا ہے اپنالیں۔ نیت درست ہو تو عقیدہ درست ہوتا ہے۔ عقیدہ درست ہو تو حسنِ عمل کا مقام آتا ہے۔ پھر وہی پسند ہوتا ہے جو اللہ نے ہمارے لئے پسند کیا ہے۔

حاصل : بر و بحر میں فساد خلافِ حق کرنے سے بڑھتا چلا جارہا ہے۔ لوگ اپنے اعمال کا مزہ چکھ لیں تو خلافِ حق کرنے سے باز آجاتے ہیں۔ عذابِ اکبر سے پہلے عذابِ ادنیٰ چکھا کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے میں مدد دی جاتی ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾

فرما دیجئے زمین میں سیر کرو پھر نظر کرو اس سے قبل والوں کی عاقبت کیسی ہوئی۔ ان میں اکثر مشرکین تھے۔

حضرت انسان کے لئے اس کے اپنے مشاہدے میں آنے والے آثار کے اندر درسِ عبرت موجود ہوتا ہے۔ زمین میں سیر کرنے سے اور سابقہ لوگوں کے آثارِ قدیمہ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے، کہ ان کا طریق زندگی کیا تھا، تمدن کیا تھا، اجتماعی زندگی کیسی تھی، انفرادی زندگی کیسی تھی۔ نظر کرنے والوں کو ان کی ہلاکت کا باعث، شرک ہی نظر آئے گا۔

حاصل : پہلے لوگوں کے انجام سے سبق لینا عقل کرنے والوں کی نشانی ہے۔ جو لوگ ہم سے قوت میں زیادہ تھے۔ وہ اگر شرک کی بدولت ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ تو ہمیں بھی اپنے انجام سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿۴۳﴾

تو اپنا رخ دینِ قیّم کے لئے سیدھا رکھو، اس سے قبل کہ وہ دن آئے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھرنا نہیں، اس دن

لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔

فرد کو یہ حکم دیا گیا ہے، کہ زمین میں سیر کرنے سے اپنے مشاہدے کے حوالے سے اور نظر کرنے سے، جو کچھ تم نے پایا ہے، اس سے حال پر اپنے رخ کو درست کرو۔ تمہارا رخ اگر دینِ قیم کے لئے سیدھا ہو گا تو یہ تمہارے شرک سے پاک ہونے کا روشن ثبوت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمل کے لئے دیا گیا وقت لامحدود نہیں ہے۔ وہ دن آنے والا ہے جب عمل کے لئے دیا گیا وقت کلی طور پر ختم ہو جائے گا، اور اس دن کو پھرنا نہیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اور اس دن اچھے اور بُرے الگ الگ ہو جائیں گے۔ اس دن بُرے لوگ، اچھے لوگوں کی صف میں شمار ہونے کی انتہائی طلب رکھنے کے باوجود ایسا کر نہیں سکیں گے۔ اس لئے اصلاحِ حال کے لئے بہترین وقت یہی ہے۔

حاصل : دینِ قیم کے لئے اپنا رخ درست ہو جائے تو پھر شرک ہماری زندگی سے دور ہو جاتا ہے۔ اصلاحِ حال کے لئے بہترین وقت یہی ہے۔ غفلت خلافِ عقل ہے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

جو کفر کرے تو اس کا کفر اسی پر ہے، اور جو صالح عمل کرے تو وہ اپنے ہی لئے راہ سنوارتے ہیں۔

جزا کا یقین نہ رکھنا اور خلافِ حق کرنا کفر ہے۔ کافر کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ وہ اپنے کیے کی جزا سے بچ نہیں سکتا۔ حق کو مان کر صالحین کی راہ کو اختیار کرنے والا جزا کے یقین کے ساتھ اپنے قول و فعل میں محتاط رہتا ہے۔ یہ احتیاط اپنے لئے راہ کو سنوارنا ہے۔

حاصل : کافر کے کفر کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔ صالح عمل کرنے والا طبعی طور پر اپنے قول و فعل میں محتاط ہوتا ہے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

تا کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے اپنے فضل سے جزا دے۔ بے شک وہ کافرین کی حُبّ نہیں رکھتا۔

حق پر ایمان لانے والے اپنی صداقت کا ثبوت صالح اعمال سے پیش کرتے ہیں۔ اللہ ان کو اپنے فضل سے نوازتا ہے اور انہیں اس قدر آسانیاں عطا فرماتا ہے، کہ وہ اسے اپنے اعمال کی جزا جاننے کی بجائے، اللہ کا فضل ہی جانتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں اور دائمی فائدے کو وقتی فائدے پر قربان کرنے لگیں، وہ اللہ کو کبھی نہیں بھاتے۔ طبعی طور پر ایسے

لوگوں کو دوست نہیں رکھنا چاہئے۔

حاصل : حق پر ایمان کا ثبوت صالح اعمال سے پیش کیا جاتا ہے۔ جن کو اللہ پسند کرے اسے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ دائمی فائدے کو وقتی فائدے پر قربان کر دینے والے اللہ کو کبھی نہیں بھاتے۔ ہمیں بھی ایسے لوگوں کو دوست نہیں رکھنا چاہئے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے اور تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا ذائقہ چکھائے، اور تاکہ کشتی اس کے امر سے جاری ہو، اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس لئے کہ تم شکر کرو۔

بارش سے پہلے اس کی بشارت دینے والی ہوائیں بھیجنا اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ رحمتِ الٰہی سے استفادہ کرنے والے حصولِ فیض کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور بڑا سکھ پاتے ہیں۔ پھر کشتی کو دیکھو وہ اللہ کے امر سے چلتی ہے، اور اللہ کا فضل تلاش کرنے والوں کے کام آتی ہے۔ یہ بھی اللہ کی نشانی ہے کہ تلاشِ معاش میں نقل و حمل کی ضرورت آسانی کے ساتھ پوری ہو۔ اللہ کی عطا کردہ آسانیوں کا شکر اس طرح سے ادا ہوتا ہے، کہ حاصل ہونے والے فوائد کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق لوگوں کی بھلائی کے لئے استعمال کرتے ہوئے خیرات میں سبقت کی جائے۔

حاصل : بارانِ رحمت سے پہلے اس کی بشارت دینے والی ہواؤں کا بھیجنا اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ رحمت الٰہی سے استفادہ کرنے والے اس کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ کشتی اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے استعمال ہو تو یہ اس کا طبعی استعمال ہوگا۔ شکر ادا کرنا بندے کی شان ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور بے شک ہم آپ سے قبل کتنے ہی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیج چکے ہیں۔ تو وہ ان کے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ پھر ہم نے جرم کرنے والوں سے انتقام لیا۔ اور مومنین کی نصرت ہم پر حق ہے۔

فرمانِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچانا اور ان کو تعلیم و تربیت دینا، مرسلین کی طریقت رہی ہے۔ جن لوگوں نے ان ناصحین سے محبت رکھی اور ان کی قدر کی وہ صاحبانِ ایمان میں شمار ہوئے۔ ایمان والوں نے مرسلین کی صفات کو اپنایا اور ان کی معیت اختیار کی۔ جن لوگوں نے مرسلین کی تکذیب کی، اور ان کی صفات کو اپنانے کی بجائے رسوم کے دائرے میں پھنسے رہے، وہ مجرم تھے۔ اللہ نے ان سے انتقام لیا، اور ایسا لیا کہ وہ عبرتناک انجام کو پہنچے۔ مومنین کی نصرت کا اللہ نے وعدہ فرما رکھا ہے۔ یہ وعدہ ہر زمانے میں پورا ہوتا رہا ہے، اب بھی پورا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجرمین سے انتقام لینے سے پہلے اتمامِ حجت ضرور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت کو کوئی اپنے حسنِ عمل کا ثبوت جانتا ہو تو وہ یقیناً خسارے کی راہ پر ہوتا ہے۔

حاصل : حق، فرمانِ الٰہی ہے۔ پہنچانے والے اس کے محبوب بندے ہیں۔ ان سے محبت ہو تو ایمان نصیب ہوتا ہے، ورنہ مجرمانہ روش سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ مجرمین سے انتقام لینا اللہ کے لئے کبھی مشکل نہیں ہوتا۔ مومنین کی مدد کرنا اللہ کا ساتھ دینا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، جو بادل ابھار لاتی ہیں، پھر اس کو آسمان میں جیسے چاہے پھیلا دیتا ہے، اور اسے رکھتا ہے تہ بہ تہ، پھر تم دیکھو کہ اس میں سے مینہ برس رہا ہے۔ پھر جب پہنچاتا ہے اپنے بندوں سے جس کی طرف چاہے، جبھی وہ خوشیاں مناتے ہیں۔

ہواؤں کو بھیجنے والا جو بادل کو ابھار لاتی ہیں، اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ بادل کو آسمان میں پھیلانا بھی اللہ کا کام ہے۔ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ بادل کو پھیلا کر اسے تہ بہ تہ رکھتا ہے۔ یہ کام بھی اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ پھر اس سے مینہ برسنے لگتا ہے۔ یہ کام بھی اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ پھر جہاں اللہ چاہے اور جس قدر چاہے مینہ برستا ہے۔ بارش کی ضرورت کا احساس رکھنے والے جب اس ضرورت کو پورا ہوتے دیکھتے ہیں تو جبھی وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں۔

حاصل : بادل کا بننا، آسمان میں پھیلنا، اس کا تہ بہ تہ ہونا، اس کا برسنا اور جہاں اللہ چاہے برسنا، سب اللہ کے علم سے اور اس کے حکم سے ہوتا ہے۔ مطلوبہ شے ملنے سے خوشی ہوتی ہے، تو عطا کرنے والے کی قدر و منزلت بھی طبعی طور پر ضروری ہے۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ

اگرچہ وہ اس کے برسنے سے پہلے، اس

مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾

خوشی سے قبل، ناامید تھے۔

بارش کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے والے اپنی طلب کے حوالے سے بے چین رہتے ہیں۔ بارش برسنے تک دو مقامات پر ان کی بے چینی انتہا پر ہوتی ہے، اور یہ بے چینی ناامیدی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بادل کے بننے کا عمل شروع ہوتے وقت، اور جب یہ تہ بہ تہ بادلوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور بارش ہونے کا مقام قریب ہوتا ہے۔ پہلی ناامیدی یہ ہوتی ہے کہ بادل پتہ نہیں بنتا بھی ہے یا نہیں۔ دوسری ناامیدی یہ ہوتی ہے کہ پتہ نہیں برستا بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ بارش برسانے والا کلی علم رکھتا ہے، اسے وہ علم بھی ہے جو ہم کو حاصل ہوا ہے اور وہ علم بھی ہے جو ہمیں نہیں ہے، تو پھر بے چینی بھی نہیں ہونی چاہئے، ناامیدی بھی نہیں ہونی چاہئے۔

حاصل : بارش کے حوالے سے انسان کی ناامیدی دو مقامات پر انتہائی ہوتی ہے، بادل بننے کا عمل شروع ہوتے وقت اور برسنے سے ذرا قبل۔ یہ مان لیا جائے کہ اللہ کا کام اللہ کے علم سے ہوتا ہے، تو پھر بے چینی اور ناامیدی سے نجات ہو جاتی ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

تو اللہ کی رحمت کے آثار پر نظر کرو، کیسے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ بے شک وہ ضرور مُردوں کو زندہ کرے گا، اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

قوتِ روئیدگی زمین کی زندگی ہے، اس قوت کا خاتمہ زمین کی موت ہے۔ اللہ بارانِ رحمت سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔ اللہ ہی قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گا۔ اس کی قدرت ہر مقام کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے۔ اللہ کی قدرت کو ہر شے پر محیط مان لیا جائے، تو بعث بعد الموت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور بعث بعد الموت کو مان لیا جائے تو جزا کا یقین رخ کی کجی کو درست کر دیتا ہے۔

حاصل : اللہ کی رحمت کے آثار پر نظر ہو تو بندہ صاحبِ نظر ہو جاتا ہے۔ مُردہ زمین کو زندہ کرنے والا، مُردوں کو قیامت کے دن زندہ کرے گا۔ اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اگر ہم کوئی ہوا بھیجیں جس سے وہ کھیتی کو زرد پڑتا دیکھیں تو ضرور اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں گے۔

جو لوگ اپنی خواہشات کے دائرے سے نہیں نکلتے، وہ حالات کو اپنی چاہت کے مطابق دیکھ کر ہی خوش ہوتے ہیں۔ سرسبز کھیتی بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ اگر اللہ سرسبز کھیتی پر ایسی ہوا بھیج دے جو اسے زرد کر دے تو خواہشات کے بندے، ضرور ناشکری کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ بندہ اللہ کو علیم مطلق مان لے، حکیم مطلق مان لے تو پھر اس کے قدم کو استقامت حاصل ہوتی ہے۔ اس استقامت کی موجودگی میں ناشکری کے کلمات اس کی زبان پر نہیں آسکتے۔

حاصل : صاحب نظر حالات کو بھی دیکھتا ہے اور حالات کے پیچھے قادرِ مطلق کی قدرت کو بھی دیکھتا ہے، اس لئے پریشان نہیں ہوتا۔ جو اپنی چاہت کی نظر سے دیکھتا ہو وہ پریشانی سے بچ نہیں سکتا، ناشکری کہیں اس سے ہو رہی ہوتی ہے کہیں اس سے ہونے والی ہوتی ہے۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٥٢﴾

تو تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو، جب وہ پیٹھ دے کر پھر جائیں۔

باحقیقت زندہ ہے، بے حقیقت مردہ ہے۔ جو صرف اپنی پسند کی بات سنتا ہو اس کو حق کی بات نہیں سنائی دیتی۔ بہرے کانوں والے وہ ہیں، جو حق کو سن کر تدبر نہ کریں، عقل نہ کریں، اور انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والی رسوم کے دائرے سے باہر نہ نکلیں۔ بہرے اشارات کی بڑی سمجھ رکھتے ہیں، مگر جب وہ پیٹھ دے کر پھرے جا رہے ہوں تو پھر ان پر حق کا سنانا اور نہ سنانا برابر ہو جاتا ہے۔ وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔ سننے کی صلاحیت اللہ کی عطا ہے، اس کا خلافِ حق استعمال بندے کو بے حقیقت بنا دیتا ہے۔

حاصل : حق کے سننے کا ثبوت یہ ہے کہ جو سنا جائے وہ کیا جائے۔ جو حق کو سن کر خلاف حق کرنے سے باز نہ آئے وہ بے حقیقت ہے، اس کو زبردستی نہیں سنایا جا سکتا۔

وَمَا أَنتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٥٣﴾

اور نہ تم اندھوں کو گمراہی سے ہدایت دینے والے ہو۔ تم تو انہیں ہی سناتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لائیں، پھر وہ تسلیم کرتے ہیں۔

لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانا اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے، جب وہ طلب ہدایت رکھتے ہوں۔ اور جب ان کے دل اندھے ہوں جو سینوں میں ہوتے ہیں، تو پھر انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لانا ممکن نہیں ہوتا۔ حق اسے ہی سنایا جا سکتا ہے، جو جزا کا یقین رکھتا ہو، اصلاحِ حال کی طلب رکھتا ہو، رحمتِ الٰہی سے فیض یاب ہونا چاہتا ہو، اور نصیحت کی قدر کرتا ہو۔

قرآن پاک ایمان والے لوگوں کے لئے ہی رحمت و نصیحت ہے۔ طلبِ ہدایت کا تعلق تسلیم سے ہے۔ حق کو ماننا طبعی تسلیم ہے۔ اس کے بغیر بندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : ظلمات سے نور کی طرف جانے کی طلب موجود ہو تو آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ ورنہ اندھی ہوتی ہیں۔ حق اسے ہی سنایا جا سکتا ہے۔ جو جزا کا یقین رکھتا ہو۔ اصلاحِ حال کا طالب ہو۔ رحمتِ الٰہی سے فیض یاب ہونا چاہتا ہو اور نصیحت کی قدر کرتا ہو۔ دیکھنا چاہئے کیا میں مقامِ تسلیم پر ہوں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (29) میں فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٥٢﴾

اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ کا انکار کیا وہی خسارے والے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿٥٤﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ضعف سے خلق فرمایا، پھر ضعف کے بعد تمہیں قوت دی۔ پھر قوت کے بعد تمہیں ضعف اور بڑھاپا دیا۔ خلق فرماتا ہے جو چاہے۔ اور وہ علم والا، قدرت والا ہے۔

اللہ ہی ہر ایک کا خالق ہے۔ ارحام میں صورتیں بناتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ بڑے علم سے پیدا کرتا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو حکم ربی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت ضعف کی کیفیت انتہائی ہوتی ہے۔ اپنی حرکات کے لئے بھی دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسمانی ضرورت کو اس حالت میں بصورت احسن پورا کرنے کے لئے ماں کو دودھ دیا جاتا ہے۔ کوئی خوراک اس دودھ کا بدل نہیں ہو سکتی، کہ یہ اس فرد کے لئے علیم مطلق کا کیا ہوا اہتمام ہے۔ آہستہ آہستہ قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ضعف کم ہوتے ہوتے ختم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جوانی کے وقت قویٰ عروج پر ہوتے ہیں۔ پھر جوانی ڈھلنے لگتی ہے۔ ضعف آہستہ آہستہ بڑھنے لگتا ہے۔ بڑھاپا آجاتا ہے۔ اللہ کے علم اور اس کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جو صورت بھی پیدا کرے۔ وہ اس کے علم کا مظہر ہوتی ہے۔ اس کی قدرت کا مظہر ہوتی ہے۔

حاصل : ہماری زندگی کی ابتداء کا تعلق بھی ضعف سے ہے۔ انتہا کا تعلق بھی ضعف سے ہے۔ درمیان میں بھی ہمیں اللہ کے سامنے اپنے عجز کا اظہار کرتے رہنا چاہئے۔ اللہ کے علم اور اس کی قدرت سے فیض پانے والے یہی کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ

اور جس دن ساعت قائم ہوگی، مجرم قسم

مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

کھائیں گے کہ ہم ایک ساعت سے زیادہ نہ ٹھہرے۔ اسی طرح اوندھے جاتے تھے۔

قیامت کے دن کو مجرم بڑا بھاری اور مشکل پائیں گے۔ حیاتِ دنیا کی صورت میں ملی ہوئی توفیق انہیں بہت ہی مختصر معلوم ہوگی۔ سامنے نظر آنے والے حقائق اور دکھ کے مقابل، حیاتِ دنیا کی متاع اور سکھ بڑا ہیچ نظر آئے گا، اور وہ قسم کھائیں گے کہ ہم تو دنیا میں بس ایک ساعت ہی ٹھہرے۔ ان لوگوں کی بات حال پر بھی درست نہیں ہے، قیامت کے دن بھی درست نہیں ہو گی۔ حال پر ان کو حیات کی صورت میں ملی ہوئی مہلت طویل نظر آتی ہے۔ اس کے بعد موت کو دیکھتے ہیں، بعث بعد الموت کو بعید از امکان کہہ دیتے ہیں۔ خواہش کی آنکھ سے دیکھنے والا صحیح النظر ہوتا ہی نہیں۔

حاصل : مجرم کو حال پر اپنی خواہش کی پیروی اتنی عزیز ہوتی ہے کہ وہ جزا کو نظر انداز کرتا ہے۔ جزا کو سامنے پائے اور بچ جانے کی کوئی صورت نہ ہو تو پھر ماضی کی فرحت انتہائی مختصر معلوم ہوتی ہے۔ مجرم صحیح النظر ہوتا ہی نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان عطا ہوا کہیں گے، بے شک تم اللہ کے لکھے ہوئے میں یوم بعث تک رہے، تو یہ ہے یومِ بعث ولیکن تم لاعلم رہے۔

علم اور ایمان عطا ہوتا ہے، اور ان کو عطا ہوتا ہے جو ہدایت کی طلب رکھتے ہیں۔ جن کو علم اور ایمان حاصل ہو گا، وہ اپنے مشاہدے کے حوالے سے مجرمین کی اس قسم کی تردید کریں گے جس میں مجرمین یہ کہیں گے، کہ ہم تو بس ایک ساعت ہی ٹھہرے تھے۔ علم و ایمان رکھنے والے یہ کہیں گے تم کو اللہ نے متاع بھی دی تھی، مہلت بھی دی تھی، اور اپنے علم سے دی تھی۔ یہ مہلت کلی طور پر یوم بعث تک تھی، جزا کے شروع ہونے تک تھی۔ تو یہ ہے یوم بعث۔ تم لوگوں نے علم کے راستے کو اختیار نہیں کیا، اس لئے تم لاعلم رہے۔ ماننے کے بعد ہی جاننے کا مقام آسکتا تھا، تم نے مانا ہی نہیں، تو تم پر علم کا مقام کیسے آسکتا تھا۔

حاصل : علم، عمل کے بعد عطا ہوتا ہے۔ ایمان ناصحین سے محبت کے بعد عطا ہوتا ہے۔ علم اور ایمان رکھنے والے صحیح النظر ہوتے ہیں۔ خلافِ حق بات کرنے والوں کی تردید حال کے حوالے سے کرنی چاہئے۔ ماننے کے بعد جاننے کا مقام آتا ہے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ

تو اس دن ظالموں کو ان کی معذرت نفع نہ

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

دے گی اور نہ کوئی ان سے منانا چاہے۔

یوم بعث کو، خلافِ حق کرنے والے، معذرت خواہ ہوں گے۔ مگر وہ معذرت انہیں فائدہ نہ دے گی۔ وہ اپنے دعوے کو عملاً سچا ثابت نہیں کر سکیں گے۔ کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت کلی طور پر ختم ہو چکا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان تو ہے ہی لوگوں کی بھلائی کے لئے۔ اللہ کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ اس لئے ماننے والے کو اس کا ماننا نفع دے گا۔ نہ ماننے والے کو اس کا نہ ماننا خسارے میں ڈالے گا۔ شاہدین بھی فرمانِ الٰہی کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی اپنی بات تو ہوتی ہی نہیں۔ ان کی مان لی جائے تو ماننے والے کا بھلا ہو جاتا ہے۔ ان کا انکار کیا جائے تو منکر خسارے میں پڑتے ہیں۔ یوم بعث میں شاہدین کی شان، اللہ کے ساتھ سے بڑی روشن ہو گی۔ جن کے عمل غیر صالح ہوں گے۔ وہ شاہدین سے اپنے عدم تعلق پر افسوس کریں گے۔ مگر اصلاحِ حال کا وقت گزر چکا ہو گا۔

حاصل : خلافِ حق کرنا ظلم ہے۔ اصلاحِ حال کا وقت موجود ہو تو معذرت کو قبول کرنا چاہیے۔ ورنہ وہ معذرت کیا نفع دے سکتی ہے جس کا صالح عمل سے ثبوت نہ پیش کیا جا سکے۔ جس وقت میں اصلاحِ حال ممکن ہے۔ اس کو خلافِ حق کرتے ہوئے ضائع کر لینے سے بڑی بے ہودگی اور کیا ہو سکتی ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثل بیان فرمائی۔ اور اگر تم ان کے پاس کوئی نشانی لاؤ، تو کافر کہیں گے تم تو باطل ہی بناتے ہو۔

قرآنِ پاک کی مثل پیش کرنے سے لوگ عاجز رہے ہیں، اب بھی اس کی مثل پیش کرنے سے لوگ عاجز ہیں اور آئندہ بھی اس کی مثل پیش نہیں کی جا سکے گی۔ قرآنِ پاک میں ہر مثال اللہ کے علم سے بیان فرمائی گئی ہے، اس لئے اس سے بہتر مثال ناقابلِ تصور ہے۔ طلبِ ہدایت نہ ہو تو اس کی اہمیت کا پتہ نہیں لگتا۔ اپنی چاہت کے دائرے میں پھنسے ہوئے لوگوں کے سامنے کوئی نشانی حق کو واضح کرنے کے لئے رکھی جائے کافر یہی کہتے ہیں، تم تو باطل ہی بناتے ہو۔

حاصل : طلب ہدایت ہو تو قرآن پاک استفادے کے لئے بہترین ذریعہ ہے۔ کافر کے پاس بھی حق پہنچتا ہے۔ وہ اس کی سند کو بھی دیکھتا ہے، مگر اس کو اپنی چاہت کے خلاف پا کر جھٹلا دیتا ہے۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اس طرح اللہ ان لوگوں کے قلوب پر چھاپ لگا دیتا ہے۔ جو علم نہیں رکھتے۔

حق کو جھٹلانے والے، باطل پر ایمان لاتے ہیں۔ اس طرح حق کی مخالفت میں ان کی استعداد ضائع ہوتی رہتی ہے۔ اور ایک وقت کے بعد حق کو ماننے کی اہلیت ہی باقی نہیں رہتی۔ یہ قلب پر مہر کا مقام ہوتا ہے۔ حُسنِ عمل کے حوالے سے بہتر بندے کو پہچاننا، اس کا اتباع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانا، علم والوں کی طریقت ہے۔ اپنی خواہشات کو معیار بنانے والوں کے بے علم ہونے میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے، کہ اللہ نے اس کی سند نازل فرمائی ہے۔

حاصل : حق کو اپنی چاہت کے خلاف جانتے ہوئے اختیار نہ کرنے والا، ایک وقت کے بعد ناقابلِ اصلاح ہو جاتا ہے۔ علم کو قلبی کیفیت کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿٦٠﴾ ع

تو صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، اور یقین نہ رکھنے والے تمہیں ہلکا نہ ثابت کر پائیں۔

اللہ نے نصرتِ مومنین کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والے تو بے یقین لوگ ہوتے ہیں، ان کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پاک بندوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کو بے وقعت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو ان لوگوں کی تکلیف دہ باتوں کو سن کر صبر کرے اور اپنے حق کو ادا کرنے کے بعد اللہ کی نصرت کے یقین کے ساتھ صاحبِ استقامت رہے، وہ پورا ثابت ہو جاتا ہے، اور اس کی مخالفت کرنے والے خسارے میں جا پڑتے ہیں۔ اللہ کی نصرت کا وعدہ فرد سے بھی ہے، جماعت سے بھی ہے۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے آخر کار پیغامِ حق پہنچانے والے کا مذاق اڑا کر اسے بے وقعت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مقام پر حق پہنچانے والے کو صبر کے ساتھ اللہ کی نصرت کی طرف دیکھنا چاہئے، اور استقامت سے رہنا چاہئے۔ پریشان ہونا پاک بندے کو زیب نہیں دیتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم سجدہ (41) میں ارشاد فرمایا ہے۔

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿١٥﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ لِنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١٦﴾

تو جو عاد تھے وہ استکبار کرنے لگے زمین میں ناحق، اور کہنے لگے کون ہم سے قوت میں اشد ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ان سے قوت میں اشد ہے۔ اور وہ ہماری نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ پھر ہم نے ان پر بڑے زور کی ہوا بھیجی، کئی دن دکھ کے، کہ انہیں رسوائی کا عذاب چکھائیں حیاتِ دنیا میں۔ اور عذابِ آخرت میں بڑی رسوائی ہے۔ اور کہیں ان کی مدد نہیں۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ

آیاتہا ۳۴ — رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ — حروف مقطعات

حروف مقطعات کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے۔ ان کے معانی کا تعین نہیں کیا گیا۔ یہ الفاظ سورتوں کی ابتدا ہی میں آئے ہیں۔

حاصل : بولنا اور خاموش رہنا علم سے ہونا چاہئے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ — یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔

قرآن پاک، کتابِ حکیم ہے۔ اس کی آیات میں وہ حکمت موجود ہے جس کا بدل کہیں نہیں ہے۔ فطرت سے مطابقت ہر ہر قدم پر انسانی ضرورت ہے۔ کتابِ حکیم کی آیات سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے وہ ہمیشہ مستند ہوتی ہے۔

حاصل : کتابِ حکیم کی آیات کو جہاں بھی ان کا ذکر ہو، سند ماننا چاہئے، اور اپنے رخ کو ان کے مطابق بنانے کی سعی کرنی چاہئے۔

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾ — ہدایت و رحمت محسنین کے لئے۔

قرآن پاک، احسان کرنے والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔ اگر ہم محسنین کے ساتھ ہیں، ان کی طریقت کے مطابق احسان کرتے ہیں تو یقیناً قرآنِ پاک کی آیات ہمارے لئے باعثِ ہدایت بھی ہیں، باعثِ رحمت بھی ہیں۔

حاصل : قرآنِ پاک کی آیات کو اپنے لئے باعثِ ہدایت پانا، باعثِ رحمت پانا، محسنین کا حال ہوتا ہے۔ محسنین اللہ کے محبوب ہوتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ — وہ لوگ جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤ کرتے ہیں، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

محسنین اللہ کے محبوب ہوتے ہیں۔ ان کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں کہ اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا جاسکے۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ نماز قائم رکھتے ہیں، اس لئے برائی اور بے حیائی سے بچتے ہیں۔ دوسری صفت یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ان کا مال پاک ہوتا ہے۔ کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہیں اور وہی لیتے ہیں جو ان کا حق ہوتا ہے۔ پاک مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے قابل تبھی ہوتا ہے، جب اس میں سے حکم الٰہی کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اور محسنین کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے، کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جزا کا یقین ان کے ہر ہر عمل سے واضح ہو رہا ہوتا ہے۔

حاصل : نماز قائم رکھنے والے، زکوٰۃ ادا کرنے والے اور آخرت پر یقین رکھنے والے محسن ہوتے ہیں۔ ان سے محبت رکھنی چاہئے کہ اللہ ان سے محبت رکھتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

محسنین کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ حال پر ان کا ساتھ ہو گا، تو آخرت میں بھی ان کا ساتھ ہو گا۔

حاصل : جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، ان کی بات کو سند ماننا چاہئے، ان کا اتباع کرنا چاہئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٦ اور کچھ لوگ کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بہکائیں بغیر علم کے اور اسے ہنسی ٹھہرائیں۔ انہی لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

کتاب حکیم کی آیات کی بے قدری کرنے والے، کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں۔ ان کا منشاء لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکانا ہوتا ہے۔ ان کا تعلق علم سے نہیں ہوتا۔ ان کے پاس ان کے طریق زندگی کے درست ہونے کی کوئی سند نہیں ہوتی۔ یہ لوگ حق کا مذاق اڑانے میں لگے رہتے ہیں۔ استکبار سے ان کو کبھی فراغت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ خلافِ فطرت اس توفیق کو ضائع کرتے رہتے ہیں، جو ان کو باعزت بنا سکتی ہے۔ ان کا رخ ذلت کے عذاب کی طرف ہوتا ہے۔

حاصل : کتاب حکیم کی آیات کی بے قدری خلافِ فطرت ہے۔ اللہ کی راہ سے بہکانے والے کبھی

علم والے نہیں ہوتے۔ حق کا مذاق اڑانا استکبار کرنے والوں کے لئے۔ ذلت کے عذاب کا باعث بنتا ہے۔ عزت اللہ کی ہے، اس کے رسول کی ہے اور مومنین کی ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝٧

اور جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو تکبر کرتا ہوا پھر جاتا ہے، جیسے سنا ہی نہ ہو۔ گویا اس کے کان بہرے ہیں۔ تو اسے المناک عذاب کی بشارت دو۔

حق کا مذاق اڑانے والوں کو، اللہ کی راہ سے کھیل کی باتیں سنا کر لوگوں کو بہکانے والوں کو، جب اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو وہ ان کے مستند ہونے کا انکار نہیں کر سکتے۔ مگر من مانی کرنے سے زیادہ انہیں کچھ عزیز ہوتا ہی نہیں۔ اس لئے وہ حق کو سن کر ان سنا کر دیتے ہیں۔ گویا ان کے کان بہرے ہیں۔ ایسے لوگ اس لائق ہیں کہ انہیں یہ بتا دیا جائے، کہ وہ اپنی پوری کوشش سے المناک عذاب کو اپنے لئے مقدر کر رہے ہیں۔

حاصل : آیاتِ کتابِ حکیم کو سن کر ان سنا کر دینے والے کو اس کی مجرمانہ روش کے انجام سے آگاہ کر دینا چاہئے۔ حق کو نہ سننا اور تکبر کے ساتھ اس سے اعراض کرنا خلافِ فطرت ہے، اور خلاف فطرت کاموں میں زور بہت لگتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ۝٨

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ان کے لئے نعمت والے جنت ہیں۔

جو لوگ اللہ کی آیات کو سن کر ان کی قدر کرتے ہیں، وہ ان پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان کے دعوے کو صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت کرتے ہیں۔ صالحین کی معیت انہیں حاصل ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنی پسند کو اللہ کی پسند پر قربان کر دیتے ہیں۔ یہ دنیا میں خوف و حزن سے پاک ہو جاتے ہیں، آخرت میں ان کے لئے نعمت والے باغ ہیں۔ یہ لوگ اپنے مقصدِ حیات کو دیکھتے ہیں۔ اس کو پانے کے لئے فطرت کے مطابق وہ کرتے ہیں جو انہیں کرنا چاہئے۔ ان کی صداقت کے روشن ہو جانے کے بعد انہیں بہت آسانیوں کے ساتھ نواز دیا جاتا ہے۔ پھر اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔

حاصل : ایمان لانے والے، صالح اعمال کے ساتھ اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ جو سچا ثابت ہو جائے، نعمتیں اس کی طالب ہو جاتی ہیں۔

خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ

ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ حق

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ ہے۔ اور وہی عزت والا حکمت والا ہے۔

جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ان سے اللہ نے نعمتوں والے باغوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے، کہ وہ مالکِ کل ہے۔ اس کی قدرت کے مقابل کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لئے سب سے بڑی عزت والا وہی ہے۔ وہی ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اس لئے حکمت والا بھی وہی ہے۔ جس کو عزت و حکمت سے فیض پانا مطلوب ہو، اس کو عبداللہ ہونا چاہئے۔

حاصل : ہمارا وعدہ ہمیشہ سچا ہونا چاہئے اور حق کے مطابق ہونا چاہئے۔ جو بندہ اللہ کو اَلْعَزِيْز اور اَلْحَكِيم مانتا ہے، وہ شانِ الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿١٠﴾

اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے خلق فرمایا کہ تم دیکھتے ہو، اور زمین میں لنگر ڈالے کہ تمہیں لے کر کانپے نہیں، اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے۔ اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے زمین میں ہر قسم کے مفید جوڑے اگائے۔

آسمانوں کا بغیر ستونوں کے زمین کے فرش پر چھت ہونا اللہ کی وہ قدرت ہے جو ہر ایک دیکھنے والے کے مشاہدے میں آتی ہے۔ زمین کو متوازن رکھنے کے لئے اللہ نے اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دی ہیں۔ پہاڑوں کو خلافِ فطرت ضائع کرنا یقیناً حکمت و علم کے منافی ہو گا۔ زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانا بھی اللہ کی شان ہے۔ جو جانور جس مقام پر کثرت سے پائے جائیں، ان کی ضرورت کا لوگوں کو علم ہو تو ان کے تلف ہونے کا مقام نہیں آئے گا، اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی ادا ہوتا رہے گا، کہ وہی معطیٔ مطلق ہے۔ زمین جب قوتِ روئیدگی کھو دیتی ہے تو اللہ اس پر آسمان سے پانی برسا کر اسے زندہ کر دیتا ہے، اور پھر اس سے ہر قسم کے مفید اور خوش منظر جوڑے اگاتا ہے۔ اللہ کی قدرت کے یہ سب نظارے اپنے اندر دعوتِ فکر و نظر رکھتے ہیں، اور یہ سب اس کے ایک اور لاشریک ہونے کی اسناد ہیں۔

حاصل : آسمان اور زمین ہمارے لئے کتنی اہمیت رکھتے ہیں، زمین میں پھیلائے گئے جانور ہمارے لئے کیا کرتے ہیں، آسمان سے برسایا گیا پانی ہمیں کیا کیا دیتا ہے، زمین سے اگنے والی اشیاء ہمارے لئے کیا کیا افادیت رکھتی ہیں، یہ سب نظر میں ہو تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا ممکن ہی نہیں۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ یہ تو اللہ کا خلق فرمایا ہوا ہے۔ تو مجھے وہ

الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾

دکھاؤ جو اس کے مقابل والوں نے خلق کیا ہو۔ بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

آسمانوں کی پیدائش، زمین کی پیدائش، ہر قسم کے جانوروں کی پیدائش، ان کے لئے موزوں حالات کا علم سے اہتمام، ... سے نباتات کی پیدائش یہ سب تو اللہ کا خلق فرمایا ہوا ہے۔ مشرکین سے یہ سوال کیا گیا ہے، جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو انہوں نے جو کچھ پیدا کیا ہو وہ بتاؤ اور دکھاؤ۔ خالقِ کل تو ہے ہی اللہ، جن کو اس کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ تو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ اب اس سند کی رو سے خلافِ حق کرنے والوں کی گمراہی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

حاصل : خالقِ کُل کو معبود ماننے والے کسی مقام پر بھی من مانی نہیں کرتے۔ خلافِ حق کرنے والے ظالم ہوتے ہیں۔ ان کا عقیدہ باطل ہوتا ہے اور بے سند ہوتا ہے۔ جس پر اس کے عقیدے کا باطل ہونا واضح ہو جائے اور وہ پھر بھی اس سے باز نہ آئے وہ کھلی گمراہی میں ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ (2) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں، وہ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے لقمان (علیہ السلام) کو حکمت عطا فرمائی، کہ اللہ کا شکر کرے۔ اور جو شکر کرے گا تو اپنے ہی بھلے کو شکر کرے گا۔ اور جو کفر کرے تو بے شک اللہ غنی ہے حمد کیا ہوا۔

حضرت لقمان علیہ السلام کو حکمت عطا فرمائی گئی۔ وہ اشیاء کو ان کے درست محل پر استعمال کرتے تھے۔ اللہ کی عطا کو اس کی منشاء کے مطابق استعمال کرنا شکر گزاری ہے۔ شکر گزاری کرنے والے کی شان یہ ہے کہ اس کے کام سے روشنی بڑھتی ہے اشیاء کو اس بندے کی طلب ہوتی ہے اور وہ اشیاء کا مطلوب ہوتا ہے۔ اشیاء کی قدر کرنا یہی ہے کہ ان کو ان کے درست محل پر استعمال کیا جائے۔ اور ناشکری یہ ہے کہ ان کو خلافِ حق استعمال کیا جائے۔ جو خلافِ حق کرتا ہے، وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اور وہ اپنے کیے کی جزا پاتا ہے۔ اللہ کو کسی کی شکر گزاری سے فائدہ نہیں ہوتا، کہ وہ احتیاج سے پاک ہے۔ اس طرح کسی کی ناشکری بھی اللہ کو اسی لئے ناپسند ہوتی ہے کہ وہ ناشکری کرنے والے کو خسارے میں ڈالتی ہے۔ اللہ سب کو دیتا ہے۔ اسے کوئی دینے والا نہیں۔ اس لئے وہ غنی ہے باقی فقراء ہیں۔ طبعی طور پر ہر شے اپنے منشاء تخلیق کو پورا کرتے ہوئے، مالکِ حقیقی کو ماننے کا ثبوت

پیش کر رہی ہے۔ اس طرح ہر شے اللہ کی حمد کر رہی ہے۔ جو خلافِ حق کرتا ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کی ناسپاسی پر گواہی دے رہی ہوتی ہے۔

حاصل : حکمت عطاءِ الٰہی ہے، حکیم کو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ شاکر کا عمل اسے فائدہ دیتا ہے، ناشکرے کا عمل اسے دکھ میں ڈالتا ہے۔ حکمت کا علم رکھنے والا، عملاً عبدالغنی ہو اور عبدالحمید ہو، تو اس کی شان روشن ہو جاتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

اور جب لقمان (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے سے فرمایا اور اسے وعظ کیا، اے میرے بیٹے، اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک ظلمِ عظیم ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے بحیثیت باپ کے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے میرے بیٹے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، یقیناً شرک ظلمِ عظیم ہے۔ باپ اللہ کا شکر گزار بندہ ہو تو طبعی طور پر اس کو اپنے بیٹے سے وعظ کرتے ہوئے یہی کہنا چاہئے، جو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا۔ وعظ میں سمجھانے والا، سمجھنے والے کو نورِ ہدایت سے نوازتا ہے، سمجھنے والا، سمجھانے والے کی بات کو بڑے ادب سے سنتا ہے اور اسے باعثِ فلاح جانتے ہوئے مانتا ہے۔ وعظ میں سب سے پہلی بات یہی ہونی چاہئے، کہ شرک سے روکا جائے۔ حق اللہ کا فرمان ہے۔ جب اس کے مقابل اپنی خواہش کو بھی اہمیت دی جائے، تو یہ شرک ہے۔ اور شرک سے یک سوئی ختم ہو جاتی ہے۔ صرف نام حنیف رکھ لینے سے یک سوئی حاصل نہیں ہو جاتی۔

حاصل : اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے وعظ کو اقربا سے شروع کرنا چاہئے۔ شرک سے لوگوں کو روکنا اتنی اہمیت رکھتا ہے، کہ وعظ میں سب سے پہلی بات یہی ہونی چاہئے۔ علیمِ مطلق کے فرمان کے مقابل بے سند باتوں کو اہمیت دینا ظلمِ عظیم ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ

اور ہم نے انسان کو وصیت فرما دی اس کے والدین کے متعلق۔ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری جھیل کر اسے پیٹ میں رکھا، اور اس کا دودھ دو برس میں چھوٹتا ہے، کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر

إِلَيَّ الْمَصِيرُ ⑭ کرے۔ میری ہی طرف آنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو یہ وصیت فرمائی گئی ہے، کہ وہ والدین کے ساتھ احسان کرے۔ احسان یہ ہے کہ حقوق العباد کی احسن ادائیگی میں والدین کو ادب کے ساتھ اپنے حال کے مطابق سہولت دی جائے۔ ماں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے، کہ اس نے کمزوری پر کمزوری جھیلتے ہوئے، بچے کو پیٹ میں اٹھائے رکھا۔ وضع حمل کے بعد دو سال تک دودھ پلانے کا وقت بتایا گیا ہے۔ وضع حمل سے پہلے بھی ماں کا کام واضح فرمایا گیا ہے۔ وضع حمل کے بعد دودھ پلانے کے علاوہ بھی ماں کو بچے کی ہمہ وقتی خدمت سے بڑا کوئی کام نہیں ہوتا۔ پرورش سے غافل ہونا ماں کے لئے ناقابلِ تصور ہوتا ہے۔ ماں نے جو کچھ کیا، وہ اللہ کی عطا کو اس کی منشاء کے مطابق استعمال کرتے ہوئے بندگی کا حق ادا کرنے کی صورت ہے۔ منعِم حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس لئے اس کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔ والدین پرورش کے عمل کو جس توجہ سے کرتے ہیں، اللہ اس توجہ کا قدر دان ہے، اس لئے حکم یہ دیا گیا ہے، کہ شعور کے ساتھ اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور والدین کا شکر ادا کیا جائے۔ والدین کو صرف زبان سے شکریہ کہہ کر راضی نہیں کرنا ہوتا، ان کی ذات کے ساتھ یہ تعلق ہونا چاہئے کہ انہیں جسمانی طور پر، روحانی طور پر راحت حاصل ہو اور وہ حقوق اللہ کی ادائیگی بطریقِ احسن کر سکیں، یہ مقام حسن ہے۔ انہیں اپنے متعلقین کے ساتھ معاملات کرنے میں عزت کے ساتھ سہولت دی جائے تو یہ مقام احسان ہے۔ شکر اللہ کا ہو گا، اور والدین کا ہو گا، کہ اطاعت اور خدمت کا حق ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جس مالکِ کل نے توفیق دی ہے، واپسی بھی اسی کی طرف ہو گی۔ اس دن سرخ رو وہی ہو گا، جو حق کی احسن ادائیگی کرتے ہوئے لوٹے گا۔ خلافِ حق کرنے والے کے لئے، ناشکری کرنے والوں کے لئے وہ دن بڑا بھاری ہو گا۔

حاصل : والدین کے ساتھ حسن و احسان کا تعلق قائم رکھتے ہوئے ان کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے، کہ انہوں نے خدمت کا موقع دیا ہے۔ ماں کو سکھ دینا بڑا حق ہے۔ بچے کو طبعی طور پر دو سال تک دودھ پلانا چاہئے۔ قیامِ حمل سے لے کر وضعِ حمل تک اور دودھ پلانے کی مدت میں ماں کو اپنی سلامتی اور حفاظت پر نظر رکھنی چاہئے۔ اللہ کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف جانا ہے۔ اگر ہم اس کا یقین رکھتے ہیں تو پھر اس یقین کو ہمارے ہر عمل میں نظر آنا چاہئے۔

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

اور اگر وہ دونوں تم پر زور دیں کہ تم میرا شریک ٹھہراؤ، جو تمہیں معلوم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرنا، اور دنیا میں معروف طریق پر ان سے مصاحبت کرنا، اور اتباع اس کے راہ کا کرنا جو میری طرف رجوع لائے، پھر میری ہی طرف تمہیں مراجعت

فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾

کرنا ہے، تو میں تمہیں بتا دوں گا جو عمل تم کرتے تھے۔

والدین کے ساتھ اپنے تعلق کو درست رکھنے کے لئے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر وہ تمہیں شرک کرنے پر مجبور کریں اور تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ تو ان کی اطاعت خلافِ حق ہوگی۔ مگر ان کی خدمت کا حق دنیا میں قائم رہے گا۔ بھلائی کے ساتھ ان سے مصاحبت کا حکم دیا گیا ہے۔ والدین کی خدمت کرنے میں اگر امرِ الٰہی کی تعمیل کے علاوہ بھی کچھ مقصود ہو گا تو پھر وہ اپنی خواہش اور غرض و غایت کی پیروی ہوگی۔ لہٰذا چاہے مصاحبت کا ہو۔ اس کا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے کہ یہ رخ کے درست ہونے کی سند ہے۔ واپسی تو سب کی اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوگی، اور وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی خبر بھی دے گا، جزا بھی دے گا۔

حاصل : والدین اگر خلافِ حق کرنے پر مجبور کریں، شرک پر مجبور کریں، اور اولاد کو علم ہو کہ ان کی بات خلافِ حق ہے تو ان کی اطاعت درست نہیں ہوگی۔ مگر دنیا میں ان کی خدمت کا حق قائم رہے گا۔ اتباع اسی کا کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے۔ واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف یقیناً ہوگی اور اللہ سے کوئی عمل مخفی نہیں رہ سکتا۔

يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿١٦﴾

اے میرے بیٹے اگر کچھ رائی کے برابر ہو، پھر وہ کسی پتھر میں ہو، یا آسمانوں میں ہو، یا زمین میں ہو، اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔ بے شک اللہ لطیف خبر رکھنے والا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن، عدل کا ترازو رکھا جائے گا، تو کسی پر کچھ ظلم نہ ہو گا۔ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ ہو گا، پھر وہ کسی پتھر میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا کہ جزا دینے والے کی شان یہی ہے۔ وہ اتنی لطیف خبر رکھنے والا ہے کہ اس سے کچھ مخفی رہ نہیں سکتا۔ جس مقام پر بھی عمل ہو رہا ہے وہ مذکورہ تینوں مقامات سے کوئی ایک مقام ہو گا، اور ان تینوں سے باہر جانا ممکن نہیں ہے۔ پھر عمل یقیناً عامل کے سامنے آئے گا، اور چھوٹا عمل جان کر بھی خلافِ حق کیا جائے گا، تو بھی وہ سامنے آئے گا۔ اس لئے غفلت شعاری بندے کو زیب نہیں دیتی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کو لطیف و خبیر ماننے کا ثبوت یہ ہے کہ خلوت میں کسی مقام پر بھی خلاف حق عمل نہ ہو۔ ہمارا خالق ہمیں بھی جانتا ہے ہمارے ماحول کو بھی جانتا ہے۔ ہمیں وہی کہنا چاہئے جو ہم کرتے ہوں۔ اولاد کو نصیحت کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾

اے میرے بیٹے نماز قائم رکھ، اور بھلائی کا امر کر، اور بُرائی سے منع کر، اور جو مصیبت پہنچے تو صبر کر، بے شک یہ عزم کے کام ہیں۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو رخ کے درست رکھنے کی تاکید کے بعد درسِ طریقت دیا۔ سب سے پہلے نماز کے قائم رکھنے کا حکم ہے، مقررہ اوقات پر اس کی ادائیگی کے لئے وضو کر لیا جائے، اور تیاری کر لی جائے تو نماز کی حفاظت کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ نماز کے بعد جس کام کا حکم دیا گیا ہے وہ بھلائی کا امر کرنا ہے۔ اپنے ماحول میں حق کے حوالے سے بھلائی کا امر کرنا بندے کے عبداللہ ہونے کا ثبوت ہے۔ اس کے بعد برائی سے منع کرنے کا مقام ہے۔ بُرائی سے منع کرنا، لوگوں کو خلافِ حق کرنے سے روکنا ہے۔ بھلائی کا امر کرنے سے اور بُرائی سے منع کرنے سے من مانی کرنے والے تیزی دکھانے لگتے ہیں۔ ان سے پہنچنے والے دکھ کو باذنِ اللہ جان کر صبر کیا جائے، تو حق کی ادائیگی ہوتی رہے گی، ورنہ بے صبری سے تعلق مع اللہ قائم نہیں رہے گا۔ یہ سب بڑی ہمت کے کام ہیں۔

حاصل : نماز قائم رکھنا، بھلائی کا امر کرنا، بُرائی سے منع کرنا اور مصیبت کو باذنِ اللہ جان کر صبر کرنا، یہ سب بڑی ہمت کے کام ہیں۔ پہلے خود ان بڑے کاموں کو کیا جائے، پھر دوسروں کی رہنمائی کی جائے تو یہ بندگی ہوگی۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾

اور لوگوں سے اپنا رخسارہ کج نہ کر، اور زمین میں اتراتا ہوا نہ چل، بے شک اللہ کسی اترانے والے کو، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو لوگوں کے ساتھ میل جول کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا۔ کہ لوگوں کے ساتھ بات کرتے وقت کج رخی درست نہیں ہوتی۔ لوگوں کے معاشی مقام کو دیکھ کر ان سے بات کی جائے تو پھر بات حق کے حوالے سے نہیں ہوگی۔ مال داروں سے اور طرح ہوگی، ناداروں کو حقیر جان کر ان سے کج رخی بھی ہوگی۔ زمین میں چلنے کے آداب یہ ہیں کہ اکڑ کر چلنا منع ہے۔ سر کو قدرے جھکا کر چلنا چاہئے۔ جسمانی حرکات سے فخر و غرور کا اظہار ہو، تو یہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اور جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، اس کی حرکات طبعی طور پر درست نہیں ہیں۔ اس کی حرکات کو دیکھ کر، ویسی حرکات کرنے سے رک جانا بھی اپنے رخ کو درست کرنے کی ایک صورت ہوگی۔

حاصل : لوگوں سے بات کرتے وقت کج رخی منع ہے۔ ان کی بات دھیان کے ساتھ سننی چاہئے اور بھلائی کے یقین کے ساتھ انہیں بات سنانی چاہئے۔ زمین میں اتراتے ہوئے چلنا منع ہے۔ اترانے والوں اور فخر کرنے والوں کی سی حرکات کرنے سے اجتناب ضروری ہے۔

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾

اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کو پست رکھ، بے شک بری سے بری آواز، گدھے کی آواز ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو متانت کے ساتھ، میانہ روی کے ساتھ چلنے کا حکم دیا، اور آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا۔ کلام کرتے وقت آواز کو پست رکھنا کہ وہ سننے والوں تک پہنچے اور ان کے لئے تکلیف دہ نہ ہو، بندے کی عزت میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔ بہت زور سے بولنا اور اس کو اپنا امتیاز بنالینا اپنے آپ کو کریہہ الصوت بنالینے والی بات ہوگی۔ بری سے بری آواز تو گدھے کی آواز ہے۔

حاصل : چال میں میانہ روی کا حکم ہے اور بولتے وقت آواز کو اتنا پست رکھنے کا حکم ہے کہ وہ سننے والوں تک پہنچے لیکن ان کے لئے تکلیف دہ نہ ہو۔ فخر و غرور کے ساتھ بلند آواز سے بولنا بندے کو زیب نہیں دیتا۔

شہادت : سورہ الشعراء (26) میں منکرین حق کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ ﴿۵﴾

اور ان کے پاس الرحمن کی طرف سے جو نصیحت بھی آئے وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ﴿۲۰﴾

اور کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے مسخر فرمائے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں۔ اور کچھ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں، بغیر علم کے، بغیر ہدایت کے اور بغیر کتابِ منیر کے۔

آسمانوں اور زمین کو جو خدمات سپرد کی گئی ہیں، وہ ان کو اللہ کے فرمان کے مطابق سرانجام دے رہے ہیں۔ بندہ ہر وقت

ان خدمات سے استفادہ کر رہا ہوتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے مابین بھی اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے، ایک مقصد کے تحت پیدا کیا ہے۔ کوئی شے اپنے مقصدِ تخلیق کو چھوڑ کر بغاوت کا رخ اختیار نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بندے کے لئے بنایا ہے۔ بندے کو اپنے لئے بنایا ہے۔ اللہ نے بندے کو ظاہری نعمتوں سے بھی نوازا ہے۔ اور باطنی نعمتوں سے بھی نوازا ہے۔ مادی نعمتیں نظر آتی ہیں اور اپنی افادیت کے لحاظ سے معروف بھی ہوتی ہیں۔ باطنی نعمتیں محسوس کی جاتی ہیں۔ ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نعمتیں اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ اور دونوں طرح کی نعمتوں سے بندے کی زندگی میں حسن اور توازن پیدا ہوتا ہے۔ ظاہری نعمت کو حکم کے مطابق استعمال کرنا اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ باطنی نعمت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے عقیدے کا درست رکھنا ضروری ہے۔ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنا اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتا۔ جو لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے، بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں۔ وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ علم سے بات کی جائے تو یقیناً وہ اہمیت رکھتی ہے۔ کہ علم، عمل کے بعد عطا ہوتا ہے۔ ہدایت سے بات کی جائے تو ہادی کے حوالے سے ہوتی ہے اور سند کا درجہ رکھتی ہے۔ کہ بڑے علم والے کی بات ہوتی ہے۔ کتابِ منیر، قرآن پاک ہے۔ اس سے سند پیش کی جائے تو شک کا مقام ختم ہو جاتا ہے۔ اور جھگڑا کرنے والوں کے پاس ان تینوں میں سے کچھ بھی نہ ہو۔ تو پھر وہ یقیناً اپنے ظن کی اتباع کر رہے ہوتے ہیں۔

حاصل : اپنے مقام کو پہچاننا چاہئے۔ دیکھنا چاہئے۔ جو چیزیں ہماری خدمت کر رہی ہیں، ان کو کس نے ہماری خدمت پر لگایا ہے۔ ظاہری نعمتوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ باطنی نعمتوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ بات علم سے کی جائے۔ ہادی کے حوالے سے کی جائے اور کتابِ منیر کے حوالے سے کی جائے تو وہ یقیناً سند کا درجہ رکھتی ہے۔ بندے کو بات کرتے وقت ان تینوں مقامات میں سے کسی ایک کے حوالے سے ضرور بات کرنی چاہئے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٢١﴾

اور جب ان سے فرمایا جائے اس کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، کہتے ہیں کہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا ہے، کیا اگرچہ شیطان انہیں عذابِ سعیر کی طرف دعوت دے رہا ہو۔

اللہ کے بارے میں بغیر علم کے، بغیر ہدایت کے اور بغیر کتابِ منیر کے مجادلہ کرنے والے جاہل ہوتے ہیں۔ جب ان سے فرمایا جائے۔ اس کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ اللہ ہی ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ اللہ کے فرمان کی پیروی بندے کا طبعی راستہ ہے۔ مذکورہ مجادلین اس کا جواب یہ دیا کرتے ہیں کہ ہم اسی کا اتباع کرتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا ہے۔ ہمارے آباء واجداد ہی ہمارے لئے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ فرمایا گیا

ہے کہ جن آباء کی پیروی میں تم مگن ہو وہ اگر شیطان کے بلاوے پر دوزخ کی طرف جا رہے ہوں تو پھر ان کی پیروی تمہیں بڑے خسارے میں ڈال دے گی، اور عملاً طبعی طور پر تم خسارے سے بچنے کے لئے سعی کرتے ہو۔ یہ اپنے رخ کو درست کرنے کی احسن ترغیب ہے۔ شیطان اپنے ماننے والوں کو دوزخ کی طرف ہی بلا رہا ہوتا ہے۔

حاصل : بغیر علم کے بغیر ہدایت کے اور بغیر کتابِ منیر کے صرف اپنے آباء کے اتباع کو درست جاننا قطعاً خلافِ حق ہے۔ جن کا رخ خلافِ حق ہو ان کا اتباع کرنے والے بھی خلافِ حق ہی کر سکتے ہیں۔ انسان دشمنی کو شیطان نے اپنا مقصدِ حیات بنا رکھا ہے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

اور جو اپنا رخ اللہ کی تسلیم کی طرف رکھے اور وہ ہو محسن، تو بے شک اس نے مضبوط گرہ تھامی۔ اور امور کی عاقبت اللہ ہی کی طرف ہے۔

بندے کی شان ہے شانِ تسلیم۔ جو اپنے رخ کو درست رکھتا ہو وہ فرمانِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھتا ہے۔ عملاً وہ محسن ہو تو اس کی صداقت کا ثبوت حال پر موجود ہوتا ہے۔ محسن نماز قائم رکھتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ اس کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ حق کے حوالے سے اسے کیا کرنا چاہئے، وہ یہ نہیں دیکھتا کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ نفع اور ضرر کو باذن اللہ ماننا بندے کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس نے اس طریقِ زندگی کو اپنایا، اس نے یقیناً مضبوط گرہ تھام رکھی ہے۔ کام کوئی ہو انجام تو اللہ کی طرف ہی ہو گا۔ جس نے بندے کو پیدا کیا ہے، جو اس کو پالتا ہے، جس نے اسے توفیق دی ہے، انجام کار اسی کے حضور پیش ہو گی۔ محسن کو اللہ کی پسندیدہ راہ اختیار کرنے کا انعام ملے گا، خلافِ حق کرنے والا اپنے کیے کی جزا پائے گا۔

حاصل : بندے کی شان، شانِ تسلیم ہے۔ ماننے والا، محسن ہو تو وہ سچا ثابت ہوتا ہے۔ محسن، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوتا ہے، اپنا حق ادا کرتا رہتا ہے اور نتائج کو باذنِ اللہ مانتا ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

اور جو کفر کرے تو تمہیں اس کے کفر سے حزن نہ ہو، انہیں ہماری طرف ہی مراجعت کرنی ہے، پھر ہم انہیں بتا دیں گے جو عمل وہ کرتے تھے۔ بے شک اللہ

سینوں کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

جو کفر کرتا ہے، اس کے کفر کا وبال اس پر تو ہوتا ہی ہے، مگر اس کی بھلائی چاہنے والے کو اس حال پر دکھ ہوتا ہے۔ اس حزن کا سبب کفر بتایا گیا ہے۔ یہ کفر حق کا انکار ہے۔ اور اس انکار کا کوئی جواز نہیں پیش کیا جاتا۔ ناصح سے یہ فرمایا گیا ہے کہ کافر کا کفر، آپ کو غم میں نہ ڈالے۔ انہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، ہم ان سب کو بتا دیں گے جو عمل وہ کرتے تھے۔ عمل سے پہلے اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوتا۔ اس لئے جب اللہ کسی پر اس کے کفر کی حقیقت واضح کر دے گا، تو اس حقیقت کا انکار ممکن نہ ہوگا۔

حاصل : ناصح کو حق کے انکار کی باتوں سے دکھ پہنچتا ہے۔ اس بات کو مان لیا جائے کہ اللہ سینوں کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے تو پھر ہماری نیت کو درست ہو جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین ہو تو پھر حال پر بے سند بات ہماری زبان پر نہیں آنی چاہئے۔

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾

ہم انہیں قلیل ہی برتنے دیں گے، پھر انہیں عذابِ غلیظ کی طرف لے جائیں گے۔

کفر کرنے والوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی ناسپاسی کی بدولت اللہ کی عطا کردہ متاع کو کم ہی برت پائیں گے۔ حیات دنیا میں خوف و حزن کا احاطہ ان پر مسلسل رہے گا، پھر انہیں گاڑھے عذاب کی طرف لے جایا جائے گا۔ یہ گاڑھا عذاب ان کے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ جس شدت کے ساتھ حق کا انکار کیا جائے، نتیجہ برآمد ہونے پر کافر کو اسی شدت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور وہ بڑا سخت عذاب ہوتا ہے۔

حاصل : کافر اپنی ناسپاسی کی بدولت متاعِ حیاتِ دُنیا کے حوالے سے خوف و حُزن میں مبتلا رہتا ہے۔ جس شدت سے حق کا انکار کیا جائے، عذاب میں اسی شدت کا اظہار ہوگا۔ انسان کے اعمال کی جزا دینے کا جو علم اللہ کو ہے وہ کسی دوسرے کو ہو ہی نہیں سکتا۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں، آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق فرمایا، تو کہیں گے اللہ نے۔ فرما دیجئے حمد اللہ ہی کی ہے۔ بلکہ وہ اکثر لاعلم ہیں۔

کفر کرنے والوں سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے، تو وہ جواب میں یہی کہیں گے، اللہ ہی

ہے۔ جب یہ ان کو تسلیم ہے کہ خالق کل اللہ ہے، تو پھر اللہ کے فرمان کے مقابل کسی کی بات ان کے لئے کیسے اہم ہو جاتی ہے۔ علیم مطلق کے مقابل کسی کے گمان کو وقعت دینا یقیناً بے علمی ہے اور کفر کرنے والے اکثر اسی لاعلمی میں مبتلا ہیں۔ اپنے عقائد میں تضاد کو دیکھنے کے باوجود ان کو درست نہ کرنا کس قدر غفلت کا ثبوت ہے۔

حاصل : کفر کرنے والے اپنے عقائد کے تضاد کو دیکھنے کے باوجود، اپنی لاعلمی کے دائرے سے نکلتے نہیں ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اللہ ہی غنی ہے، حمد والا۔

اللہ کی شان ہے کہ اس نے سب کچھ بنایا ہے، اور بڑے علم سے بنایا ہے۔ وہ سب کو پالتا ہے، اور علم سے پالتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اسی کا ہے۔ اسی کے فرمان کی اطاعت ہوگی تو رخ درست ہو گا۔ اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔ طبعی طور پر ہر شے اس کی حمد و تسبیح میں لگی ہوئی ہے۔ جو بندگی کے طبعی راستے کو چھوڑ دیتا ہے وہ اس کائنات میں اپنے آپ کو بے ربط بنالیتا ہے۔

حاصل : رخ درست ہو تو ہر مقام پر اللہ کی رضا مقصود ہوگی۔ جس کا فرمان ہماری بھلائی کے لئے ہے اور جو حمد والا ہے، اس کے فرمان کے مقابل جو کچھ بھی کیا جائے وہ ناسپاسی کے زمرے میں آئے گا۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

اور اگر زمین کے درخت قلمیں ہو جائیں اور بحر اس کی سیاہی ہو، اس کے پیچھے سات بحر ہوں، اللہ کے کلمات تمام نہ ہوں گے۔ بے شک اللہ عزت والا، حکمت والا ہے۔

ایک قلم کتنا لکھ سکتی ہے۔ زمین کے سب شجر قلمیں بن جائیں تو لکھنے کی اہلیت کس قدر بڑھ جائے گی۔ تھوڑی سی سیاہی سے کس قدر لکھا جا سکتا ہے اور جب سمندر دوات بن جائے تو پھر لکھنے کی اہلیت کس قدر بڑھ جائے گی۔ اور اس کے پیچھے سات سمندر کمک کے لئے اور بھی ہوں تو لکھنے کا سامان بہت بڑھ جائے گا۔ لکھنے کے اتنے بڑے انتظام کے ساتھ اگر اللہ کے کلمات کو لکھنا شروع کیا جائے، تو یہ انتظام ناکافی ہو جائے گا، اور اللہ کے کلمات تمام نہ ہوں گے۔ عزت و حکمت کا مشاہدہ لامتناہی ہے۔ اس کو بیان کرنے کا بندوبست جس قدر بڑا ہو سکتا ہے، ختم ہونے والا ہی ہو گا، اس لئے اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔

حاصل : اللہ کی حمد بیان کرنا، اس کی تسبیح کرنا بندے کو شان عطا کرتا ہے۔ اللہ کی عزت و حکمت کو اپنے مشاہدے کے حوالے سے بیان کرنے والے خوش کلام ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں سننے والوں کو اپنے حال سے متعلق معلوم ہوتی ہیں۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۗ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢٨﴾

تمہاری تخلیق اور بعث نفسِ واحد کی طرح ہی ہے۔ بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ دوسرا کوئی علیم مطلق نہیں ہے۔ ہماری پیدائش اسی کے علم سے ہوئی ہے۔ بعث بعد الموت بھی اسی کے علم سے ہوگی۔ یہ اللہ کے لئے نفسِ واحد کی پیدائش اور بعث کی طرح ہے۔ یہ اسے آسان ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کے "کُن" کہنے سے وہ ہو جاتا ہے جو وہ چاہے۔ نہ اسے کبھی سامان کی کمی پیش آسکتی ہے، نہ اسے کبھی کوئی اور مشکل پیش آسکتی ہے۔ وہ ہر مقام پر سنتا ہے اور ہر مقام پر دیکھتا ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک کو اس کے قول و فعل کی جزا دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کی قدرت کا احاطہ ناممکن ہے۔ اس لئے کام جس قدر بھی بڑا ہو، اللہ کے لئے وہ مشکل نہیں ہوتا۔ اللہ کی قدرت کے حوالے سے اس کی عزت کو بیان کرنا چاہئے۔ اپنے مشاہدے کے حوالے سے حاصل ہونے والے فوائد کو اس کی حکمت کے تحت بیان کرنا چاہئے۔ اس سے ہماری سماعت بھی بہتر ہوگی۔ ہماری بصارت بھی بہتر ہوگی۔

حاصل : اللہ کو السمیع ماننے والا ہمیشہ قول کو پاک رکھنے والا ہوگا۔ بصیر ماننے والا، صالح عمل کرنے والا ہوگا۔ اللہ کی قدرت کو اپنے مشاہدے کے حوالے سے بیان کرنا، اللہ کی قدرت سے حاصل ہونے والے فوائد کو اس کی حکمت کے عنوان کے تحت بیان کرنا، بندے کی شان میں اضافہ کرتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٩﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اسی نے شمس و قمر کو مسخر فرمایا ہے، ہر ایک اجلِ مسمّٰی تک جاری ہے، اور یہ کہ اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

یہ فرد سے خطاب ہے۔ دیکھنے کی صلاحیت کا محل استعمال یہ بھی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ رات اور دن کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ رات پہلے ہے دن بعد میں ہے۔ رات کی انتہا کے بعد دن کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور دن کی انتہا

کے بعد رات آجاتی ہے۔ رات کے بعد دن انسانی ضرورت ہے۔ اور دن کے بعد رات انسانی ضرورت ہے۔ پھر شمس و قمر کو بھی اللہ نے اپنے علم سے کام پر لگایا ہے۔ اور دونوں اس خوبی کے ساتھ اپنے کام پر لگے ہوئے ہیں، کہ کبھی کوتاہی کسی کے مشاہدے میں نہیں آئی۔ جن خدمات کو ان کے سپرد کیا گیا ہے، ان کا وقت اجل مسمّٰی تک ہے۔ یہ خدمات انسانی زندگی میں بالواسطہ اور بلاواسطہ بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ رات اور دن میں ہم جو بھی کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتا ہے۔ اس سے بڑا خبر رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت سے رات اور دن کو اپنی ضروریات کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ شمس و قمر کی افادیت کو دیکھنا چاہئے اور اپنے قول و فعل کو پاک رکھنا چاہئے۔ اپنی نیت کو درست رکھنا چاہئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٣٠﴾

یہ اس لئے کہ اللہ کی بندگی ہی حق ہے اور اس کے مقابل والوں کا پکارنا باطل ہے، اور اللہ ہی سب سے اوپر بڑا ہے۔

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، لیل و نہار کو بنانے والا، شمس و قمر کو جاری کرنے والا اور ہر شے کو پیدا کرنے والا، اللہ ہی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ کی بندگی ہی حق ہے، کہ وہ خالقِ کل ہے۔ وہی متاعِ حیات دیتا ہے۔ وہی حق کو نازل فرمانے والا ہے، وہی بندے کے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ وہی ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دے گا۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، ان کو پکارنا قطعاً خلاف حق ہے اور باطل ہے۔ بڑائی کو کسی مقام پر دیکھو، بڑائی والے کے اوپر بڑائی عطا کرنے والا بھی نظر آئے گا۔ اللہ کے اوپر کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے اس لئے وہ سب سے اوپر ہے اور بڑا ہے۔

حاصل : اللہ کی بندگی ہی حق ہے، اس کے مقابل ہر کسی کی بندگی باطل ہے۔ اللہ کی شان سب سے بلند ہے، بڑی ہے کہ اس شان کو عطا کرنے والا کوئی نہیں ہے، سب اللہ سے لینے والے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ لقمان (31) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٢﴾

اور ہماری نشانیوں کا انکار وہی کرتے ہیں جو قول کے جھوٹے اور ناشکرے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣١﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کشتی بحر میں اللہ کی نعمت سے ہی چلتی ہے، تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں، ہر بڑے صبر کرنے والے کے

لئے. شکر کرنے والے کے لئے۔

بندے کو اس کے مشاہدے کے حوالے سے، اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ کشتی کا بحر میں چلنا، اللہ کی نعمت کی بدولت ہے، اللہ کے فضل کی بدولت ہے۔ کشتی کے بحر میں چلنے سے انسانی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جس قادر مطلق کی قدرت سے یہ سارا کام ہوتا ہے، اس سے اپنے تعلق کو نظر انداز کر دینا، غیر طبعی طریقِ زندگی ہے۔ بندہ، بحری سفر میں اللہ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں دیکھتا ہے۔ بڑے مشکل مقامات سے بھی گزارا جاتا ہے اور انجام کار بڑے فضل سے بھی نوازا جاتا ہے۔ صبر کرنے والے یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ کی معیت میں ہی سلامتی ہے۔ صبر کرنے والے اللہ کے فضل کو پاکر شکر گزار ہوتے ہیں۔

حاصل : بحری سفر میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں بندے کے مشاہدے میں آتی ہیں۔ صبر و شکر میں اللہ کی معیت کا شرف پانے والے یقیناً اللہ کے فضل سے نوازے جاتے ہیں۔

وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿۳۲﴾

اور جب ان پر کوئی موج سائبان کی طرح چھا جائے، تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں، خالص اسی کے دین کے ہو کر۔ پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات بخشتا ہے، تو ان میں کوئی اعتدال پر رہتا ہے۔ اور ہماری آیات کا انکار بےوفا اور ناشکرے لوگ ہی کرتے ہیں۔

بحری سفر میں جب کوئی موج سائبان کی طرح بلند ہو کر کشتی کی سلامتی کے لئے خطرہ بنتی ہے تو کشتی کے مسافر، اللہ سے اپنا طبعی تعلق محسوس کرتے ہوئے اسے بڑے اخلاص کے ساتھ پکارتے ہیں، بڑے ادب سے عہدِ وفا باندھتے ہیں، اللہ کی بندگی میں غفلت سے دور رہنے کا عزم کرتے ہیں۔ پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف لے آتا ہے، تو عہدِ وفا کو یاد رکھنے والے ہی حق پر رہتے ہیں۔ بےوفا اور ناشکرے لوگ، دکھ کے ان لمحات کو ایسے بھول جاتے ہیں، جیسے کبھی ان سے واسطہ ہی نہیں پڑا تھا۔

حاصل : سمندر میں غرق کرنے کی قدرت رکھنے والا اللہ، خشکی میں دھنسا دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ نجات، اللہ ہی دیتا ہے۔ نجات پانے والا اللہ کو یاد رکھے تو وہ وفادار و شکر گزار ہوتا ہے، ورنہ وہ راہ حق پر رہ ہی نہیں سکتا۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرنے والے بد عہد اور ناشکر گزار ہوتے ہیں، ان کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہئے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٙ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

اے لوگو اپنے رب کی پکڑ سے بچو اور ڈرو اس دن سے کہ کوئی والد اپنی اولاد کی جگہ کام نہ آئے گا، اور نہ کوئی مولود اپنے والد کی جگہ کام آسکے گا۔ بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ تو تمہیں حیات دنیا دھوکا نہ دے اور نہ تمہیں اللہ کے بارے میں وہ دغاباز دھوکا دے۔

یہ دنیا، دارِ اعمال ہے۔ اس میں طبعی طور پر والد اپنی اولاد کے لئے سہولتوں کا اہتمام کرتا ہے، اولاد اپنے باپ کے لئے سکھ کا باعث بنتے ہوئے راحت پاتی ہے۔ مگر قیامت کے دن ایسا نہیں ہو گا۔ اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے ان کے جو متقی ہوں گے۔ جس دوستی کی بنیاد تقوے پر ہو گی، وہ قیامت کے دن پاکیزگی کے حوالے سے باعثِ راحت ہو گی۔ باقی سب دوستیاں بے حقیقت ثابت ہو جائیں گی۔ اس دن ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ جزا کا دن آئے گا، اس لئے یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ حیاتِ دنیا میں زینتِ حیات کو مقصود بنالیا جائے تو یہ حیاتِ دنیا سے دھوکا کھانا ہے اور اصلاح حال سے غفلت کو طریقِ زندگی بنالیا جائے تو یہ شیطان دغاباز سے دھوکا کھانا ہے۔

حاصل: اپنے رب کی پکڑ سے بچنے کا وقت حال ہی ہے۔ قیامت کے دن طبعی طور پر نفسی نفسی کا عالم ہو گا، صرف وہی تعلق قائم رہے گا جو تقوے پر مبنی ہو گا۔ عبداللہ ہونے کے حوالے سے ہمارے وعدے کو بھی پورا ہونا چاہیے، حیات دنیا کی زینت مقصود نہ ہو، اور اصلاح حال سے غفلت نہ برتی جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

بے شک علمِ ساعت اللہ کے پاس ہے اور وہ مینہ برساتا ہے، اور اسے علم ہے جو ارحام میں ہے۔ اور کسی نفس کو ادراک نہیں کہ کل کیا کسب کرے گا، اور کسی نفس کو ادراک نہیں کہ کس زمین میں اس کی موت ہو گی۔ بے شک اللہ علم رکھنے والا، خبر رکھنے والا ہے۔

قیامت کا علم اللہ کی شان کے لائق ہے۔ اس میں بندے کو یہ دیکھنا ہی نہیں چاہئے کہ وہ کب آئے گی۔ اس سے حال پر ملی ہوئی توفیق کا استعمال درست نہیں ہو سکے گا۔ مینہ برسانا اللہ کا کام ہے۔ وہ اپنے علم سے بارش برساتا ہے۔ ارحام میں صورتیں بھی وہی بناتا ہے۔ اللہ کا علم ہی علم مطلق ہے۔ کوئی نفس کل کے کام کے بارے میں اپنی تجویز رکھتا ہو تو وہ حالات پر قدرت تو نہیں رکھتا۔ اس لئے کل کے بارے میں اپنے ارادے کو حق کے تابع ہی رکھنا چاہئے۔ موت کے بارے میں بھی یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ اللہ کا کام ہے، کہ وہ بندے کی واپسی کا حکم کس مقام پر دیتا ہے۔ اللہ جس بات سے اپنے کسی بندے کو مطلع کرنا چاہے، مطلع کر دیتا ہے۔ اور وہ بندہ اللہ کے عطا کردہ علم کا اظہار اسی حد تک ہی کرتا ہے، جس حد تک اللہ کو پسند ہو۔ ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔ اللہ سب سے اوپر ہے اس کے اوپر کوئی علم والا نہیں ہے۔ وہی ہر حال کی خبر رکھنے والا ہے۔

حاصل : قیامت کے دن کا یقین رکھنا رخ کے درست ہونے کا ثبوت ہے۔ مینہ برسانا اللہ کا کام ہے۔ ارحام میں صورتیں بنانا اللہ کا کام ہے۔ بندے کے حالات کار میں اللہ اپنے علم سے تصرف فرماتا ہے۔ بندے کی واپسی کس مقام سے ہوگی اللہ کو اس کا بڑا علم ہوتا ہے۔ اللہ جس کو جتنا علم عطا فرمائے، اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ علیم مطلق بھی اللہ ہے، اور ہر مقام پر خبر رکھنے والا بھی اللہ ہی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ (32) میں ارشاد فرمایا ہے۔

كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۘ لَا يَسْتَوُونَ ﴿١٨﴾

تو کیا مومن اس کی طرح ہے جو فاسق ہے۔ نہیں وہ کبھی مساوی نہیں ہوتے۔

آیاتہا ۳۰ — سُوْرَةُ السَّجْدَةِ — رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ حروف مقطعات

حروف مقطعات کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے۔ یہ الفاظ جہاں بھی آئے ہیں سورتوں کی ابتداء میں آیت کی حیثیت سے آئے ہیں۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بیان نہیں فرمایا۔

حاصل : خاموشی کے مقام پر بولنا بے جا ہے۔ حدود ادب کو ملحوظ رکھنا بات کرنے والے کے لئے انتہائی اہم ہوتا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کی تنزیل رب العالمین کی طرف سے ہے۔

قرآن پاک کو رب العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ زبور، تورات اور انجیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، اور یہ کتاب ان کتابوں کی مصدق ہے۔ رب العالمین کی طرف سے اس کا نازل فرمایا جانا سند کا درجہ رکھتا ہے، کہ انسانوں کے انفرادی مسائل ہوں، یا اجتماعی مسائل ہوں، ان کا طبعی حل اسی کتاب سے لیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کی مثل پیش نہیں کی جا سکتی۔ اس کتاب کی سند کو دیکھ لینے کے بعد استدلال کو ختم ہو جانا چاہئے، کہ اس میں شک کا کوئی مقام نہیں ہے۔

حاصل : قرآن پاک رب العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد اس کی تلاوت کو دین کا رکن جاننا چاہئے۔ اس کی سند کو دیکھ لینے کے بعد ادب سے مان لینا چاہئے۔ اس کتاب کے اندر کوئی کجی نہیں ہے، کوئی تضاد نہیں ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾ کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ کا افتریٰ ہے۔ بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈر سنا دیں، جن کے پاس آپ سے قبل کوئی ڈر سنانے والا

نہیں آیا، تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

جو لوگ قرآن پاک کو اللہ کا نازل فرمایا ہوا نہیں مانتے وہ اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھڑا ہوا ہے، اس لئے یہ افترٰی ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ افترٰی ہمیشہ بے سند ہوتا ہے، اور لوگوں کی خواہشات سے تعلق رکھتا ہے۔ طبعی طور پر وہ درست ہو سکتا ہی نہیں۔ قرآنِ پاک کی یہ شان لوگوں کے مشاہدے میں آچکی ہے اور آتی رہے گی، کہ اس کی مثل پیش کرنا ممکن نہیں۔ اس کی ہر بات سند کا درجہ رکھتی ہے، اس کی ہر بات طبعی طور پر درست ہے، اور لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنے کے لئے ہے۔ تاکہ وہ اپنے رخ کو حق کے مطابق درست کریں۔ وہ لوگ جن کے پاس آپ سے قبل کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا، ان کے لئے بھی حجت پوری کی جا رہی ہے۔ انہیں اگر حق کو پانا مطلوب ہو، تو وہ حق کو پالیں گے۔

حاصل : قرآنِ پاک کو افترٰی کہنے والے اس کو اللہ کا نازل فرمایا ہوا حق نہیں مانتے۔ قرآنِ پاک حق ہے اور ربّ العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔ جو لوگ اپنے انجام سے آگاہ نہ ہوں انہیں ان کے انجام سے آگاہ کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے بیان کا منشا ہدایت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، چھ دن میں خلق فرمایا، پھر عرش پر استوٰی فرمایا۔ اس کے مقابل کوئی تمہارا دوست اور شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔ تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔

جس ذاتِ اقدس کی طرف سے قرآنِ پاک کو نازل فرمایا گیا ہے، وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، وہی ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے پیدائش کے کام کو چھ دن میں پورا کیا ہے، اور چھ دن ہمیشہ ماضی میں ہوتے ہیں۔ ساتواں دن متحرک ہوتا ہے اور حال ہوتا ہے۔ عرش وہ مقام ہے جس کی طرف۔ راستہ ڈھونڈ نکالنا کسی کے بس میں نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ یہ وہ مقام ہے جو کائنات میں مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، اور جہاں سے اس کے نظام کو چلایا جاتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والے بھی پیش تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی ہوں گے۔ وہاں کوئی ان کا دوست نہ ہوگا، اور کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حضور، حاضری سے بچ جانا ممکن نہیں، تو حال پر اس حق کو مان لینا چاہئے، جو ہماری بھلائی کے لئے نازل فرمایا گیا ہے۔ اس نصیحت کی قدر کرنی چاہئے، جو علیم مطلق کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے، ناصحؑ امین کی زبان سے بیان ہوئی ہے، اور طلبِ ہدایت رکھنے والے اس سے فیض یاب ہو چکے ہیں، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

حاصل : اللہ ہی خالقِ کل ہے۔ ہر شے کا طبعی استعمال صرف علمِ حقیقی سے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ چھ دن ماضی ہوتے ہیں، ساتواں حال ہوتا ہے اور حال ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ جو حال پر نصیحت کو نہیں مانتے، ان کا آخرت میں نہ کوئی دوست ہو گا، نہ شفاعت کرنے والا۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝

آسمان سے زمین کی طرف، امر کی تدبیر فرماتا ہے، پھر یہ اسی کی طرف چڑھتا ہے ایک دن میں، جس کی مقدار تمہاری گنتی کے پیمانہ کے مطابق ہزار برس ہے۔

علم اللہ ہی کے ہاتھ ہے، اس لئے امر کی تدبیر بھی اسی کی شان کے لائق ہے۔ جب تک قیامت نہیں آتی، یہی صورت رہے گی۔ قیامت کے دن شمس و قمر نہیں ہوں گے۔ اس دن کی کیفیت کو موجودہ نظام کے حوالے سے ہی سمجھا جا سکتا ہے، اور وہ دن ہماری گنتی کے حوالے سے ہزار برس کا ہو گا۔ یہ دن وہ دن ہے، جسے کافریومِ عسر کہیں گے۔ کائنات کی ابتداء بھی اللہ کے امر سے تعلق رکھتی ہے، اس کی انتہا بھی اللہ کے امر سے تعلق رکھتی ہے۔

حاصل : ہماری ہر تدبیر کو امرِ الٰہی کے تابع رہنا چاہئے۔ بعث بعدالموت سے لے کر جزا کی ابتداء تک کا وقت بھی بڑا بھاری ہو گا خلاف حق کرنے والوں کے لئے۔

ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

یہ ہے غیب اور ظاہر کا علم رکھنے والا، عزّت والا، رحم فرمانے والا۔

ہر شے کا علم رکھنے والے کی شان ہے، کہ وہ غیب اور ظاہر کا علم رکھنے والا ہے، وہ عزّت والا ہے، رحم فرمانے والا ہے۔ حقیقی علم کی طلب رکھنے والوں کو دیکھنا چاہئے، کہ اللہ پاک ہے، اس کا علم پاکیزگی کے ساتھ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اظہار عبدیت کے لئے جس قدر وہ چاہے عطا کر دیتا ہے۔ بندے کو اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ حیاتِ دنیا میں جس کا رخ حق کے حوالے سے درست ہو گا، اس کی عزت بڑھتی رہے گی، اور اس پر اللہ کا رحم جاری رہے گی۔ جس کی عزت افزائی کی جائے اس کی ماضی کی کوتاہیوں کی نفی بھی ضروری ہوتی ہے۔

حاصل : غیب اور ظاہر کا کلی علم رکھنے والا ہی معبود ہے۔ اس سے غیب میں بھی مدد مانگنی چاہئے، ظاہر میں بھی۔ بندے کو عزّت بھی وہی دیتا ہے، اپنے رحم سے بھی وہی نوازتا ہے۔

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ

وہ جس نے ہر شے احسن خلق فرمائی اور

خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝۷ انسان کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو ایک مقصد کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ کائنات میں ہر شے اپنے مقصدِ تخلیق کے مطابق کام کر رہی ہے۔ کچھ چیزیں اپنی افادیت کے حوالے سے بالواسطہ اور بلاواسطہ انسان کو معلوم ہو چکی ہیں، کچھ ابھی تک معلوم نہیں ہیں۔ مگر خالقِ کل نے کسی شے کو بے مقصد نہیں بنایا۔ اللہ نے اپنے علم سے اور حکمت سے جو کچھ بھی بنایا ہے وہ احسن ہے۔ اشیاء کے مابین جو توازن اللہ نے رکھا ہے وہ بھی اسی کی شان کے لائق ہے۔ حضرتِ انسان کی پیدائش بھی ایک مقصد کے تحت ہوئی ہے۔ اس پیدائش کی ابتداء گارے سے ہوئی۔ بندہ اگر اپنی ابتداء کو دیکھے تو پھر صانع کی شان سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔

حاصل : جب اللہ نے ہر شے احسن خلق فرمائی ہے تو کسی شے کی پیدائش میں اپنی پسند کو داخل کرنا قطعاً بے جا ہو گا۔ انسان کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے ہوئی ہے۔ مٹی کو صانع حقیقی نے جو شان عطا کی ہے، اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۸ پھر اس کی نسل ٹھہرائی ایک بے قدر پانی کے خلاصے سے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا کر کے، بقاء نسل کے لئے ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔ مذکر اور مؤنث کا مادۂ تولید اپنے اپنے جسم کا جوہر ہوتا ہے۔ یہ جوہر ملتے ہیں تو پیدائش کے کئی مراحل طے ہونے لگتے ہیں۔ ہر مرحلے پر جو کچھ درکار ہوتا ہے، اسے اللہ ہی مہیا کرتا ہے، کسی دوسرے کو تو ضروریات پیدائش کا علم ہی نہیں ہوتا۔ بقاء نسل کا طبعی طریقہ جو اللہ نے رکھا ہے، وہی احسن ہے۔ صحیح وقت، صحیح مقام اور صحیح طریقہ بقاء نسل کے حق کو ادا کرنے کے لئے لازم ہیں۔

حاصل : بقاء نسل کے لئے اللہ نے جو طریقہ رکھا ہے، طبعی طور پر اس کا وقت اور مقام بھی موزوں ہونا چاہئے۔ جوہر حیات کو ضائع کر دینا بہت بڑی ناشکری ہے۔ کھانے پینے اور رہنے سہنے میں جو عوامل بقاء نسل پر بُری طرح اثر انداز ہوں وہ یقیناً اس قوم کے مستقبل کو تاریک کر دیتے ہیں۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹ پھر اسے درست کیا، اور اس میں اپنی روح سے پھونکا، اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل ٹھہرائے۔ تم قلیل شکر کرتے ہو۔

نطفہ قرار پانے کے بعد وہ علقہ بنتا ہے پھر مضغہ بنتا ہے، پھر اس پر تسویہ کا مقام آتا ہے، اور یہ ظاہری درستگی کا کام پورا ہونے کی سند ہے۔ اس کے بعد جسم میں اللہ کے امر سے روح پڑتی ہے۔ پھر کان، آنکھیں اور دل اپنا اپنا عمل شروع کرتے ہیں۔ کان افراد کے مابین رابطے کا ایسا ذریعہ ہیں کہ ان کے بغیر معاشرے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ آنکھیں مشاہدے کے لئے عطا کی گئی ہیں اور ظلمات سے نور کی طرف جانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ دل ناصحین سے محبت کرنے کے لئے دیا گیا ہے، طبعی طور پر اس کے لئے راحت کا یہی مقام ہے۔ کان سے حق کو نہ سنا جائے، آنکھ سے حق کو نہ پہچانا جائے، اور دل کو اللہ کے محبوب سے نہ لگایا جائے تو شکریہ ادا نہیں ہو سکے گا۔ شکر ادا کرنے میں سنجیدگی کتنی قلیل ہوتی ہے۔

حاصل : کانوں سے حق کو سننا، آنکھوں سے حق کو دیکھنا اور دل سے دلبر کو چاہنا، یہ شکر گزار بندوں کی نشانیاں ہیں۔ ظاہری درستگی پہلے اور افعال الاعضا کا مقام بعد میں ہے۔

وَقَالُوٓا۟ ءَإِذَا ضَلَلْنَا فِى ٱلْأَرْضِ أَءِنَّا لَفِى خَلْقٍ جَدِيدٍۭ ۚ بَلْ هُم بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كَـٰفِرُونَ ﴿١٠﴾

اور کہتے ہیں کیا جب ہم مٹی میں مل گئے پھر ہماری جدید تخلیق ہوگی، بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کو نہیں مانتے۔

ماننے کا ثبوت عمل سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ زبان سے اللہ کو مانتے ہوں اور عملاً اس کے فرمان کی خلاف ورزی کرتے ہوں ان کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے۔ جو لوگ بعث بعد الموت کو ناممکن جانتے ہیں، وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی پیشی کا یقین نہیں رکھتے۔ زبان سے بیان کردہ عقیدہ، عمل میں جلوہ گر نہ ہو تو وہ بے حقیقت ہوتا ہے۔ جزا کے یقین سے ہی حسن عمل پیدا ہوتا ہے۔ جزا کا یقین نہ ہو تو نفس مختلف لبادوں میں استکبار کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خبیث و طیب مساوی نہیں ہوتے۔

حاصل : مٹی سے ہی ہماری پیدائش کی ابتدا ہوئی ہے، اس مٹی سے دوبارہ اٹھایا جانا قطعاً ممکن ہے۔ ہمیں اپنے رب سے ملاقات کا یقین ہو تو ہماری سوچ طبعی طور پر درست ہوگی۔

۞ قُلْ يَتَوَفَّىٰكُم مَّلَكُ ٱلْمَوْتِ ٱلَّذِى وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾ ع

فرما دیجئے تمہیں ملک الموت وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر ہے، پھر اپنے رب کی طرف رجوع ہو گے۔

بندے کا آنا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، واپسی بھی اسی کی طرف ہوگی۔ موت دینے والا فرشتہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے۔ وفات دینے کا فعل، امر الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔ جو لوگ خلافِ حق کرتے رہتے ہیں اور مسلمان کی حیثیت سے انہیں موت نہیں آتی، انہیں مجرم کی حیثیت سے اس دنیا سے لے جایا جاتا ہے۔ اپنے رب کی طرف مراجعت کا عدم یقین،

بندے کی غفلت میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ اسی غفلت میں وقت ضائع ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ملک الموت وفات دینے آجاتا ہے۔ اس وقت حق کو قبول کرنا کسی کو نفع نہیں دیتا، کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو چکا ہوتا ہے۔

حاصل : ملک الموت کو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے، اور وہ وہی کرتا ہے، جس کا اسے امر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی کا یقین ہو تو موت، مسلمان کی حیثیت سے آتی ہے، ورنہ بحیثیت مجرم یہاں سے لے جایا جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ سجدہ (32) میں فرمایا ہے۔
وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ
اور اگر تم دیکھو جس وقت مجرم اپنے رب کے حضور سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔ کہیں گے، اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، تو ہم کو پھر بھیج دے کہ ہم صالح عمل کریں، ہمیں یقین آگیا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور کبھی تم دیکھو جس وقت مجرم اپنے رب کے حضور سر نیچے کئے ہوں گے، اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، تو ہمیں پھر بھیج کہ ہم صالح عمل کریں، ہم کو یقین آگیا ہے۔

خلافِ حق کرنا جرم ہے، اور جزا کے بارے میں عدم یقین باعثِ جرم ہوتا ہے۔ جب جزا دینے والے کے حضور پیش ہوگی تو مجرموں کے سر ندامت سے جھکے ہوئے ہوں گے۔ وہ عرض کریں گے۔ اے ہمارے ربّ اب ہم نے دیکھ لیا ہے، ہم نے سن لیا ہے۔ حق کو دیکھنے اور سننے میں ہم کوتاہی کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ اب ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ہمیں دنیا میں پھر بھیج دے کہ ہم صالح عمل کریں اور فلاح پائیں۔ اب ہمیں حق کے بارے میں یقین آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس یقین کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جب حق کا انکار کرنا ممکن ہی نہ ہوگا، تو اس وقت حق کو مان لینا فائدہ بھی نہ دے گا۔

حاصل : اپنے ربّ کے حضور، حاضری کا عدم یقین باعثِ جرم ہوتا ہے۔ اس حاضری سے بچ جانا کسی تجویز سے ممکن ہی نہیں۔ حق کو دیکھنا اور سننا حال پر ہی فائدہ دیتا ہے۔ وہ یقین کوئی حقیقت نہیں رکھتا، جو صالح عمل میں جلوہ گر نہ ہو۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ

اور اگر ہم چاہتے ہر نفس کو راہِ ہدایت بجھا

لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾

دیتے. ولیکن میرا قول حق ہے، کہ میں جنوں اور انسانوں سے اکٹھے، جہنم کو بھر دوں گا۔

اگر خواہش کی پیروی کا امکان ہی نہ رکھا جاتا، تو ہر نفس وہی کرتا جو طبعی طور پر اسے حق کے حوالے سے کرنا چاہئے۔ مگر اس صورت میں انسان کی وہ فضیلت، جو اپنے اختیار کے درست استعمال کی وجہ سے اسے حاصل ہوتی ہے، بے معنی ہو جاتی۔ اور یہ بات اللہ کے نزدیک خلافِ حکمت ہے۔ اللہ کا فرمان حق ہے۔ اور اس مقام پر فرمان یہ ہے کہ جو بھی جنوں اور انسانوں سے شیطان کا اتباع کرے گا، ان سب سے جہنم کو بھر دیا جائے گا۔

حاصل : اللہ کے لئے ہر نفس کو راہ ہدایت سجھانا قطعاً مشکل نہیں ہے، مگر جن کو راہِ ہدایت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان سے تو پوچھ ہی ان کے رخ کے بارے میں ہوگی۔ جو شیطان کا اتباع کریں گے، ان سب جنوں اور انسانوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

تو چکھو بدلہ اس کا کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو نظر انداز کر دیا تھا، ہم بھی تمہیں نظر انداز کرتے ہیں، اور چکھو دائمی عذاب بدلہ اس کا جو عمل تم کرتے تھے۔

جو لوگ شیطان کا اتباع کرتے ہیں، وہ فرمانِ الٰہی کو نظر انداز کرتے ہیں حال پر۔ انہیں اللہ سے ملنے کے دن کا یقین نہیں ہوتا۔ قریبی اور وقتی فائدے کو وہ حقیقی اور دائمی فائدے کے مقابل ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلافِ حق کرنے والوں کو اس طرح نظر انداز کیا جائے گا، کہ تم نے حدودِ عبدیت کو پہچاننے کے باوجود وہ کیا جو تمہیں نہیں کرنا چاہیے تھا، ہم بھی تمہیں نظر انداز کرتے ہیں کہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو اس کے بدلے عذاب پاؤ۔

حاصل : اللہ سے ملنے کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ہم تو محتاج ہیں اس کے کرم کے، اور وہ مالک کل ہے اور کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ اللہ اگر ہمیں نظر انداز کر دے تو جہنم کے علاوہ ہمارا کوئی ٹھکانا ہو ہی نہیں سکتا۔

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ

ہماری آیات پر ایمان وہی لاتے ہیں کہ جب وہ انہیں یاد دلائی جاتی ہیں، سجدے

رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿١٥﴾

میں گر پڑتے ہیں اور حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ استکبار نہیں کرتے۔

اللہ کی آیات پر ایمان لانے والوں کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ جب ان لوگوں کو حق کے حوالے سے نصیحت کی جاتی ہے، تو جو طلب حق ان کے اندر طبعی طور پر موجود ہوتی ہے اس میں سیلاب آجاتا ہے۔ اور وہ حق کو سن کر ادب سے اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اور حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرنے لگتے ہیں۔ استکبار ان لوگوں کا طریقِ زندگی نہیں ہوتا۔ استکبار، حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دینے کا نام ہے۔ استکبار اور طلبِ ہدایت کسی وجود میں جمع نہیں ہو سکتے۔

حاصل : طلبِ ہدایت ہو تو حق کو پانے کے بعد سجدہ ریز ہونا ضروری ہے، حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرنا ضروری ہے۔ طلب ہدایت اور استکبار کسی وجود میں جمع نہیں ہو سکتے۔

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٦﴾

ان کی کروٹیں خواب گاہوں سے جدا ہوتی ہیں، اور وہ اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

اللہ کی آیات پر ایمان لانے والے حق سے آگاہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں، وہ نماز تہجد کے لئے اٹھتے ہیں، بستر پر استراحت کے مقابل نماز تہجد ان کے لئے باعثِ راحت ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں۔ ان کو خوف یہ ہوتا ہے کہ قول و فعل میں حق کے مقابل کسی جگہ من مانی نہ ہو جائے اور اس طرح خلوت میں ان کی پاکیزگی کا دعویٰ بے معنی نہ ہو جائے، طمع یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پاک بندوں کی صف میں شمار ہو جائیں۔ حقوق اللہ کی ادائیگی میں حسنِ عبادت کا ثبوت اسی طرح سے ملتا ہے، اور حقوق العباد کی ادائیگی میں حسن عبادت کا ثبوت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ملتا ہے۔ یہ خرچ اللہ کے دیئے ہوئے پاک رزق سے ہی ہوتا ہے۔ جو رزق خلافِ حق کرنے سے حاصل ہو وہ اللہ کا دیا ہوا پاک رزق نہیں ہوتا۔

حاصل : استکبار سے بچنے والے، ایمان والے ہوتے ہیں۔ نماز تہجد کی ادائیگی کے لئے اٹھنا اور اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارنا حقوق اللہ کی احسن ادائیگی کی صورت ہے، اور اللہ کی راہ میں اللہ کے دیئے ہوئے پاک رزق سے خرچ کرنا حقوق العباد کی احسن ادائیگی کی صورت ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن

تو کسی کو معلوم نہیں آنکھوں کی وہ ٹھنڈک

قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾

جو ان کے لئے چھپا رکھی ہے، جزاء اس کی جو عمل وہ کرتے تھے۔

مومنین کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا اور ان کی ازواج کو بھی حکم دیا جائے گا، اور ان کی خاطریں ہوں گی جن کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں وہ ملے گا جو طالب کا جی چاہے گا، اور آنکھوں کو خوشی ہوگی، اور وہ دائمی راحت کا مقام ہو گا۔ یہ جزاء ہوگی ان اعمال کی جو بندے نے کیے ہوں گے۔ اعمال کے لئے دیا گیا وقت اور توفیق مساوی نہ ہونے میں اللہ نے بڑی حکمت رکھی ہے۔ صالح عمل کی حقیقت خیر کا رخ رکھنا ہے اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو حق کے مطابق استعمال کرنا ہے۔

حاصل : اللہ اس سے راضی ہے جو راہِ خیر کو اختیار کرتا ہے۔ حال پر بھی اس کے لئے فلاح ہے، آخرت میں بھی اس کے لئے فلاح ہے۔ اللہ ہی سب سے بہتر جزا دینے والا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿١٨﴾

بھلا وہ جو مومن ہے، اس کی طرح ہے جو فاسق ہے۔ وہ مساوی نہیں ہوتے۔

مومن پاک ہوتا ہے، فاسق ناپاک ہوتا ہے۔ مومن اپنی پسند کو حق کے تابع رکھتا ہے، فسق حق کو اپنی پسند کے تابع رکھتا ہے۔ مومن یہ دیکھتا ہے کہ حال پر حق کے حوالے سے اسے طبعی طور پر کیا کرنا چاہئے، فاسق یہ دیکھتا ہے کہ حال پر خواہش کی پیروی کس طرح ہو سکتی ہے۔ مومن جزا کا یقین رکھتا ہے، فاسق جزا کا یقین نہیں رکھتا۔ مومن حُسنِ عمل کا قدردان ہوتا ہے، فاسق مادی فوائد کو ہی دیکھتا ہے۔ مومن اور فاسق کا رخ کسی مقام پر ایک جیسا نہیں ہوتا، اس لئے وہ کبھی مساوی نہیں ہوتے۔

حاصل : مومن اور فاسق کا رخ ہمیشہ الگ الگ ہوتا ہے، وہ کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ ہمیں کبھی ان کے ساتھ مساوی سلوک نہیں کرنا چاہئے۔

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾

سو جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، تو ان کے لئے باغ ہیں رہنے کے لئے، مہمانی ان کاموں کا صلہ جو وہ کرتے تھے۔

ایمان کا دعویٰ، صالح اعمال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو لوگ اس طرح سچے ثابت ہو جائیں گے تو وہ باغوں میں خدائی مہمان ہوں گے، اور یہ مقام انہیں ان کے اعمال کے صلے میں ملے گا، اور یہ رخ کو درست رکھنے کا صلہ ہو گا اور اللہ کا فضل ہو گا۔

حاصل : ہمیں پاک لوگوں کو مہمان بنانے کا شرف ہو تو اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ان کی قدر کرنی چاہیے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۰

اور وہ لوگ جو فاسق ہوئے تو ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ جب اس سے نکلنا چاہیں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور ان سے فرمایا جائے گا، چکھو اس آگ کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

مومنین اور فاسقین برابر نہیں ہوتے۔ مومنین کے مقابل فاسقین کا انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ فاسق لوگوں نے خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنا رکھا ہوتا ہے۔ ان کا ٹھکانا آگ ہو گا۔ یہ آگ ان کے اعمال کا صلہ ہو گا۔ جب وہ اس آگ سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور یہ بھی فرمایا جائے گا۔ اسی عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے، اب اس کو چکھو۔ یہ تمہارے کیے ہی کا تو بدلہ ہے۔

حاصل : فاسق لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ یہ مقام ان کے اعمال کے صلے میں انہیں ملے گا۔ جس بُرے عمل کو چھوڑنا پسند نہ ہو، اس کی جزا سے خود کو بچانا ممکن نہ ہو گا۔ حقائق کو جھٹلانا، عذابِ الٰہی کو اپنا مقدر بنانا ہے۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۱

اور ہم ان کو عذابِ اکبر کے سوا عذابِ ادنیٰ بھی چکھائیں گے تاکہ وہ رجوع کریں۔

عذاب اکبر سب سے بڑا عذاب ہو گا، اعمال کی پوری پوری جزا کی صورت میں ہو گا، اور وہ قیامت سے تعلق رکھتا ہے۔ عذاب ادنیٰ حال پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد اصلاح حال کی مہلت موجود ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ تذکیر و تنبیہ کا درجہ رکھتا ہے، اور اس سے رجوع الی اللہ ہونے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

حاصل : عذابِ ادنیٰ میں مبتلا ہونے کے بعد بھی جو اپنی روش کو درست نہ کرے، وہ رجوع الی اللہ نہیں ہوتا۔ عذابِ اکبر صرف اللہ ہی دے سکتا ہے۔ ہمیں سزا دینے کا حق اسی قدر ہے، جس کی تعمیل ہم پر فرض ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے، جسے اس

ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

کے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی، پھر اس نے ان سے اعراض کیا۔ بے شک ہم مجرمین سے انتقام لیں گے۔

جو خلافِ حق کرے وہ ظالم ہوتا ہے۔ جو دوسروں کو خلافِ حق کرنے کی ترغیب دے وہ بڑا ظالم ہوتا ہے۔ اور جس کو اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی جائے اور وہ ان سے اعراض کرے، وہ انتہائی درجے کا ظالم ہوتا ہے۔ اظلم یقیناً مجرم ہوتا ہے۔ اور مجرمین سے انتقام لینا اللہ کی سنت ہے۔

حاصل : ظالم سے ہی اظلم بنتا ہے، اس لئے خلاف حق کرنے سے بچنا ضروری ہے۔ جب نصیحت رب العالمین کی آیت کے حوالے سے ہو، تو پھر اعراض کرنے سے جرم ثابت ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً مجرمین سے انتقام لیتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (21) میں فرمایا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ

ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور ہم شر اور خیر سے تمہیں دیکھتے ہیں۔ اور تمہیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی، تو تم اس کے آنے میں شک نہ کرو۔ اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت ٹھہرایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات شریف عطا فرمائی گئی۔ آپ نے حق کو لوگوں پر واضح فرمایا۔ ماننے والوں کو بشارت دی اور انکار کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا۔ جن لوگوں نے تورات شریف کو نہ مانا جیسے ماننا چاہئے تھا وہ عذاب میں پکڑے گئے۔ اسی طرح جو لوگ قرآن پاک کو نہیں مانتے جیسے ماننا چاہئے، وہ بھی عذاب میں پکڑ لئے جائیں گے۔ تورات شریف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت ٹھہرایا گیا۔ ہدایت انہی لوگوں کو حاصل ہوئی جو حضرت رسول (علیہ السلام) کو حال پر مانتے تھے اور ان سے محبت رکھتے تھے۔ سورۃ الروم (30) میں فرمایا گیا ہے۔ اور بے شک ہم نے آپ سے قبل بھی رسول بھیجے ان کی قوموں کی طرف، تو وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے، تو ہم نے جرم کرنے والوں سے انتقام لیا، اور مومنین کی نصرت ہم پر حق ہے۔ (37) کتاب الٰہی کے جھٹلانے والے اپنے کیے کے انجام کو پہنچے اور ماننے والوں نے اس سے ہدایت پائی۔

حاصل : حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات شریف عطا فرمائی گئی۔ کتاب اللہ کا انکار منکرین کو موعودہ انجام تک ضرور پہنچاتا ہے۔ ماننے والے اس سے ہدایت پاتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾

اور ہم نے ان میں امام ٹھہرائے، کہ ہمارے امر سے ہدایت دیتے، جب کہ انہوں نے صبر کیا، اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی ظالم کو امام نہیں بنایا جاتا۔ بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں کو امام بنایا گیا، جو امرِ الٰہی کو ادب سے مانتے تھے، لوگوں کو امرِ الٰہی کے حوالے سے ہدایت دیتے تھے، لوگوں کو ساتھ رکھنے میں مشکل مقامات پر صبر کرتے تھے، اور اللہ کی آیات پر یقین رکھتے تھے۔

حاصل : امام المومنین کے لئے ضروری ہے کہ اس کا بیان امر الٰہی کے حوالے سے ہو، لوگوں کو راہِ حق پر رکھنے کے عمل میں وہ صبر کرے، اور اللہ کی آیات پر یقین رکھتا ہو۔ امام اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لا رہا ہوتا ہے، اس کا اتباع کرنے والا یکسو ہو جاتا ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾

بے شک تمہارا رب قیامت کے دن ان کے مابین فیصلہ فرما دے گا کہ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

جو لوگ تورات شریف کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، وہ ان لوگوں سے اختلاف کرتے ہیں، جو تورات شریف کو اور تورات شریف کے مصدق قرآن شریف کو مانتے ہیں۔ حق سے اختلاف ہمیشہ اپنی جماعت کی پیروی کی بنا پر ہوتا ہے۔ قیامت کا دن جزا کا دن ہو گا، اس دن رب العالمین کا فیصلہ سامنے آئے گا، اختلاف ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ مگر اس فیصلے کو پاکر مومنین کو راحت ہو گی، منکرین کو دکھ پہنچے گا۔ اس وقت اصلاح کو اختیار کرنا تو ممکن ہی نہ ہو گا۔

حاصل : حق سے اختلاف کرنے والوں کو خدائی فیصلہ ضرور سنایا جائے گا۔ اس فیصلے کے بعد حق کو مان لینا نفع نہ دے گا۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ۚ

اور کیا انہیں اس پر ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے قبل کتنے قرون کو ہلاک کر

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ ۖ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾

ڈالا، کہ یہ ان کے مساکن میں پھرتے ہیں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں۔ کیا وہ سنتے نہیں۔

جس راستے پر چلنے والے پہلے ہلاکت میں پڑ چکے ہوں، اس راستے کو کبھی محفوظ نہیں سمجھا جاتا۔ جن قرون کو پہلے ہلاک کیا جا چکا ہے۔ ان کی روش قطعاً خلافِ حق تھی۔ وہ لوگ طاقتور بھی تھے اور ان کے پاس وسائل بھی تھے۔ جب ان کو ان کی بداعمالیوں پر پکڑا گیا تو وہ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکے، اور وہ عبرتناک انجام کو پہنچے۔ ان کے مساکن معلوم ہیں۔ ان سے لوگوں کا گزر ہوتا ہے۔ ان مساکن سے وہاں کے رہنے والوں کی حیثیت اور کیفیت کا پتہ لگتا ہے۔ اس میں دیکھنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں نے حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دی اور من مانی کرتے کرتے، اللہ کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگ گئے۔ جب ان کو ان کے رب کی آیات کے حوالے سے نصیحت کی گئی تو انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ جرائم ان کے ہاں معمول ہو گئے تو پھر ہلاک کر دیئے گئے۔ اس بات کو سننے کا ثبوت تبھی ملے گا، جب سننے والا رکے اور دیکھے کہ اس نے کون سی راہ اختیار کر رکھی ہے۔

حاصل : اپنے اختیار کردہ راستے پر پہلے چلنے والوں کے انجام کو جاننا ضروری ہوتا ہے۔ مساکن سے ساکنین کا پتہ لگتا ہے۔ ماضی کی نشانیاں بتاتی ہیں کہ ان لوگوں کی حیثیت کیا تھی، کیفیت کیا تھی۔ عملاً اگر اصلاح کو قبول نہ کیا جائے تو حق کو سننے کا ثبوت کوئی نہیں ہوتا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنفُسُهُمْ ۖ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٢٧﴾

اور کیا دیکھتے نہیں کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی بھیجتے ہیں، پھر اس سے کھیتی نکالتے ہیں، کہ اس میں سے ان کے چوپائے اور وہ خود کھاتے ہیں۔ پھر کیا دیکھتے نہیں۔

مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرنا اللہ کا کام ہے، اور یہ انسانی مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ زمین زندہ ہو جاتی ہے تو اس سے کھیتی کو اگانے والا بھی اللہ ہی ہے۔ اس کھیتی سے جانوروں کو بھی رزق ملتا ہے، انسانوں کو بھی رزق ملتا ہے۔ اللہ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں اس طرح انسان کے مشاہدے میں آتی ہیں۔ مردہ زمین کی قوتِ روئیدگی کی بحالی۔ ایک ہی کھیتی سے مخلوق کو اس کی ضروریات کے مطابق رزق دینا۔ پہلے بنانے والے کے لئے دوبارہ بنانا آسان ہو گا۔ جو کچھ انسان کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے اس کو دیکھنے سے حق کو پالینے کا مقام آنا چاہئے۔ انسان کو اس کے مشاہدے کے حوالے سے حق شناسی میں بڑی مدد دی جاتی ہے۔ طلبِ ہدایت ہو تو اس سے ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔

حاصل : مردہ زمین کو بارش سے زندہ ہوتے دیکھ کر بعث بعد الموت کو مان لینا چاہئے۔ ایک ہی کھیتی سے مخلوق کو اس کی ضروریات کے مطابق رزق دینا اللہ کی شان ہے۔ دیکھتے ہوئے بھلائی کی راہ کو اختیار کرنا ہی طبعی طور پر عقل مندی ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور کہتے ہیں، یہ فیصلہ کب ہو گا اگر تم سچے ہو۔

بعث بعد الموت کو بعید از امکان جاننے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہو گا، اور قیامت کا ذکر کرنے والے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کریں کہ وہ قیامت کو لا کر دکھائیں، یا اس کے آنے کا وقت بتائیں۔ یہ دونوں مطالبات جہالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیامت کو لانا اللہ کا کام ہے۔ اس کے لانے کا وقت بھی اللہ کے علم میں ہے۔ اس کے آجانے پر ہی اگر حق کو بیان کرنے والوں کی صداقت کو مانا جائے تو یہ ماننا نفع نہ دے گا۔

حاصل : حق کو ماننے کے لئے حال پر ملی ہوئی مہلت بہترین وقت ہے۔ اسی وقت میں ہم بھلائی کی راہ کو اختیار کر سکتے ہیں۔ اس صداقت کی تسلیم ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی، جس کے تسلیم کرنے کے بعد اصلاحِ حال کے لئے مہلت ہی موجود نہ ہو۔

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

فرما دیجئے فیصلے کے دن کافروں کو ایمان لانا نفع نہ دے گا، اور نہ انہیں مہلت ہی ملے گی۔

فیصلے کے دن کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ اس دن کافروں کو ایمان لانے میں کچھ مشکل پیش نہیں آئے گی، مگر ان کا ایمان لانا انہیں نفع نہ دے گا۔ اس دعویٰ ایمان کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش کرنا ممکن نہ ہو گا، دار جزا قائم ہو چکا ہو گا، اس لئے مہلت کا مقام پورا ہو چکا ہو گا۔

حاصل : جہاں حق کا انکار ممکن ہی نہ ہو وہاں حق کو مان لینا بڑا عمل نہیں ہوتا اور نافع بھی نہیں ہوتا۔ اصلاح حال کے لئے مہلت کی موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۸

تو ان سے اعراض کرو اور انتظار کرو بے شک وہ بھی منتظر ہیں۔

تبلیغ حق سے استفادہ نہ کرنے والے، حق کا انکار کرتے کرتے عذاب الٰہی کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں، اور عذابِ الٰہی کو بھی

تبلیغِ حق کرنے والے کی صداقت کی سند ٹھہرا دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے انجام کو پہنچنے کا انتظار کرنا چاہیے۔ منکرینِ حق کو یہ انتظار ہوتا ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے رسم و رواج کو اہمیت نہ دینے والے کتنی دیر چل سکیں گے۔

حاصل : جہاں منکرینِ حق عذابِ الٰہی کا مطالبہ کرنے لگیں، وہاں تبلیغِ حق کا کام ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں سے اعراض کرنا چاہیے، اور انجام کا انتظار کرنا چاہیے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مومنون (23) میں ارشاد فرمایا ہے۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٣﴾

کوئی امت نہ اپنی اجل سے پہلے جائے اور نہ تاخیر کرے۔

آیاتہا ۷۳ سُوْرَةُ الْأَحْزَابِ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ ﴿۱﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ سے ڈریئے، اور کافروں اور منافقوں کو وقعت نہ دیجئے۔ بے شک اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر بھیجا گیا۔ آپ کا بولنا اللہ کے حکم سے تھا۔ اتباعِ حق آپ کے اتباع سے ہی ہوتا ہے۔ آپ سے براہِ راست خطاب بھی لوگوں کو علم عطا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ اتباع کرنے والے لوگوں پر حکم پہلے آتا ہے۔ عمل بعد میں ہوتا ہے۔ اور جس کا اتباع سند کا درجہ رکھتا ہے، وہاں عمل پہلے ہو رہا ہوتا ہے حکم بعد میں آتا ہے۔ اس سے وہ شان روشن ہوتی ہے، جو اللہ نے حضور کو عطا فرمائی۔ کافر اور منافق اس کوشش میں رہتے ہیں کہ حق کے مقابل ان کی تجاویز کو وقعت دی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ اللہ کو علم والا اور حکمت والا ماننے کا ثبوت اسی طرح سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کی رضا بہر حال مقصود ہو تو اللہ سے ڈرنے کا ثبوت موجود ہے۔ کافروں اور منافقوں کے مابین حق کی مخالفت کی بدولت بڑا اتحاد ہوتا ہے۔ کافروں اور منافقوں کی تجاویز کو کبھی وقعت نہیں دینی چاہئے۔ اللہ کو علم والا، حکمت والا ماننے کا حق ادا کرنا چاہئے۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ ﴿۲﴾

اور اسی کا اتباع کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو حکم ہو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ اللہ نے اس کی سند نازل فرمائی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہونے کی طریقت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ وہی کیا، جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ تھا۔ اللہ کی رضا کے علاوہ آپ کا مقصود کچھ تھا ہی نہیں۔ خلوت و جلوت میں یہ یقین کہ اللہ کو ہمارے اعمال کی خبر ہے۔ رحمۃ للعالمین اور آپ کے پاک ساتھیوں کی زندگیوں میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔ اسی پاک صف میں شمار ہو جانے کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

حاصل : فرمانِ الٰہی سے بڑی ہمارے لئے کوئی سند نہیں ہے۔ خلوت و جلوت میں یہ یقین ہمارے اعمال میں نظر آنا چاہئے، کہ اللہ کو ہمارے حال کا پتہ ہے۔ دائی پاک دامنی اللہ کے پاک بندوں کی شان ہے۔

وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ③

اور اللہ پر توکّل کیجئے، اور اللہ کافی ہے وکیل۔

توکّل کرنے والے اللہ کے محبوب ہوتے ہیں۔ توکّل کرنے والے یہ یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ ہمیں حال پر حق کی ادائیگی کے لئے درکار ہے وہ اللہ نے عطا کر رکھا ہے۔ جو آئندہ درکار ہو گا وہ علیمِ مطلق کی طرف سے عطا کر دیا جائے گا۔ کام بنانا اللہ کی شان ہے اور وہ ہر شے کا مالک ہے، قادرِ مطلق ہے۔ جو کچھ وہ کر سکتا ہے وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ اس لئے متوکّل حق کی ادائیگی کے بعد ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

حاصل : متوکّل سے ہی توکّل کا علم سیکھنا چاہئے۔ متوکّل کا عمل بول رہا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کو کافی اور کارساز مانتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰۗـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاۗءَكُمْ اَبْنَاۗءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④

اللہ نے کسی آدمی کے جوف میں دو قلب نہیں ٹھہرائے، اور تمہاری ازواج کو جن سے تم ظہار کر بیٹھو تمہاری مائیں نہیں ٹھہرایا، اور تمہارے متبنّوں کو تمہارے بیٹے نہیں ٹھہرایا۔ یہ تمہارے اپنے منہ کے قول ہیں اور اللہ کا قول حق ہے اور وہی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔

کسی آدمی کے اندر اگر دو دل ہوتے تو وہ کبھی یکسو نہیں ہو سکتا تھا، فسادِ فکر سے بچ نہیں سکتا تھا، اور وفاداری کا حق بھی ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ کا فرمان سند کا درجہ رکھتا ہے، اور اللہ نے فرمایا ہے حق کے بعد ہے ہی کیا مگر گمراہی۔ دل مقامِ رضا ہے، اس لئے اگر دل حق کے ساتھ ہے تو بندہ باحقیقت ہے، ورنہ بے حقیقت ہے۔ جو لوگ جذبات کے عدم توازن کی وجہ سے بیویوں کو مائیں کہہ دیتے ہیں وہ حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ جن عورتوں کے ساتھ نکاح کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے ان میں اضافہ یا کمی کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ بیوی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں ہو جاتی۔ پیدا تو ہر کوئی

ایک ماں سے ہی ہوتا ہے۔ ایسے فرد پر بے جا بولنے کی وجہ سے کفارہ لازم ہو جاتا ہے اور کفارہ ادا کر دینے کے بعد اس کو زبان کھولنے کے آداب پیشِ نظر رہتے ہیں۔ اسی طرح باپ ایک ہی ہوتا ہے۔ متبنیٰ بیٹا نہیں ہو سکتا۔ خالقِ کل نے جو مقامات رکھے ہیں وہ علمِ مطلق سے ہیں، اس لئے ان میں کمی بیشی خلافِ حق ہے۔ قول وہی حق ہے جو اللہ کا فرمان ہے۔ بندے کے منہ کی بے سند بات کبھی حق نہیں ہو سکتی۔ جو زبان حق کے خلاف بیان کرے وہ پاک نہیں رہتی اور زبان کو پاک رکھنا بندے پر لازم ہے۔ راہ حق طبعی طور پر ایک ہی ہوتی ہے۔ اور اللہ ہی اس کو بھاتا ہے اس لئے بندے کو اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہنا چاہئے۔

حاصل : تضادِ فکر غیر طبعی صورت ہے۔ اللہ کے فرمان کو ادب سے ماننے والے احتیاط سے بولتے ہیں۔ ماں بھی ایک ہی ہوتی ہے باپ بھی ایک ہی ہوتا ہے۔ زبان کو پاک رکھنا چاہئے۔ اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہنا چاہئے۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ ؕ وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۵

انہیں ان کے آباء کی نسبت سے ہی پکارو، یہی اللہ کے نزدیک پورا انصاف ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کے آباء کا علم نہ ہو، تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور موالی ہیں۔ اور خطا ہو جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں مگر وہ جو تمہارے قلب سے عمداً ہو۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

متبنیٰ کو اسی کے باپ دادا کی نسبت سے پکارا جائے تو یہ اللہ کے نزدیک درست ہے۔ اس لئے اس حکم کو جاننے کے بعد کوتاہی سے بچنا لازم ہے۔ اگر متبنیٰ کے آباء کا علم نہ ہو تو پھر پکارنے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، کہ انہیں دین میں اپنا بھائی کہا جائے۔ اپنا موالی کہا جائے۔ خطا ہو جائے تو گناہ نہیں ہو گا، مگر عمداً خلافِ حق کیا جائے تو قطعاً گناہ ہو گا۔ اعترافِ گناہ کے بعد توبہ کرنا ضروری ہے۔ توبہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش بھی دیتا ہے، اس پر رحم بھی فرماتا ہے۔

حاصل : طبعی اور درست صورت وہی ہے، جو اللہ نے رکھی ہے، اس لئے متبنیٰ کو اس کے باپ کی نسبت سے پکارا جائے۔ اگر ان کے آباء کا علم نہ ہو تو انہیں بھائی کہہ کر پکارا جائے۔ خطا ہو جائے تو گناہ نہیں، عمداً خلافِ حق کیا جائے تو گناہ ہے۔ اعترافِ گناہ کے بعد توبہ اور انابت کا مقام رکھا

گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶

اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حق مومنین پر ان کے انفس کے مقابل اولیٰ ہے، اور آپ کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں۔ اور رحمی رشتے دار، دوسرے مومنین اور مہاجرین کے مقابل اولیٰ ہیں اللہ کے قانون میں، مگر یہ کہ تم اپنے اولیاء کے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہو۔ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

ہر مومن مرد اور عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنی پسند کو اللہ کے رسول کی پسند کے مقابل قطعاً چھوڑ دے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق مومنین پر ان کے انفس کے مقابل اولیٰ ہے۔ آپ مومنین پر رؤف ہیں، رحیم ہیں۔ رضاء رسول کے علاوہ رضاء الٰہی کسی مقام پر موجود ہی نہیں۔ فرد کے حوالے سے نہیں مگر امت کے حوالے سے آپ کا مقام امت کے باپ کا ہے۔ اس لئے آپ کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں۔ اس لئے حضورؐ کے حوالے سے آپ کی ازواجِ مطہرات کا حق اپنی ماؤں کے مقابل بڑا ہو گا۔ کوئی مومن ان کے ساتھ نکاح کرنے کا تصور بھی نہیں کرے گا۔ رحمی رشتے دار دوسرے مومنین کے مقابل، مہاجرین کے مقابل، اللہ کے قانون کے حوالے سے اولیٰ ہیں۔ اس لئے اللہ کے مقرر کردہ طریقے کے مقابل کوئی صورت اختیار کرنا گناہ ہے۔ کسی کو اس کے طبعی حق سے محروم کرنا منع ہے۔ ہاں یہ ہے کہ تم اپنے اولیاء کے ساتھ کوئی مہربانی کرنا چاہو تو اس کی اجازت ہے۔ مگر اس مہربانی کو بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حدود کے تحت ہونا چاہئے۔ اللہ نے جس کا حق رکھا ہے، اس کو اس کا حق حکم الٰہی جان کر ادب سے دینا چاہئے۔ اور یہ کہنا چاہئے، اللہ نے اپنی کتاب مقدس میں آپ کا یہ حق رکھا ہے، ہم ادب سے یہ آپ کو دیتے ہیں۔

حاصل : نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جان سے بڑھ کر محبت کا دعویٰ، عملاً سچا ثابت ہونا چاہئے۔ آپ کی ازواج مطہرات کو اپنی ماؤں سے بڑھ کر ماننا چاہئے۔ اللہ نے جس کا حق رکھا ہے اس کا حق ادب سے دینا چاہئے۔ مومنین اور مہاجرین پر مہربانی معروف طریقے پر ہونی چاہئے۔ من مانی کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ

اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا میثاق لیا

وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ﴿۷﴾

اور آپ (علیہ السلام) سے اور نوح (علیہ السلام) سے اور ابراہیم (علیہ السلام) سے اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اور عیسیٰ (علیہ السلام) ابنِ مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا میثاق لیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کو پہنچانے کے لئے جس طرح اہتمام حجت کیا گیا، اس سے روشن ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں سے کس قدر تعلق رکھتا ہے۔ نبیوں سے گاڑھا عہد لیا گیا، کہ آپ حق کو پہنچائیں گے، اللہ کی رضا کے لئے مخالفت کو برداشت کرتے رہیں گے، لوگوں کو ان کے مسائل کا حل حق کے حوالے سے بتائیں گے، اور بشارت و انذار کے مقامات ان کے سامنے روشن کر دیں گے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی مخالفت کرنے والوں سے جو سلوک کیا، حسن سلوک میں اس سے بہتر کوئی مقام نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے پیغامِ حق پہنچانے میں جس قدر دکھ جھیلا، اپنے دکھ کو اس کی نسبت سے دیکھنا شاہدین کو تقویت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قادرِ مطلق کا ساتھ رکھنے میں جو مثال پیش کی، اس سے اپنے دعوے کو جانچنے میں مدد ملتی ہے۔ آپ نے نہ نار کو دیکھا، نہ نمرود کو دیکھا، صرف اپنے یار کو دیکھا۔ اللہ نے اس نار کو گل زار کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے جس قدر دکھ اٹھائے اور بنی اسرائیل کو جس طرح مدد دی، اس کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔ آل فرعون دکھ میں مبتلا ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے، دکھ ختم ہو جاتا تو وہ پھر خلافِ حق کرنے پر کمربستہ ہو جاتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو بھلائی کی راہ دکھانے کے لئے جو کچھ کیا وہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہئے اور ان کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہئے۔ ان حضرات ذی شان کے اسماء گرامی کا ذکر کر کے شاہدین کے کام کو واضح کیا گیا ہے۔ اس راستے کی مشکلات کو جاننے کی صورت رکھی گئی ہے۔ حق کی مخالفت کرنے والوں سے ویسا تعلق رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جو انبیاء کرام کی سنت رہا ہے۔

حاصل : تبلیغ حق کرنے والوں کو ان کے کام کی اہمیت کا پورا پورا احساس دلانا چاہئے اور ان سے عہد لینا چاہئے کہ وہ ہر مقام پر یہ دیکھیں گے کہ انہیں کیا کرنا ہے، یہ نہیں دیکھیں گے، کہ ان کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے۔

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾ ع ۸

تاکہ اللہ صادقین سے ان کے صدق کے بارے میں پوچھے، اور کافروں کے لئے المناک عذاب تیار رکھا ہے۔

شاہدین کی معیت کو اختیار کرنے والے صداقت کے دعوے میں سچے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوچھا اسی

حوالے سے جائے گا۔ جس حوالے سے حال پر کسی کا تعلق ہو گا۔ جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے اعمال کی صورت میں اپنے جلانے کا سامان اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ یہ سامان اس دنیا سے جاتے وقت ان کے ساتھ جاتا ہے۔ یہ المناک عذاب ہے جو ان کے لئے ان کے اعمال کے حوالے سے تیار رکھا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع ہم پر فرض ہے۔ ہماری صداقت کا ثبوت ہمارے اعمال سے ملتا ہے۔ راحت عاشقین کو حاصل ہوتی ہے۔ کافر اپنے اعمال کی جزا کو اللہ تعالیٰ کے ہاں تیار پائیں گے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب (33) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ﴿٣٦﴾

اور کسی مومن اور مومنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار رہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حکم عدولی کرے وہ بے شک صریحاً گمراہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾

اے ایمان والو اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم پر لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ لشکر جو تم نے نہ دیکھے، اور اللہ دیکھتا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرنے کے معنی مذکورہ حوالے سے اللہ کا شکر ادا کرنے کے ہیں اور استقامت کے ساتھ راہ حق پر رہنے کے ہیں۔ جنگِ احزاب کا ذکر ہے۔ یہود اور کافرین بڑی تیاری کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ شہر کے باہر خندق کھودی جا چکی تھی اس لئے حملہ آور فوجیں شہر میں داخل نہ ہو سکیں، مگر انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرے کو توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک آندھی بھیجی جس سے ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ لشکر بھیجے جن سے حملہ آور فوجیں مرعوب ہوئیں، اور اس طرح مدینہ منورہ پر حملہ کرنے والی فوجوں کو محاصرہ اٹھا کر وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت نظر آئی۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھتا ہے۔ ماننے والا باحقیقت ہوتا ہے، نہ ماننے والا بے حقیقت ہوتا ہے، عمل کی ظاہری صورت جو بھی ہو۔

حاصل : مذکورہ حوالے سے اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔ استقامت کے ساتھ راہ حق پر رہنا لازم ہے۔ اللہ جو مدد دے سکتا ہے اور دیتا ہے وہی سب سے بڑی مدد ہوتی ہے۔ اللہ کے ساتھ کا یقین ہمارے عمل میں نظر آنا چاہیے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾

جب وہ تم پر چڑھ آئے تمہارے اوپر کی طرف سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے، اور جب آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے، اور تم اللہ پر طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

یہود اور کافرین کی فوجوں نے بلندی کی طرف سے بھی حملہ کیا اور نشیب کی طرف سے بھی حملہ کیا۔ یہ حملہ بہت بڑا تھا۔ مدینہ منورہ کا محاصرہ کرنے والی فوج بہت بڑی تھی۔ سامانِ حرب ان کے پاس بہت تھا۔ خوراک اس قدر تھی کہ وہ ایک عرصہ تک محاصرے کو قائم رکھ سکتے تھے۔ حملہ بلندی کی طرف سے بھی تھا، نشیب کی طرف سے بھی تھا۔ حملہ آور فوج کے ساتھ مساوی وسائل کا مقابل کرنے والے یقیناً خوف زدہ ہوئے۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، کلیجے منہ کو آنے لگے۔ اور ضعف ایمان جہاں جہاں تھا وہ ظاہر ہونے لگا۔ اور ضعیفُ الایمان لوگوں نے اللہ تعالی کے باب میں طرح طرح کے گمان کیے۔

حاصل: دشمن فوج کی عددی قوت، ان کا سامان حرب، میدان جنگ میں ان کی پوزیشن وغیرہ، یہ چیزیں مومنین کو مرعوب نہیں کرتیں۔ ضعف ایمان والے وحشت زدہ ہو جائیں، ان کے کلیجے خوف کی وجہ سے منہ کو آنے لگیں، اور ان کی کیفیات ان کی زبان سے بیان ہونے لگیں تو اس کو خلافِ توقع نہیں کہا جا سکتا۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾

وہاں مومنین کو ابتلا دی گئی اور انہیں جھنجھوڑا گیا شدید جھٹکوں سے۔

لوگ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا، کہ وہ ایمان لانے کا دعوی کرتے ہیں، اور انہیں عملاً نہیں دیکھا جائے گا، تو یہ درست نہیں ہے۔ صداقت و کذب کو پہلے بھی دیکھا جاتا رہا ہے، آئندہ بھی دیکھا جاتا رہے گا۔ ابتلا بندے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے تب غیر طبعی باتیں سب اس سے دور ہو جاتی ہیں۔ دشمنوں کی بڑی تعداد اوپر اور نیچے سے چڑھ آئے اور مومنین کی صفوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہوں، جن کو اپنی خوشی مومنین کی اجتماعی بھلائی کے مقابل زیادہ عزیز ہو، تو یہ شدید جھٹکوں سے جھنجھوڑے جانے کی صورت ہے۔

حاصل: اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہنا چاہیے۔ ابتلا کے مقام پر اللہ تعالی کا ساتھ ہی بندے کو پورا رہنے میں مدد دیتا ہے۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے قلوب

مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

میں مرض تھا یہ کہنے لگے، ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ دیا تھا وہ محض غرور تھا۔

منافق ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر اللہ کے رسول کو اپنی جان سے عزیز تر نہیں جانتے۔ جو حق کو ماننے کا دعویٰ بھی کریں اور دل میں اپنی خواہش کی پیروی کے علاوہ کچھ مقصود نہ رکھتے ہوں۔ ایسے لوگوں پر جب مشکل وقت آتا ہے، تو وہ اپنے اندر کی کیفیت کو چھپا نہیں سکتے، اور وہ کچھ کہنے لگتے ہیں، جس سے ان کے ایمان کا دعویٰ ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ جس کو وہ پورا نہ نظر آئے وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں مگن ہوتا ہے۔ جو اس کی خواہشات کے خلاف ہو وہ اسے فریب ہی لگتا ہے۔

حاصل: منافق لوگ حالات کو اپنی توقع کے خلاف پائیں تو ان کے قلوب میں چھپا مرض، ظاہر ہونے لگتا ہے۔ وہ اپنی زبان سے ہی اپنے ایمان کے دعویٰ کی نفی کر دیتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے اہلِ یثرب یہاں تمہارا مقام نہیں، تو لوٹ جاؤ، اور ان میں ایک فریق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اجازت مانگتا تھا، ان کا قول تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اور وہ غیر محفوظ نہیں تھے، ان کا ارادہ ہی فرار ہونے کا تھا۔

منافقین نے جب دشمن فوج کی عددی برتری دیکھی، حالاتِ جنگ ان کو دشمن فوج کے حق میں جاتے نظر آئے، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں سے یہ کہا کہ کافروں کی اس بڑی فوج کے مقابلے میں تم لوگ ٹک نہیں سکو گے، تمہاری سلامتی کا تقاضا یہی ہے کہ تم یہاں سے لوٹ جاؤ۔ منافقوں میں سے ایک فریق ایسا بھی تھا، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگتے ہوئے یہ عذر پیش کیا، کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ ان کا ارادہ اس مقام سے بھاگنے کا تھا اور کوئی بات نہ تھی۔

حاصل: محبین مدینۃ النبی کہتے تھے، منافق یثرب کہہ کر اس بستی کے سابق نام کو موزوں ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ منافق حالاتِ جنگ کو دشمن فوج کی طرف جاتے دیکھیں، تو اپنے فرار

ہونے میں ہی سلامتی دیکھتے ہیں، مگر اس سے پہلے مومنین کے دلوں پر دشمن فوج کی دھاک بٹھانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿۱۴﴾

اور کوئی شہر کے کناروں سے ان پر گھس آئے پھر ان سے فتنے کی بات کرے، تو وہ اسے مان لیں اور اس میں تھوڑی ہی دیر کریں۔

منافقوں کی قلبی کیفیت بیان فرمائی گئی ہے، کہ دشمن ان تک پہنچ جائے اور ان سے فساد کرنے کو کہے تو یہ فوراً دشمن کی مدد پر تیار ہو جائیں گے، اور وہی کریں گے جس کی ان سے توقع کی جائے گی۔ یہ لوگ ذاتی مفاد کو دیکھتے ہیں اور ذاتی مفاد پر کسی چیز کو قربان کرنے میں دیر نہیں کرتے۔

حاصل: منافق کے نزدیک اس کے ذاتی مفاد سے زیادہ کچھ اہم نہیں ہوتا۔ وہ مومنین کے دشمن کا آلۂ کار بننے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿۱۵﴾

اور بے شک اس سے قبل وہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کی پوچھ ہوتی ہے۔

منافقین اس سے قبل بھی جہاد سے جی چراتے پائے گئے تھے، اس لئے انھوں نے اپنے دعوئ ایمان کے ساتھ اللہ سے یہ عہد کیا تھا، کہ آئندہ کبھی جہاد سے جی نہیں چرائیں گے اور کبھی حق سے پہلو تہی نہ کریں گے۔ یہ عہد اس قادر مطلق کے ساتھ تھا جو خلوت و جلوت میں ہر مقام پر بندے کو دیکھتا ہے۔ اللہ سے جو عہد کیا جائے اس کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ اس کے بارے اللہ کی طرف سے پوچھا جائے گا۔

حاصل: اللہ سے عہد شکنی، منافقین کا طریقہ ہے۔ اللہ سے اپنے عہد کو یاد رکھنا چاہئے اور اسے پورا کرنا چاہئے۔

قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۶﴾

فرما دیجئے ہرگز تمہیں یہ فرار نفع نہ دے گا، اگر تم موت یا قتل سے فرار چاہو گے، اور پھر بھی قلیل ہی برتنے دیئے جاؤ گے۔

منافقین میدان جہاد سے فرار چاہتے ہیں۔ ان پر یہ واضح فرمایا گیا ہے، کہ یہ فرار تمہیں کیا نفع دے سکتا ہے۔ میدان جہاد میں تمہیں موت آ سکتی ہے یا لڑائی کے اثرات تم پر مرتب ہو سکتے ہیں، لیکن یہ ہو گا تو باذن اللہ ہی، اور اللہ سے تمہیں بچانے والا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر یہ فرار تو بے معنی ہو گیا۔ اور اگر تم اپنے گمان میں جہاد سے فرار حاصل کر کے خود کو محفوظ کر چکے ہو، تو کتنی دیر تمہیں متاع حیات حاصل رہے گی۔ یہ تو جلد ہی ختم ہو جائے گی، پھر یہ فرار بے معنی ہو جائے گا۔ متاع حیات بھی تو باذن اللہ ہی برت سکو گے۔

حاصل : منافقین پر یہ واضح کرنا چاہئے کہ اللہ کی قدرت ہر جگہ تم پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بامراد ہو کر لوٹنا اور نامراد ہو کر لوٹنا مساوی نہیں ہوتا۔ متاعِ حیات کا برتنا بھی باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ⑰

فرما دیجئے وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچائے اگر وہ تمہارا برا چاہے یا تم پر رحمت فرمانا چاہے، اور اللہ کے مقابل نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ نصرت دینے والا۔

حکم اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ اگر کسی کو دکھ میں ڈالے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا، اگر کسی کو اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ اللہ کی قدرت ہر جگہ محیط ہے۔ جو لوگ خلاف حق کرتے چلے جاتے ہیں، جب ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا مقام آتا ہے تو کوئی اللہ کے مقابل ان سے دوستی کرنے والا نہیں ہوتا، کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں ہوتا۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والوں کو جاننا چاہئے، کوئی انہیں اللہ سے بچا نہیں سکتا۔ جن پر اللہ رحمت فرمانا چاہے وہاں بھی کوئی آڑے نہیں آ سکتا۔ اللہ کے مقابل نہ کوئی دوست ہو سکتا ہے، نہ کوئی مددگار ہو سکتا ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑱

اللہ کو علم ہے جو تم میں اٹکانے والے ہیں، اور اپنی برادری سے کہتے ہیں، ہماری طرف چلے آؤ، اور قلیل ہی لڑائی میں آتے ہیں۔

اللہ سے تو کچھ مخفی ہوتا ہی نہیں۔ جو لوگ جہاد سے جی چراتے ہیں، اور اپنی برادری کے لوگوں کو جہاد سے جی چرانے کی ترغیب دیتے ہیں، وہ اللہ سے مخفی نہیں ہیں۔ لڑائی میں یہ لوگ اپنے مفادات سے بندھے ہوتے ہیں۔ اس لئے نفس کو جہاں فائدہ نظر آئے یہ لڑائی میں آجاتے ہیں۔ اپنے نفس کو اللہ کی رضا کے لئے جہاد پر لگانا انہیں بڑا مشکل نظر آتا ہے۔

حاصل: اپنی برادری والوں کو جہاد سے گریز کی راہ دکھانا منافقین کا طریقِ زندگی ہے۔ اپنے نفس کی خوشی کو اللہ کی رضا پر قربان کرنے کا جذبہ ہو تو اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا ہوتا ہے۔

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾

تم سے جان چراتے ہیں، تو جب خوف کا وقت آئے تم دیکھو گے کہ تمہاری طرف یوں نظر کرتے ہیں کہ ان کی آنکھیں گھوم رہی ہیں، جیسے کسی پر موت چھائی ہو، پھر جب خوف دور ہو جائے تو مال کے لالچ میں تیز زبانوں سے تمہیں طعنے دیتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں۔ تو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔

منافقین کو اللہ کی رضا تو مقصود نہیں ہوتی وہ جہاد میں مومنین کو دکھانے کے لئے کاروائی کرتے ہیں۔ یہ دکھاوا جب مشکل معلوم ہو تو وہ مومنین سے جی چراتے ہیں۔ جب خوف کے دائرے میں گھر جائیں تو ان کی حالت یہ ہوتی ہے جیسے موت کی بے ہوشی ان پر چھا رہی ہے۔ مردانگی و شجاعت کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ پھر جب خوف کا مقام دور ہو جائے، تو مال کے لالچ میں ان کی زبان درازی شروع ہو جاتی ہے اور یہ طعنے دینے لگتے ہیں۔ قاسم غنیمت کی ذاتِ بابرکات پر بھی ان کو شک ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایمان تو لائے ہی نہیں ہوتے۔ دکھاوے کے لئے اور لالچ کے تحت مومنین کے ساتھ میدانِ جہاد میں موجود ہوتے ہیں۔ اللہ کے لئے ان کے اعمال ہوتے ہی نہیں اس لئے اعمال کی عند اللہ کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اللہ انہیں اکارت کر دیتا ہے۔ اللہ نیتوں کو جانتا ہے، اس لئے بے حقیقت اعمال کو ضائع کرنا اللہ کے لئے آسان ہوتا ہے۔

حاصل: منافقین جہاد کے مقام پر ہوں تو دکھاوا بھی کرتے ہیں، جی بھی چراتے ہیں۔ خوف کا مقام ہو تو ان پر مردنی چھا جاتی ہے۔ ان کا خوف دور ہو جائے تو نفس کا کارن تیز ہو جاتا ہے۔ ایمان تو شاہد سے محبت کی بدولت نصیب ہوتا ہے۔ اللہ نیتوں کو جانتا ہے، اس لئے سچے اور جھوٹے اعمال میں فرق کرنا اس کے لئے قطعاً آسان ہوتا ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْاۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾

سمجھتے ہیں کہ ابھی لشکر گئے نہیں اور اگر لشکر پھر آئیں تو ان کی چاہت ہو گی کہ کسی طرح گاؤں میں نکلے ہوئے ہوں اور وہیں سے تمہاری خبریں پوچھ لیا کریں۔ اور اگر تم میں ہوں بھی پھر بھی قلیل ہی لڑیں۔

منافقین پر جہاد اس قدر بھاری ہوتا ہے، کہ دشمن فوج کے چلے جانے کے بعد بھی وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ابھی دشمن کی فوجیں گئی نہیں ہوں گی، اور اگر دشمن کی فوجیں پھر آجائیں تو یہ ان کے ساتھ لڑنے کی بجائے ان سے پہلو بچانے کی کوشش کریں گے، اور میدانِ جنگ سے دور رہتے ہوئے، پوچھ لیا کریں گے کہ مومنین کی فوجیں کس حال میں ہیں۔ اور اگر یہ مجبور ہوں کہ مومنین کی صفوں میں ان کا رہنا انہیں ضروری نظر آئے تو بھی یہ لڑنے سے گریز ہی کریں گے۔ منافقین اسی وقت لڑتے ہیں جب انہیں دشمن مغلوب نظر آنے لگے۔

حاصل : دشمن فوج کے جانے کے بعد بھی منافقین پر ان کا خوف رہتا ہے۔ منافقین جہاد سے گریز کرنے میں اپنی عافیت دیکھتے ہیں۔ مجبوراً اگر مومنین کے ساتھ ہوں تو بھی جہاد ان کا منشاء نہیں ہوتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ الجاثیہ (45) میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا برائیاں کمانے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان کی طرح ٹھہرا دیں گے، جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے۔ کیا برابر ہیں ان کی حیات و ممات، کتنے برے حکم لگاتے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًاؕ ﴿۲۱﴾

بے شک رسول اللہ کی حیاتِ طیّبہ میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے، جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثیر کرتا ہو۔

اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر بھیجا ہے، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ تا قیامت

اسوۂ حسنہ کے حوالے سے مومنین کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے وہ تعلق ہو جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے تو پھر حق کے دشمنوں سے مرعوب ہونے کا کوئی مقام ہی نہیں رہتا۔ جو اللہ اور آپ سے ایسا تعلق رکھتے ہیں، ان کی صفات یہ ہیں کہ وہ اللہ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں، آخرت کے دن کا یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہتے ہیں۔ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی یہ لوگ ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

حاصل : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ وہ معیار ہے جو حال پر کسی صاحبِ حال کی صداقت کی تصدیق کرتا ہے۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے فیوض وبرکات لینے والے لوگ، اللہ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں، آخرت کا یقین رکھتے ہیں اور کثرت سے ذکر کرتے رہتے ہیں۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾

اور جب مومنوں نے لشکر دیکھے، کہنے لگے، یہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا، اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے، اور اس سے ان کے ایمان وتسلیم زیادہ ہی ہوئے۔

مومنوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعدہ فرما رکھا ہے کہ صرف دعویٰ ایمان کافی نہیں ہو گا، عملاً یہ دیکھا جائے گا کہ وہ سچے ہیں یا نہیں ہیں۔ مشکل مقامات بھی آئیں گے، صرف آسانیوں سے ہی سابقہ نہیں ہو گا۔ موافق حالات میں ساتھ رکھنا نفس پر گراں نہیں ہوتا، ناموافق حالات میں ساتھ رکھنا نفس پر بڑا گراں ہوتا ہے۔ مومنوں نے جب دشمنوں کے بڑے لشکر دیکھے، تو وہ کہنے لگے یہی وہ مقام ہے جس پر حضور کے ساتھ پورا رہنا ہماری صداقت کا ثبوت ہو گا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی فرمایا ہے وہی سچ ہے۔ ایسے ہی مقام پر اللہ کی نصرت شاملِ حال ہوا کرتی ہے اور اس سے بڑا انعام حال پر کیا ہو سکتا ہے۔ اس طرح ان پاک لوگوں کے ایمان وتسلیم میں اضافہ ہی ہوا۔ مقام ایک ہی ہے، حق کے حوالے سے دیکھنے والے کچھ اور دیکھتے ہیں، اپنی خواہش کے حوالے سے دیکھنے والے کچھ اور دیکھتے ہیں۔

حاصل : ناموافق حالات میں مخلصین کے ساتھ رہنا صداقت کا ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہمارے لئے صداقت کا معیار ہے۔ جو فتنہ و آزمائش مومنین کی صداقت کو روشن کرتا ہے، وہی منافقین کے کذب کو کھول دیتا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا

مومنین سے کچھ حضرات نے سچا کر دکھایا

اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

جو عہد اللہ سے کیا تھا، تو ان میں سے کوئی تو اپنا عہد پورا کر چکا اور کوئی ان میں سے منتظر ہے، اور وہ ذرا بھی نہیں بدلا۔

منافقین نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ میدان جہاد سے پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ جب انھوں نے اپنے گھروں کو غیر محفوظ بتا کر رخصت چاہی تو وہ اپنے عہد کو توڑنے کے مرتکب ہوئے۔ اس کے مقابل مومنین نے اللہ کی راہ میں اموال و انفس کے ساتھ جہاد کرنے کا عہد کیا تھا۔ مومنین سے جو مردانِ حق جامِ شہادت کو نوش کر چکے ہیں وہ اپنی منت کو پورا کر چکے ہیں۔ انھوں نے اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو سچا کر دکھایا ہے اور جو مومنین مصروفِ جہاد ہیں وہ شہادت کے انتظار میں بڑی قوت کے ساتھ حق کو ادا کر رہے ہیں، اور ان میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی۔

حاصل : جامِ شہادت نصیب ہو جائے تو یہ اللہ کے ساتھ وفاداری کی سند ہے۔ غازی کو اس سند کے حصول کا انتظار ہوتا ہے۔ مقصد کے ارفع ہونے کا یقین ہو تو اس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آتی۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

تا کہ اللہ صادقین کو ان کے صدق کی جزا دے اور منافقین کو عذاب کرے اگر چاہے یا ان پر توبہ ڈالے۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جو بہر حال حق کے مطابق ہے وہ سچا ہے۔ اللہ اسے اس کے صدق کی جزا دیتا ہے۔ جو حق کو اپنی چاہت کے مطابق بنانے کی کوشش کرے وہ جھوٹا اور منافق ہے۔ اللہ چاہے تو اسے عذاب دیتا ہے، وہ اصلاحِ حال کے لئے دی گئی مہلت سے استفادہ کر لے تو اس پر توبہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ جس نے توبہ کو عملاً سچا کر دکھایا اللہ اسے بخش بھی دیتا ہے اور اسے اپنے رحم سے بھی نوازتا ہے۔ منافقین کو اللہ پسند نہیں کرتا اس لئے انھیں بخشش اور رحم سے نہیں نوازتا۔ جب وہ تائب ہو جائیں اور اپنی توبہ کو سچا کر دکھائیں، پھر انھیں منافق کہنا خلافِ حق ہے۔ پاک ہو جانے والے کے وہ اعمال جو پاک ہونے سے پہلے وقت میں ہو چکے ہوتے ہیں، مٹا دیئے جاتے ہیں۔

حاصل : صادق اور کاذب کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ صادقین کو ان کے صدق کی جزا دی جاتی ہے۔ منافق کاذب ہوتے ہیں، اور لائقِ عذاب ہوتے ہیں۔ اصلاحِ حال کے لئے دی گئی مہلت میں تائب ہو جائیں اور عملاً اپنی توبہ کو سچا کر دکھائیں، تو اللہ ان کو بخش بھی دیتا ہے ان پر رحم بھی

فرماتا ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غیظ کے ساتھ رد کر دیا کہ انہیں کچھ حاصل نہ ہوا اور اللہ نے لڑائی میں مومنین کی کفایت فرمائی، اور اللہ قوت والا عزّت والا ہے۔

کافروں نے غزوۂ احزاب میں مومنین کو بڑی قوت کے ساتھ مٹانے کے لئے ان پر حملہ کیا تھا۔ وہ جس طرح غیظ میں بھرے ہوئے آئے تھے، اسی طرح غیظ میں بھرے ہوئے لوٹا دیئے گئے، ان کا کوئی مقصد پورا نہ ہوا۔ اللہ نے مومنین کو اس طرح مدد دی، کہ دشمن کی کوئی چال کامیاب نہ ہو سکی اور انہیں چند دنوں کے بعد اپنا محاصرہ اٹھا کر واپس جانا پڑا۔ اللہ ایسا قوت والا ہے کہ اس کی قوت کے سامنے کوئی ٹک نہیں سکتا۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نتائج باذنِ اللہ ہوتے ہیں۔ اللہ جو مدد دے سکتا ہے اور دیتا ہے وہی سب سے بڑی مدد ہوتی ہے۔ اللہ کی قوت کے سامنے کوئی ٹک نہیں سکتا۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

اور جن اہلِ کتاب نے ان کی مدد کی تھی، انہیں ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے قلوب میں رعب ڈالا، ایک فریق کو تم قتل کرتے ہو اور ایک فریق کو اسیر بناتے ہو۔

یہودیوں نے غزوۂ احزاب میں کافروں کی مدد کی تھی، اور مومنین سے کیے ہوئے معاہدۂ امن کو توڑ دیا تھا۔ غزوۂ احزاب کے بعد حکمِ الٰہی کے مطابق ان اہلِ کتاب کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مومنین کے لشکروں سے مرعوب ہو کر یہودی اپنے قلعوں سے اتر آئے اور اپنی بدعہدی کی سزا کا فیصلہ سننے کے لئے انہوں نے ایک صاحب کو حَکم مانا۔ ان صاحب نے مومنین کے ساتھ عملاً دشمنی کرنے والوں کے قتل کا فیصلہ سنایا۔ دوسرے لوگوں کو قیدی بنانے کا حکم دیا۔

حاصل : جو لوگ مومنین کے ساتھ معاہدۂ امن کر چکے ہوں، اور اس کے بعد جنگ میں مومنین کے دشمنوں کے مددگار پائے جائیں، انہیں حق کے مطابق ان کے جرم کی سزا دینی چاہئے۔

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَ

ہم نے ان کی زمین اور ان کے دیار اور

اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

ان کے اموال اور ان کی زمین جس پر تم نے قدم نہیں رکھا تمہارے ورثہ میں دیئے، اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

مومنین کے ساتھ معاہدۂ امن رکھنے کے باوجود جن منافقین نے غزوۂ احزاب میں مومنین کے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا، وہ مغلوب کر دیئے گئے۔ اور ان کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے اموال اور وہ جگہیں جہاں مومنین کے قدم نہیں پہنچے تھے، مومنین کو ورثے میں مل گئیں۔ یہ سب اللہ کی قدرت سے ہوا۔ اور اللہ کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : مومنین کے ساتھ بد عہدی کرنے والے بیخ و بن سے اکھاڑ دیئے جاتے ہیں۔ اللہ جس کو وارث بنا دے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (42) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ

اور جو لوگ جھگڑا ڈالتے ہیں اللہ کے بارے میں اس کو مان لینے کے بعد ان کی حجت، اللہ کے نزدیک بے معنی ہے۔ ان پر غضب ہے اور ان کے لئے شدید عذاب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ازواج سے فرما دیجئے کہ اگر تم حیاتِ دُنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں متاع دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات حضور کے ساتھ کی بدولت توکّل کے اس مقام پر تھیں جو ان کی شان کے لائق تھا۔ منافقات نے ان کے سامنے حیاتِ دنیا اور اس کی زینت کو اس طرح سے پیش کیا کہ مومنات کی زندگی میں جو آسائشیں ہیں وہ تو آپ کو بھی حاصل ہونی چاہئیں اور یہ مطالبہ قطعاً خلافِ حق نہیں ہو سکتا۔ ازواجِ مطہرات نے بڑی احتیاط کے ساتھ جب حضور کے سامنے مطلوبہ آسائشوں کا ذکر کیا تو آپ نے حکمِ الٰہی کے مطابق انہیں یہ جواب دیا کہ اگر تم حیاتِ دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں متاع دیتا ہوں اور تمہیں اچھی طرح سے رخصت کر دیتا ہوں۔ تمہیں وہ کچھ ملے گا، جو تم چاہو گی۔ موجودہ مقام پر لوگوں نے تم سے بہت کچھ سیکھا ہے اور وہ بہت کچھ تمہیں دیکھ کر سیکھ رہے ہیں۔ نبی کی حیاتِ طیبہ میں تعلیم امت کا کام انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ جس کو اس عظیم کام کے مقابل ذاتی آسائش عزیز ہو اس کو رخصت کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ کام کوئی ہو، حضور جس طرح اسے حق کے حوالے سے کریں گے، اس سے بہتر کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : بیویوں کو کبھی توکل میں حائل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ جہاں سے لوگوں کو طریقِ زندگی سیکھنا ہو وہاں وہی کچھ ہونا چاہئے، جو حُسنِ اخلاق کے سیکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو چاہو اور دارِ آخرت کو چاہو تو پھر اللہ نے تم میں محسنات کے لئے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

ازواجِ نبی رضی اللہ عنھم سے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کو پورا مانو اور اس منصب کی عظمت کا دھیان رکھو جو تمھیں حاصل ہے۔ تو پھر تمہارا رخ درست ہے اور تم محسنات میں داخل ہو اور اللہ نے تمہارے لئے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

حاصل : اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہنا اور دار آخرت کے حوالے سے اپنا رخ درست رکھنا یہ محسنات کی طریقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی کی عورتو جو تم میں مبینہ فحش کرے اس کو اوروں سے دوگنا عذاب ہو گا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

ازواجِ نبی رضی اللہ عنھم کو جو مرتبہ حاصل ہے، اس مرتبے کے حوالے سے طبعی طور پر ان کو حسن عمل کا اعلیٰ نمونہ ہونا چاہئے۔ اس مرتبے پر ہوتے ہوئے اگر خلاف حق کیا جائے اور اپنی خواہش کی پیروی کی جائے تو یہ بڑا گناہ ہو گا، اس کی سزا بھی معروف سزا سے دوگنا ہو گی۔ یہ اللہ پر آسان ہے کہ اللہ سے کچھ مخفی نہیں ہے اور اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔

حاصل : نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات امہات المومنین ہیں اور قابلِ احترام ہیں۔ شاہدین کی ازواج کو بھی حسن عمل کا نمونہ بننا چاہئے۔ مرتبہ بلند ہو تو خلافِ حق کرنے کی سزا بھی بڑی ہوتی ہے۔ اللہ کو سزا دینے میں کبھی مشکل پیش نہیں آتی۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا

اور جو تم میں اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے گی اور صالح عمل کرے گی، ہم اسے دگنا اجر دیں گے، اور ہم نے اس

كَرِيمًا ﴿٣١﴾

کے لئے رزقِ کریم تیار کر رکھا ہے۔

ازواجِ نبی رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ کہ تمہارے مرتبے کا تقاضا یہی ہے کہ تمہارا مقصدِ حیات۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری ہو۔ اور صالح اعمال سے تمہارے اس دعوے کی تصدیق ہوتی رہے۔ اس سے تم دگنے اجر کی مستحق ہوگی۔ اور تمہیں اس رزقِ کریم سے نوازا جائے گا۔ جو اللہ نے تمہارے لئے بطور انعام تیار کر رکھا ہے۔

حاصل : اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ مرتبہ بڑا ہو تو حُسنِ عمل کی جزا بھی اسی نسبت سے ہوگی۔ رزقِ کریم صداقت کے انعام کے طور پر دیا جاتا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿٣٢﴾

اے نبی کی بیویو۔ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم تقویٰ کو طریق زندگی بناؤ تو تم لہجے میں نرمی اختیار نہ کرو، کہ جس کے قلب میں مرض ہے وہ کسی طمع میں مبتلا ہو جائے، اور معروف طریقے سے بات کرو۔

ازواجِ نبی رضی اللہ عنہم کا مرتبہ امہات المومنین کا ہے۔ دوسری عورتوں کے مقابل یہ انتہائی واجب الاحترام ہیں۔ ان کی شان یہ ہے کہ تقویٰ ان کا طریق زندگی ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا علم سیکھنے والوں کو ان سے واسطہ ہوگا۔ تو یہ علم سکھانے میں لہجے کی نرمی اختیار نہ کی جائے۔ اس سے دل کے روگی غلط رخ پر چل پڑیں گے۔ نہ الفاظ ایسے ہوں جن کے معنی کسی روگی کے روگ کو بڑھائیں اور نہ لہجہ ایسا ہو۔ جس سے اس کی خواہش کو تقویت ملے۔ قطعاً معروف طریقے سے بات کی جائے۔ بات پوری ہو، مختصر ہو، سخت لہجے میں ہو۔ اور سننے والے کے لئے راہِ عمل کا تعین ہو جائے۔

حاصل : اللہ نے مرتبہ دیا ہو تو اس کی حفاظت کی شعوری کوشش بھی ضروری ہے۔ پاک بیبیاں حق کو روشن کرتے وقت اپنے لہجے میں نرمی اختیار نہ کریں، بات کو طویل نہ کریں اور سننے والے کے لئے راہِ عمل کا تعین کر کے بات کو پورا کر دیں۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پہلی جاہلیت کے دستور کے مطابق لوگوں کے سامنے نہ آیا کرو، اور نماز قائم کرو اور

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ اہلِ بیت سے ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں خوب پاک رکھے۔

ازواجِ نبی رضی اللہ عنہم کے حوالے سے مومنات کے لئے طریق زندگی کو روشن فرمایا گیا ہے۔ گھروں میں رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں عورتیں لوگوں کے سامنے آنے میں دستور زمانہ کو مانتی تھیں، حق کے حوالے سے یہ ناپسندیدہ حرکت ہے۔ طبعی دائرۂ کار عورت کے لئے اس کا گھر ہی ہے۔ نماز قائم کرنا زکوٰۃ ادا کرنا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنا معمول بنانا یہ پاکیزگی کے لوازمات ہیں۔ اللہ، اہل بیت کو پاک رکھنا چاہتا ہے اور ناپاکی کو ان سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ ازواج مطہرات یقیناً اہل بیت ہیں، پاک ہیں اور ناپاکی سے دور ہیں، کہ اللہ یہی چاہتا ہے۔

حاصل : عورتوں کا دائرۂ کار ان کے گھروں سے تعلق رکھتا ہے۔ جاہلیتِ اولیٰ حق کے مقابل دستور زمانہ کا نام ہوتا ہے۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنا معمول بنانا پاکیزگی کے لوازمات ہیں۔ جنہیں اللہ پاک رکھے ہمیں ان کی پاکیزگی کو سند ماننا چاہئے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تلاوت ہوتی ہے، اسے یاد رکھو، اللہ یقیناً لطیف و خبیر ہے۔

ازواجِ نبی رضی اللہ عنہم نے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہونے والے علم کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ آپ سے سیکھی ہوئی حکمت و دانائی کو بڑے ادب سے آگے بڑھایا ہے۔ مومنین کے گھروں کے اندر جن آیات و حکمت سے روشنی آئی ہے، اس روشنی کی امین ازواجِ مطہرات ہی تھیں، امّہات المومنین ہی تھیں۔ حق کو بطریقِ احسن ماننے کے لئے جو کچھ بھی کیا گیا ہے اللہ اس کی بڑی اور پوری پوری خبر رکھتا ہے، اور اس رویئے کی قدر کرتا ہے۔

حاصل : احکامِ الٰہی اور حکمت کی باتوں کو عملاً لوگوں تک پہنچانا کہ ان کے گھروں میں نور ہدایت بڑھے، بہت بڑی خدمت ہے۔ پاک بیبیاں اس خدمت کو سرانجام دیتی رہی ہیں اور پاک بیبیاں اس خدمت کو سرانجام دیتی رہیں گی۔ اللہ حسن نیت کو جانتا ہے، حسن عمل کو بھی دیکھتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصّٰفّٰت (37) میں ارشاد فرمایا ہے۔

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۷

بلکہ وہ حق کے ساتھ آیا ہے، اور مرسلین کی تصدیق کرتا ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۳۵

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور صادق مرد اور صادق عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور خشوع والے مرد اور خشوع والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزے دار مرد اور روزے دار عورتیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں، اور اللہ کا ذکر کثیر کرنے والے مرد اور عورتیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

مسلمان حق کو ماننے کے دعوے کے ساتھ زبان کو پاک رکھے اور ہاتھ کو امین رکھے تو وہ سچا ہے، مرد ہو یا عورت۔
مومن ناصحین سے محبت کی بدولت بنتا ہے، قلب میں ایمان داخل ہو تو مومن ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے مرد ہو یا عورت۔
حق کے مقابل کسی کی بات کو اہمیت نہ دینا فرمان برداری ہے، مرد ہو یا عورت۔
حق کے مطابق رہتے ہوئے قول کو عملاً پورا کر کے دکھانا صداقت ہے، مرد ہو یا عورت۔
نہ ہونے کے مقام پر پورا رہ کر دکھانا صبر ہے، مرد ہو یا عورت۔
استکبار سے دور رہنا اور اللہ کے حضور خود کو پست رکھنا خشوع ہے، مرد ہو یا عورت۔
اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ لینے کا حق رکھنے والوں کو اللہ کی رضا کے لئے اپنا مال دینا اور ان کا شکریہ ادا کرنا کہ انہوں نے اسے قبول کیا ہے اور یوں دینے والے کے لئے فانی نعمت، دائمی انعام بن گئی ہے، صدقہ ہے، صدقہ دینے والا مرد ہو یا عورت۔
طلوعِ سحر سے غروبِ آفتاب تک حکمِ الٰہی کے مطابق طیبات کا نہ کھانا پینا روزہ ہے، روزہ دار مرد ہو یا عورت۔
شرم گاہوں کو صرف حق کے حوالے سے کھولنا ان کی حفاظت کرنا ہے، مرد ہو یا عورت۔

کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے رہتا اللہ کا ذکر کثیر کرتا ہے، مرد ہو یا عورت۔

ان صفات کا حامل مردوں کو بھی ہونا چاہئے، عورتوں کو بھی ہونا چاہئے۔ اللہ ان صفات کی قدر کرتا ہے۔ جن میں یہ صفات ہوں گی، ان کو بخش دیا جائے گا اور ان کو بڑا اجر عطا کیا جائے گا۔

حاصل : مسلمان مرد اور عورتیں، مومن مرد اور عورتیں، فرماں بردار مرد اور عورتیں، صادق مرد اور عورتیں، صابر مرد اور عورتیں، خشوع والے مرد اور عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور عورتیں، روزے دار مرد اور عورتیں، فروج کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور اللہ کا ذکر کثیر کرنے والے مرد اور عورتیں، یہ سب قابلِ قدر ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ ان کی قدر کی جائے تو حسنِ اخلاق بڑھتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾

کسی مومن اور مومنہ کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ فرما دیں تو ان کے لئے ان کے کام کا کوئی اختیار ان کے پاس رہ جائے۔ اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریحاً گمراہی میں پڑا۔

ایمان حب الناسین ہے، مومن مرد ہو یا عورت۔ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے علاوہ انہیں کچھ مطلوب نہیں ہوتا۔ جب فیصلہ کرنے والے رسولِ پاک ہوں تو اسی فیصلے کو اللہ کا فیصلہ مانا جائے گا۔ اس فیصلے کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے، کہ یہی بہترین فیصلہ ہے، یہ وقتی طور پر سمجھ میں آ رہا ہے یا مستقبل میں واضح ہو جائے گا۔ فیصلہ کرنے والی ذات بابرکات کا حق ہم پر ہمارے نفسوں کے مقابل اولیٰ ہے۔ اس لئے اس فیصلے کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا اور ماننا ہم پر لازم ہے۔ اس فیصلے کو سن لینے کے بعد اپنی پسند کو قابلِ ذکر جانتے ہوئے بیان کرنا بھی نافرمانی ہے، اور اس کا نتیجہ صرف گمراہی ہی ہو سکتا ہے۔ بہتر جاننے والے کو اپنی بات منوانے کی کوشش، ہمیشہ بندے کو مشقت میں ڈالتی ہے۔ بہتر جاننے والے کی بات مان لی جائے تو آسانی حاصل ہو جاتی ہے۔ اپنی سوچ کے درست ہونے کی تصدیق مطلوب ہو تو رخ ماننے کا ہوتا ہے، منوانے کا نہیں ہوتا۔

حاصل : مومن مرد ہو یا عورت، اللہ اور اس کے رسول کی رضا کو مطلوب جانتا ہے۔ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ فرما دیں تو اس فیصلے کو فوراً ادب سے مان لینا چاہئے۔ یہاں نافرمانی گمراہی کا باعث ہی ہو سکتی ہے۔ جو فیصلہ حق کے حوالے سے ہو اس فیصلے کو خدائی فیصلہ ماننا چاہئے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

اور جب آپ اس شخص سے، جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا، کہہ رہے تھے کہ اپنی زوجہ کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو اور آپ اپنے جی میں اس بات کو مخفی رکھ رہے تھے جس کو اللہ کھولنے والا تھا. اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے اور اللہ کا حق آپ پر سب سے بڑا ہے کہ اس کا ڈر رہے۔ پھر جب زیدؓ نے اس عورت سے اپنا رشتہ ختم کر دیا ہم نے اسے آپ کی زوجیت میں دے دیا، کہ مومنین کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کے معاملے میں، جب کہ وہ ان سے اپنا رشتہ ختم کر چکے ہوں، کوئی حرج نہ رہے، اور اللہ کا امر ہونا ہی تھا۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ اللہ تعالیٰ کا انعام تھا کہ آپ کا نکاح اس خاتون سے ہوا جن کا نام حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا ہے. اور یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انعام تھا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاشرے میں اس طرح جو مقام ملا اس سے غلاموں کو ان کی خوبیوں کے باوجود حقیر ثابت کرنے کے عمومی رویے کی بیخ کنی ہو گئی۔ حضرت زیدؓ اپنی زوجہ پر عشقِ رسول میں مستغرق رہنے کی بدولت بہت کم توجہ فرماتے تھے. اور اس تعلق میں انہیں کوئی راحت نہیں تھی اس لئے اس تعلق کو بوجھ سمجھتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دیتے تھے کہ اپنی زوجہ کو اپنے پاس روکے رکھو. طلاق نہ دو کہ یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں حکمِ الٰہی نافذ ہونے والا ہے۔ آپ لوگوں کی بے ہودہ باتوں پر تو صبر کرتے ہی تھے، ڈر یہ تھا کہ حق کے قریب کرنے میں مروجہ باتیں لوگوں کے لئے سدِ راہ نہ بن جائیں۔ یہ ڈر خلافِ حق نہیں ہے، مگر اللہ سے ڈرنے کا حق سب سے بڑا ہے، کہ جو اللہ چاہے اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ حضرت زیدؓ نے اپنی زوجہ کو طلاق دے کر اس سے اپنا رشتہ ختم کر دیا. اور حکمِ الٰہی کے مطابق عدت کا وقت پورا کرنے کے بعد وہ خاتون ام المومنین ہو گئیں۔ منہ بولے بیٹوں کی بیویاں ان عورتوں میں شامل سمجھی جاتی تھیں جن سے نکاح کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ اللہ نے اپنے امر سے اس بات کو واضح کر دیا کہ ایسا نہیں ہے۔ ایسی عورتوں سے مومنین کو نکاح کی

اجازت ہے، جو ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویاں رہی ہوں۔

حاصل : معاشرتی طور پر درجے کا بلند ہونا اللہ کا انعام ہے۔ ایسے انعام کا اہتمام کرنے والے لائق تعظیم ہیں۔ لوگوں کو حق کے قریب ہونے میں مدد دینی چاہئے مگر اللہ کی رضا سے بلند کوئی مقام نہیں۔ اللہ کا کام علم مطلق سے ہوتا ہے۔ اور جو اللہ چاہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿٣٨﴾

اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے اللہ نے جو فرض کیا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں بھی جو پہلے گزرے ہیں اللہ کی سنت یہی رہی ہے۔ اور اللہ کا امر ٹھیک اور پورا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ نے جو صورت بھی رکھی ہے، اپنے علم سے رکھی ہے۔ حکمِ الٰہی کے نفاذ میں انبیاء کرام ہی نمونہ بنتے رہے ہیں، یہ اللہ کی سنت رہی ہے۔ اس لئے اس میں حیرت کا اظہار کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اللہ کا امر بالکل موزوں وقت پر اور بالکل موزوں طریقے سے ہوتا ہے۔ کہ وہی سب سے بڑے علم والا ہے۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ نے جو صورت بھی رکھی ہے اپنے علم سے رکھی ہے۔ انبیاءِ کرام حکمِ الٰہی کے نفاذ میں نمونہ بنتے رہے ہیں۔ امرِ الٰہی بالکل موزوں وقت پر اور بالکل موزوں طریقے سے ہوتا ہے کہ وہ علیم مطلق کا امر ہوتا ہے۔

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾

وہ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے، اور اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے نہ تھے۔ اور اللہ کافی ہے حساب کرنے والا۔

انبیاء کرام کی شان بیان فرمائی گئی ہے، کہ وہ اللہ کے پیغامات کو اس کے عطا کردہ علم کے مطابق پہنچاتے رہے ہیں۔ ڈر ان کو یہی ہوتا تھا کہ اللہ کی عطا کما حقہ تقسیم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس نے کیا عطا فرمایا تھا اور وہ کس قدر لوگوں تک پہنچایا گیا ہے۔ حساب کرنے کو اللہ کافی ہے۔ اس سے بڑا حساب کرنے والا اور اس سے جلدی حساب کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ انبیاء کرام کی شان یہی رہی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے تھے اور بس اللہ سے ہی ڈرتے تھے اور کسی کا ڈر ان کو کبھی نہیں ہوا۔ وہ تمام روایات جن میں یہ بیان ہو کہ اللہ کے نبی اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے تھے، قطعاً بے حقیقت ہیں۔

حاصل : عطاءِ الٰہی تقسیم کے لئے ہوتی ہے، ڈر یہی ہونا چاہیے کہ تقسیم میں کوتاہی نہ ہو۔ اللہ کے سوا کسی کا ڈر، انبیاء کرام کو کبھی نہیں ہوا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ولیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

منہ بولا بیٹا، بیٹا نہیں ہوتا۔ اللہ کے احکامات علم مطلق سے ہوتے ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کے فرمان میں اپنی پسند کو داخل کرے۔ جن عورتوں کے ساتھ نکاح کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے ان میں نہ کمی کی جا سکتی ہے نہ اس میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اس لئے بیٹے کی بیوی سے نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ہی وہ اکمل نمونہ ہیں جو تاقیامت اسوۂ حسنہ کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ ہی وہ نبی ہیں جس نے حق کا انکار کرنے والوں کے بارے میں یہ شہادت دی ہے کہ وہ بے علم ہیں اور بے علمی اللہ کے نزدیک قابلِ گرفت نہیں ہوتی۔ آپ نے ماننے والوں کے باعلم ہونے کی گواہی دی، نہ ماننے والوں کے بے علم ہونے کی گواہی دی۔ لوگوں کی تیسری قسم کوئی ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کا مقام ہی نہیں رہا۔ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے، اس لئے اس کے فرمان کے مقابل بات کرنے والوں کو اپنے علم کی حیثیت ضرور دیکھنی چاہیے۔

حاصل : مردوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ حضور کو اپنا باپ کہے۔ آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ اپنے علم کی حیثیت کو علمِ الٰہی کے سامنے رکھ کر دیکھ لیا جائے تو عرفانِ نفس ہو جاتا ہے، ادب کا حق تبھی ادا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (39) میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

توجس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے وہ اپنے رب کی روشن راہ پر ہے، پھر خرابی ہے ان کو جن کے دل سخت ہیں اللہ کی یاد سے، وہ صریحاً گمراہی میں ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾

اے ایمان والو اللہ کا ذکر کرو، ذکر کثیر۔

ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے، کہ اللہ کا ذکر کرتے رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ اللہ کا ذکر زبان سے اس

طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں کسی اسم پاک کو ادب کے ساتھ بار بار پڑھا جاتا ہے۔ زبان کو پاک رکھنا اور بھلائی میں مصروف رکھنا اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، سوتے وقت بھی اور جاگتے وقت بھی اللہ کا ذکر کرتے رہنا چاہئے۔ علم نہ ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھنے کا حکم ہے۔ اہل ذکر سے پوچھ کر ذکر کیا جائے تو نور ہدایت حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر کثیر کرنے والے کو عملاً یہی دیکھنا چاہئے کہ اللہ کی رضا کے علاوہ اسے کچھ مطلوب نہ ہو۔

حاصل : کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہنے سے قول سدید ہو جاتا ہے۔ قول سدید ہو جائے تو اعمال کی اصلاح ہو جاتی ہے، اور بخشش نصیب ہوتی ہے۔ زبان کو خیر کی طرف لگائے رکھنا اتنا بڑا کام ہے کہ اسی کام کو ہمہ وقتی کام کہا جا سکتا ہے۔

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

اور اللہ کی تسبیح کرو صبح و شام۔

صبح دن کی ابتدا ہے اور رات کی انتہا ہے اور شام رات کی ابتدا ہے اور دن کی انتہا ہے۔ ان دونوں اوقات میں جو تبدیلی واقع ہو رہی ہوتی ہے، وہ اتنی بڑی ہوتی ہے کہ کائنات میں اللہ کی قدرت کے احاطے کا مشاہدہ کرتے ہوئے بندہ اپنی حیثیت کو دیکھ سکتا ہے اور طبعی طور پر اظہارِ بندگی کرتے ہوئے اپنی تسبیح کو اللہ کی تسبیح کرنے والوں کے ساتھ ہم آہنگ کر سکتا ہے۔ جو تسبیح محض قول سے ہو اور صالح اعمال اس کی تصدیق نہ کریں وہ تسبیح اللہ کے نزدیک بے حقیقت ہوتی ہے۔

حاصل : صبح و شام اللہ کی تسبیح کرنا اور صالح اعمال سے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرتے رہنا اظہارِ بندگی ہے، اور اظہارِ بندگی، بندے کی شان ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی، تاکہ تمہیں ظلمات سے نور کی طرف نکالے اور اللہ مومنین پر رحم فرماتا ہے۔

اللہ کا ذکر کثیر کرنے والے مومنین کو اللہ اپنی رحمت سے نوازتا ہے، اس کے فرشتے امرِ الٰہی کے مطابق مومنین کی مدد کرتے ہیں۔ ظلمات سے نور کی طرف آنے میں یہ رحمت اور مدد بندے کے لئے بڑا سہارا ہوتا ہے۔ ظلمات سے نور کی طرف آنا بہت بڑی تبدیلی ہے۔ ظلمات میں اپنے علاوہ کسی کا پتہ نہیں ہوتا، اس لئے حق کی ادائیگی محال ہوتی ہے۔ ظلمات میں خوف و حزن سے واسطہ رہتا ہے۔ ظلمات میں اپنے نفس کی شح ہی رہبری کرتی ہے۔ ہمہ وقتی ذکر کرنے والوں کو اللہ اپنی رحمت سے نوازتے ہوئے اس کا ساتھ عطا کر دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لا رہا ہوتا ہے۔ اس ذات بابرکات سے محبت ہو جاتی ہے جس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے، اور اپنی پسند کو اس کی پسند کے سامنے ہیچ ماننے میں مشکل پیش نہیں آتی۔

حاصل : ذکر کثیر کرنے والوں کو اللہ اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ ظلمات سے نور کی طرف آنے کا شرف اللہ کی رحمت کی نشانی ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

دعا ان کی جس دن اس سے ملیں گے، سلام ہے، اور ان کے لئے اجرِ کریم تیار رکھا ہے۔

مومنین اللہ کے دربار میں حاضر ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ جس معصومیت کے ساتھ اس دنیا میں انہیں بھیجا گیا تھا، اسی معصومیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کو سعادت جانتے ہیں۔ اس دن ان کی دعا سلام ہوگی۔ یہ سلام اظہارِ عقیدت ہے اور ظلمات سے نور کی طرف لانے والے کا اور اس کے محبوب کا شکریہ ہے۔ اللہ نے ان پاک لوگوں کے لئے ایسا اجر تیار کر رکھا ہے، جس سے ان کی عزت افزائی ہوگی۔

حاصل : ظلمات سے نور کی طرف لانے والے کا شکریہ ادا کرتے رہنا مومنین کی طریقت ہے۔ سلام اظہارِ عقیدت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کی عزت افزائی کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۴۵﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو شاہد اور مبشّر اور نذیر بنا کر بھیجا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کو روشن فرمایا گیا ہے۔ حق فرمانِ خداوندی ہے۔ عملاً حق کی احسن ادائیگی کر کے دکھانے والا شاہد ہے۔ حضور کو اللہ نے شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کے اتباع کو راہِ راست کا نام بھی اللہ نے دیا ہے۔ حق کو ماننے کے دعوے کے ساتھ جس نے آپ کو شاہد بنایا اس کا دعویٰ سچا ثابت ہو گیا۔ شاہد کو اللہ نے یہ شرف عطا کیا ہے، کہ حق کو صداقت کے ساتھ ماننے والوں کو ان کے نیک انجام کی بشارت دیتا ہے اور حق کا انکار کرنے والوں کو ان کے بد انجام سے ڈراتا ہے تاکہ تبلیغ حق کی حجت پوری ہو جائے۔

حاصل : حال پر شاہدین میں سے کسی کو شاہد بنانے کی حقیقت بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد ماننا ہے۔ اتمامِ حجت اللہ کی سنت ہے۔

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

اور اللہ کی طرف اس کے اذن سے دعوت دینے والے اور روشن چراغ۔

شاہد کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ اس کی بات تو قطعاً حق ہو گی اور اس کے ساتھ یہ بھی ہو گا کہ اس کی بات جہاں بھی پہنچے گی باذن اللہ پہنچے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی زمین پر تشریف آوری کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمایا گیا تھا، کہ جب تمہیں میری طرف سے ہدایت آئے پھر جو اس کا اتباع کرے ان پر خوف و حزن نہیں ہو گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے روشن چراغ ٹھہرایا ہے۔ اس چراغ کی یہ شان ہے کہ اس سے کئی چراغ جل چکے ہیں، اب حال پر جل رہے ہیں اور قیامت تک جلتے رہیں گے۔ شاہد وہ روشن چراغ ہے جو لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لاتا ہے۔ شاہد کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔

حاصل : حق کی دعوت کسی بھی مقام پر باذن اللہ ہی پہنچتی ہے۔ شاہد سے محبت ہو تو اپنا چراغ بھی روشن ہو جاتا ہے۔ شرطِ محبت یہی ہے کہ محب، محبوب سے اپنی کوئی صورت نہ رکھے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾

اور مومنین کو اللہ کی طرف سے بڑے فضل کی بشارت دیجئے۔

شاہد کے لئے یہ فرمان ہے کہ ایمان لانے والے محبین کو یہ بشارت دیجئے، کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا فضل ہو گا۔ حالات ایسے ہو جائیں گے کہ مومنین کو بہت آسانیاں ہو جائیں گی، اور منکرینِ حق کی موجودہ حیثیت ختم ہو جائے گی۔

حاصل : مومنین کو یقیناً اللہ کے بڑے فضل سے نوازا جاتا ہے۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾

اور کافروں اور منافقوں کو اہمیت نہ دیجئے، اور ان کی ایذا کو نظر انداز کیجئے اور اللہ پر توکّل کیجئے اور اللہ کافی ہے کارساز۔

بُرے لوگ بُری باتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ ان کی باتوں کو اہمیت نہ دی جائے تو اپنا رخ درست رکھا جاسکتا ہے۔ ان کی طرف سے جو ایذا پہنچے اس کو نظر انداز کر دیا جائے تو عمل کے لئے دی گئی توفیق بے جا استعمال ہونے سے بچ جاتی ہے۔ اللہ پر توکّل یہ ہے کہ یہ یقین ہو کہ حالات کو سازگار بنانے والا اللہ ہی ہے، اور وہ جس علم سے کام کو سنوار دیتا ہے وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔

حاصل : کافروں اور منافقوں کی باتوں کو اہمیت نہ دینا اور ان کی طرف سے دی گئی ایذا کو نظر انداز کرنا حق ہے۔ اللہ پر توکّل ہو تو اللہ کے کارساز ہونے کا پتہ لگتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ

اے ایمان والو جب تم مومنات سے نکاح

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

کرو پھر انہیں مس کرنے سے قبل ہی طلاق دے دو، تو تمہارے لئے کچھ عدت نہیں جسے گنو، پھر انہیں کچھ متاع دو اور اچھی طرح سے رخصت کر دو۔

ازدواجی زندگی کا معاشرت میں نہایت اہم مقام ہوتا ہے، اس لئے اس کے ہر پہلو کو روشن کرنا ضروری تھا۔ مومن عورتوں کے ساتھ ہی مومنین کو نکاح کی اجازت ہے۔ حق کا انکار کرنے والی عورتیں مومنین کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ اگر مومن عورتوں سے نکاح ہو چکا ہو اور انہیں مس کرنے کے مقام سے قبل ہی طلاق دینے کی صورت بن جائے، تو عدت نہیں ہو گی، کہ عدت کا منشاء تو حمل کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے اس مقام پر وقت گزارنا ہوتا ہے۔ مہر کا مقرر کرنا نکاح کے وقت ضروری ہوتا ہے۔ مہر دینے والے کی حیثیت کے مطابق مہر مقرر کیا جاتا ہے اور مہر، اللہ کے حکم کے مطابق دینا ضروری ہوتا ہے۔ مس کرنے سے قبل ہی طلاق کی صورت پیدا ہو جائے تو حسبِ استطاعت متاع دی جائے گی اور اچھی طرح سے رخصت کر دیا جائے گا۔ زبان سے یا کسی حرکت سے خاتون کی عزت نفس کو مجروح نہیں کیا جائے گا، ورنہ اچھی طرح سے رخصت کرنے کے حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی ہو جائے گی۔

حاصل : مومن عورتوں کے ساتھ نکاح کے بعد مس کرنے سے پہلے ہی طلاق کی صورت بن جائے تو پھر عدت کا مقام نہیں رہتا۔ انہیں کچھ متاع حسبِ استطاعت دینی چاہئے اور اچھی طرح سے انہیں رخصت کر دینا چاہئے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے لئے حلال کیں آپ کی ازواج جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہیں، اور جو آپ کے ہاتھ کا مال ہو جو اللہ آپ کے ہاتھ لگائے، اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور مومنہ اگر اپنی جان نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہبہ کر دے جبکہ

عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے نکاح کرنا پسند کریں، یہ خالص آپ کے لئے ہے، مومنین کے لئے نہیں ہے۔ ہمیں علم ہے جو ہم نے ان پر ان کی ازواج اور ان کی کنیزوں کے بارے میں فرض کیا ہے، تاکہ آپ پر کوئی حرج نہ رہے اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی حیاتِ طیبہ میں خواہش کے تحت نطق ہی نہیں فرمایا، عمل کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔ ازدواجی زندگی کے حوالے سے جن طبقات کو آپ کی بدولت رفعت ملی ان کو یہ رفعت کسی اور صورت میں مل ہی نہیں سکتی تھی۔ حق کے مطابق نکاح میں آنا اور مہر کا ادا کیا جانا ضروری ہے۔ ملک یمین ہونے کی حیثیت سے آپ کو ملے، یہ اللہ کی عطا ہے۔ اس کے ساتھ بھی حق کے مطابق قول سے نکاح ہو گا تو عمل کا مقام آئے گا۔ چچا کی بیٹیاں، پھوپھیوں کی بیٹیاں، ماموں کی بیٹیاں، خالاؤں کی بیٹیاں بشرط ہجرت حلال ہیں۔ اگر کوئی مومنہ اپنی جان کو حضور کے لئے ہبہ کرنے کا عزم رکھتی ہو اور حضور اس سے نکاح کو پسند فرمائیں تو وہ بھی آپ کے لئے حلال ہے۔ رحمۃ اللعالمین کی یہ شان ہے کہ ان کا یہ مقام ہے۔ مومنین سے کسی اور کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ ازدواجی زندگی کے بارے میں جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے، یقیناً علم سے فرمایا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو فرمایا گیا ہے وہ بھی یقیناً علم سے فرمایا گیا ہے۔ منشاء یہ ہے کہ آپ کو آسانی ہو۔ ان بہت سے مشکل مقامات سے گزرتے ہوئے کہیں بھول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی عنایات مزید سے نوازے گا۔

حاصل : ازدواجی زندگی کے حوالے سے جن طبقات کو حضور کی بدولت معاشرے میں رفعت ملی اس کی کوئی اور صورت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ مومنین کا نکاح بلا مہر نہیں ہو سکتا۔ کنیز سے بھی تعلق حق کے مطابق ہونا چاہئے۔ اللہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آسانیاں عطا فرمائیں وہ ان حقوق کو ادا کرنے کے لئے ضروری تھیں جو آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد ہوتے تھے۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ

ان میں سے پیچھے ہٹا دیجئے جسے آپ چاہیں اور اپنے پاس جگہ دیں جسے چاہیں، اور جسے آپ نے کنارے کر دیا ہو اسے بھی آپ

أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾

چاہیں تو آپ پر کچھ حرج نہیں۔ یہ اس سے نزدیک ہے کہ ان کی آنکھوں کو قرار ہو، اور غم نہ کھائیں اور وہ سب اس پر راضی رہیں جو کچھ آپ انہیں عطا فرما دیں۔ اور اللہ کو علم ہے جو تم سب کے قلوب میں ہے اور اللہ علم والا، حلم والا ہے۔

ازدواجی زندگی میں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ حکم ہے کہ آپ اپنی ازواج سے جسے چاہیں، پیچھے ہٹا دیں، جسے چاہیں قریب کریں۔ جسے آپ نے کنارے کر دیا ہوا سے قریب کرنا چاہیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ جو کچھ بھی ہو گا نفس کی خوشی کے لئے نہیں ہو گا۔ اللہ کی رضا کے لئے ہو گا اور حکمت و علم سے ہو گا، اس لئے اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ قرب حضور کا شرف ازواجِ مطہرات کی اتنی بڑی شان ہے کہ اس میں ان کی اپنی پسند کا کوئی مقام ہی نہیں۔ جو کچھ حضور کی طرف سے عطا ہو جائے اس کو پورا جاننا اور اس پر راضی رہنا ضروری ہے۔ راضی نظر آنا کافی نہیں، دل سے راضی ہونا ضروری ہے۔ اللہ سے تو کچھ مخفی ہوتا ہی نہیں۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ علم والا ہے حلم والا ہے۔

حاصل : ازدواجی زندگی میں حضور کی شان صرف ان لوگوں کو معلوم ہو سکتی ہے جو خواہش کی پیروی نہ کرتے ہوں۔ حضور کی عطا پر راضی نظر آنا کافی نہیں دل سے راضی ہونا ضروری ہے کہ اللہ سے کچھ مخفی نہیں ہوتا۔ اللہ علم بھی رکھتا ہے، بردبار بھی ہے۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع

اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں اور نہ ان کے بدلے اور ازواج، اگرچہ ان کا حسن آپ کو عجیب لگے، سوائے مِلک یمین کے۔ اور اللہ ہر شے پر نگہبان ہے۔

ازدواجی زندگی کے حوالے سے جن طبقات کو اللہ نے حضور کے ساتھ تعلق کی بدولت رفعت دینی چاہی، رفعت دی۔ مگر ان تعلقات کو حضور کے لئے بڑا بوجھ بنانا اللہ کو پسند نہیں تھا۔ اس لئے یہ حکم آ گیا کہ مذکورہ عورتوں کے علاوہ آپ کے لئے کوئی عورت حلال نہیں اور موجودہ عورتوں کو بدلنا بھی حلال نہیں۔ مِلکِ یمین کا امکان ہے کہ جہاد کا مقام جاری ہے، اس لئے اس کی اجازت ہے۔ اس اجازت کو جس طرح آپ نے استعمال کیا ہے، وہی آپ کی سنت ہے۔ اللہ بہرحال یہ دیکھتا ہے کہ محبت کا

دعویٰ کرنے والے حضور کے ساتھ عملاً کیسا تعلق رکھتے ہیں، اور انہیں کیسا تعلق رکھنا چاہئے۔

حاصل : ازدواجی زندگی میں بھی اللہ نے حضور پر وہ بوجھ نہیں ڈالا جو آپ کے لئے اٹھانا مشکل تھا۔ خواہشِ نفس کی پیروی کرنے والوں کو پاکیزگی کا پتہ نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دعوے کو بھی جانتا ہے، عمل کو بھی دیکھتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد (47) میں ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿۵۳﴾

اے ایمان والو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوائے اس کے کہ تمہیں اذن ہو طعام کے لئے۔ اس کے پکنے کی راہ نہ دیکھو ولیکن جب تمہیں بلایا جائے تو حاضر ہو اور جب طعام کھاچکو تو منتشر ہو جاؤ، اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو۔ بے شک اس میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا پہنچتی تھی پھر وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے، اور اللہ حق سے نہیں شرماتا۔ اور جب تم ان بیبیوں سے کسی متاع کا سوال کرو تو حجاب کے باہر سے سوال کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے قلوب کے لئے اطہر ہے۔ اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا دو، اور نہ یہ کہ آپ کی ازواج سے آپ کے بعد کبھی نکاح کرو، یہ اللہ کے نزدیک

بڑی سنگین باتیں ہیں۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت خانوں سے متعلق آداب کو واضح فرمایا گیا ہے۔ کہ دعوت ہو اور حاضری کا حکم ہو تو وہاں جاؤ۔ پھر اگر دعوت ہو تو اتنا پہلے مت جاؤ کہ کھانے کی تیاری کا انتظار کرنا پڑے۔ اسی وقت حاضر ہونا بہتر ہے جس وقت بلایا جائے۔ پھر جب کھانے کا عمل ہو چکے تو آپ کی اجازت سے اٹھ جانا چاہئے۔ اور آپس میں بیٹھ کر باتوں میں جی بہلانا منع فرمایا گیا ہے۔ حضور کی مصروفیات میں حائل ہونا آپ کو ایذا دینے کے مترادف ہے۔ آپ مومنین پر رافت و رحمت فرماتے تھے۔ اور لوگوں کا لحاظ کرتے تھے۔ اللہ نے آدابِ حضوری کو قانون کی صورت میں نافذ کر دیا۔ حضور کے رحمت خانوں سے کسی متاع کے لئے سوال کرنا ہو تو حجاب کے باہر سے سوال کرنے کا حکم ہے۔ کہ سوال کرنے والے اور متاع دینے والی کے قلوب کی حفاظت کی یہ احسن اور اطہر صورت ہے۔ اگر آدابِ حضوری کو ملحوظ نہ رکھا جائے گا تو یہ حضور کی رافت و رحمت کا جواب ایذا رسانی سے ہو گا اور قطعاً خلافِ حق ہو گا۔ آپ کی ازواجِ مطہرات سے آپ کے بعد نکاح بھی حرام فرما دیا گیا ہے۔ جو باتیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث اذیت ہوں، وہ اللہ کے نزدیک انتہائی سنگین ہیں۔

حاصل: بیوتُ النبی سے نسبت کی بدولت شاہدین کے رحمت خانوں پر بھی حاضر ہونے کے آداب کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ہماری وہاں موجودگی میزبان کے لئے جس حد تک باعثِ راحت ہو اس سے زاید نہیں ہونی چاہئے۔ کوئی شے مانگنی ہو تو ان حدود کا احترام فرض ہے جو اللہ نے مقرر کی ہیں۔ جو بات حضور کے لئے باعثِ اذیّت نظر آئے محبّین اس سے دور رہتے ہیں۔

إِن تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾

اگر تم کسی شے کو کھول کر کہو یا اسے مخفی رکھو تو بے شک اللہ کو ہر شے کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ کسی بات کو کھول کر کہا جائے یا اسے مخفی رکھا جائے۔ اللہ اس کی حقیقت کا علم رکھتا ہے۔ اس لئے ظاہر و باطن میں ہر مقام پر نیت کو حق کے حوالے سے درست رکھنا ہی اللہ کو ماننے کا ثبوت ہوتا ہے۔

حاصل: ظاہر و باطن کو حق کے مطابق رکھنے والے عملاً اللہ تعالیٰ کو بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيم مانتے ہیں۔

لَّا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ ۗ وَاتَّقِينَ اللَّهَ ۚ إِنَّ

ان پر ان کے باپوں اور بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنے دین کی عورتوں اور اپنی کنیزوں کے بارے میں کچھ گناہ نہیں، اور اللہ سے ڈرتی رہا کرو،

اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ﴿۵۵﴾

بے شک ہر شے اللہ کے سامنے ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت خانوں پر حاضری کے آداب بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے۔ جن لوگوں پر حجاب کے باہر سے متاع کے سوال کرنے کا حکم لاگو نہیں ہوتا وہ ہیں، باپ، بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اپنے دین کی عورتیں اور اپنی کنیزیں۔ ان کے علاوہ جو بھی حجاب کے باہر سے متاع کا سوال نہیں کرے گا، وہ حضور کو ایذا دینے کا مرتکب ہو گا اور یہ بڑا گناہ ہے۔ جن کو اللہ نے حجاب کے باہر کھڑے ہو کر بات کرنے کا حکم دیا ہے ان کو اسی حد پر رکھنا ضروری ہے۔ یہ اللہ سے ڈرنا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا حق تبھی ادا ہو سکتا ہے، جب یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ ہر شے اللہ کے سامنے ہے۔

حاصل : باپوں، بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں پر یہ پابندی نہیں کہ وہ حجاب کے باہر سے متاع کا سوال کریں۔ اپنے دین کی عورتوں کو بھی اور اپنی کنیزوں کو بھی اندر آنے کی اجازت ہے۔ جن کو پردے کے اندر آنے کی اجازت ہے وہ بھی اندر آنے کے آداب کو ضرور ملحوظ رکھیں گے۔ اللہ سے ڈرنے کے دعوے کو عملاً سچا ثابت کرنا چاہئے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۵۶﴾

بے شک اللہ اور اس کے ملائکہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی آپ پر درود و سلام بھیجو اچھی طرح سے۔

اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفات مبارکہ سے نوازا اور ان صفات مبارکہ کو ثناء و اکرام کے ساتھ بیان کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اظہارِ محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود شریف ہے۔ فرشتے وہی کرتے ہیں جس کا انہیں امر دیا جاتا ہے۔ حضور کو صفاتِ مبارکہ کا عطا کرنے والا تو ہے ہی اللہ جس کا کوئی شریک نہیں۔ فرشتے حضور کی تکریم میں ہمہ وقت لگے رہتے ہیں اور اللہ کی سنت کو ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایمان والوں کو بھی آپ پر درود و سلام کا حکم دیا گیا ہے۔ جس صفت مبارکہ کو ایمان والے بیان کریں گے وہ صفت ایمان والوں میں پائی جانی چاہئے۔ سلام اسی ذات پاک کو کرنا چاہئے جس سے وہ صفت عطا ہوئی ہے۔ یہ تسلیم کے ساتھ درود و سلام کا حق ادا کرنے کی صورت ہے۔ آپ کی صفات مبارکہ کو ثناء و اکرام کے ساتھ بیان کرتے رہنا بڑی سعادت ہے۔ جو اس سعادت سے محروم رہے گا وہ نامراد رہے گا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفاتِ مبارکہ سے نوازا ہے اور وہ ان صفات کو ثناء و اکرام کے ساتھ بیان بھی کرتا ہے، یہ اللہ کا درود شریف ہے۔ فرشتے اللہ کی سنت کو امر الٰہی کے مطابق بڑے ادب کے ساتھ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایمان والوں کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ مبارکہ کے بیان کرنے کے ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ ان صفات کے حامل ہوں،

جن کو وہ ثناء و اکرام کے ساتھ بیان کر رہے ہوں۔ صفت مذکورہ اپنا حال ہو۔ سلام اس ذات پاک کو کیا جائے جس سے وہ صفت عطا ہوئی ہو تو یہ ایمان والوں کا درود شریف ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، ان پر لعنت ہے دنیا و آخرت میں اور ان کے لئے ذلّت کا عذاب تیار رکھا ہے۔

جو باتیں اور جو رویے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعثِ اذیّت ہوں، وہ اللہ کے لئے بھی باعثِ اذیّت ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہوں، دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔ یہ لوگ اصلاح کی طرف آنے کی اہلیت کو ضائع کر لیتے ہیں۔ انھیں ذلّت کے عذاب کا سامنا کرنا ہو گا۔ دنیا میں بھی یہ لوگ ذلیل و خوار ہوں گے۔ آخرت میں بھی ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی جو ذلّت کے عذاب کی صورت میں ہوگی۔

حاصل : اللہ کے رسول کو ایذا دینا، اللہ کو ایذا دینا ہے، اور یہ لعنتی لوگوں کا کام ہے۔ ایسے لوگ ناقابلِ اصلاح ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال کی جزا ذلت کا عذاب ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾ ع

اور جو لوگ مومنین اور مومنات کو بلاوجہ ایذا دیتے ہیں، انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔

مومن مرد اور مومن عورتیں، اللہ اور اس کے رسول کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور عملاً اس دعوے کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ یہ ہمیشہ پاکیزگی کے حوالے سے عزّت والے لوگ ہوتے ہیں۔ جو لوگ ان کی عزّت کو کم کرنے کی سازشیں کرتے ہیں، وہ ان کے ساتھ ناروا باتوں کو منسوب کر دیتے ہیں، تاکہ وہ باتوں کو منسوب کر دیتے ہیں۔ یہ بہتان بازی ہے اور خلاف حق واقعات کے مشاہدے کے بغیر بہتان بازی صریحاً گناہ ہے۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بلاوجہ ایذا دینے والے ہمیشہ قابلِ نفرت لوگ ہوتے ہیں۔

حاصل : مومن مردوں اور مومن عورتوں کو باعزّت ماننا حق ہے۔ ان کے بارے میں بے سند باتیں کرنا، بہتان بازی ہے، اور صریحاً گناہ ہے۔ بہتان باز اور سازشی لوگوں کو قابلِ نفرت جانتے ہوئے ان کی سازشوں کو ناکام کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ (2) میں ارشاد فرمایا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کی بجائے گمراہی خریدی، تو ان کی تجارت نے انہیں فائدہ نہ دیا اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ازواج اور بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں کو حکم دیجئے کہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں۔ اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی جائیں تو انہیں کوئی ایذا نہ دے۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

پاک بیبیوں کو بھی ضرورت کے تحت گھروں سے نکلنا پڑے تو اس کے آداب بیان فرمائے گئے ہیں، مرتبے کے اعتبار سے ازواج مطہرات پہلے ہیں، پھر آپ کی بیٹیوں کا مقام ہے اور اس کے بعد مومنات ہیں۔ حکم یہ دیا گیا ہے کہ اپنی بڑی چادروں سے اپنے آپ کو ڈھانپ لینے کے ساتھ ان چادروں کے ایک حصے کو گھونگھٹ کی صورت سے اپنے اوپر لٹکا لیا کریں اور پردے کے اس طریقے کو پاک بیبیاں اپنی پہچان بنائیں۔ پردہ تبھی پورا ہے کہ عورت مرد کو نہ دیکھے اور مرد عورت کو نہ دیکھے، اور یہ صرف چادر کی صورت میں ممکن ہے، کہ اس طرح پردہ کرنے والی خاتون صرف اس راستے کو دیکھ سکتی ہے جس پر وہ چل رہی ہو۔ اس سے زیادہ کی اسے ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ جو پردہ پاک بیبیوں کی پہچان بن جائے وہ ان کے لئے سلامتی کا باعث ہو گا۔ اس پردے کی بدولت کسی شرارتی کو یہ جرأت نہیں ہو گی، کہ وہ انہیں تنگ کرے۔ اس پردے میں کوتاہی ہو جائے تو اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ اس بخشش و رحمت سے وہی خواتین فائدہ اٹھائیں گی جو حکم الٰہی کو دل سے مانتی ہوں گی۔

حاصل : پردے کا حکم حضور کی ازواجِ مطہرات، آپ کی بنات مطہرات اور مومنات کے لئے ہے۔ مومنات کو اپنے درجے کا علم ہونا چاہئے۔ پردہ وہی پورا ہے جس میں مرد عورت کو نہ دیکھے، عورت مرد کو نہ دیکھے۔ چادر سے ہی مطلوبہ پردہ ممکن ہوتا ہے۔ اس پردے میں سلامتی ہے، کوتاہی ہو جائے تو اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

لَّئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ

اگر منافق اور وہ لوگ جن کے قلوب میں مرض ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾

پر مسلط کر دیں گے تو پھر وہ تھوڑا ہی عرصہ یہاں آپ کے ساتھ رہ سکیں گے۔

عطاءِ الٰہی کو اپنی خواہش کے علاوہ کسی جگہ خرچ نہ کرنے والا منافق ہوتا ہے۔ جو اپنی خواہشات کے حوالے سے یہ سمجھتا ہے کہ وہ بہت قابلِ قدر ہے اس کے دل میں مرض ہوتا ہے۔ اور جو ناپاکی کے دائرے سے نکلنا نہ چاہے وہ پاک لوگوں کے بارے میں جھوٹی خبریں اڑا کر خود کو محفوظ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ سب ناپاک لوگوں کی صفات ہیں۔ ان لوگوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ یہ ان بُری صفات کو چھوڑ دیں، ورنہ ان سے توفیق چھن جائے گی. پاک لوگ ان پر مسلّط کر دیے جائیں گے. اس دکھ کے ساتھ موجودہ مقام پر ان کے لئے رہنا ممکن نہ ہوگا۔

حاصل : منافق اور وہ لوگ جن کے دل میں مرض ہو اور جھوٹی خبریں اڑانے والے بڑے دکھ کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔ جب ان کی حقیقت لوگوں پر واضح ہو جاتی ہے تو پھر یہ وہاں ٹک نہیں سکتے، جہاں یہ رہ رہے ہوتے ہیں۔

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾

ملعون جہاں پائے گئے. پکڑے جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے۔

منافق اور وہ لوگ جن کے قلوب میں مرض ہو اور جو جھوٹی خبریں اڑا کر اپنے آپ کو محفوظ بنانے کی کوشش کریں، یہ سب لعنتی لوگ ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے، یہی لعنت ان کی تذلیل کا باعث بنتی ہے، ان کی گرفت کا باعث بنتی ہے اور ان کے خاتمے کا باعث بنتی ہے۔

حاصل : جن لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو، وہ اپنے کیے کے انجام کو پہنچ ہی رہے ہوتے ہیں۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

اللہ کی سنت رہی ہے ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے ہیں، اور تم اللہ کی سنّت کو بدلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

مومنین کی بدخواہی کو مقصدِ حیات بنانے والے لوگ ہمیشہ لعنتی ہوئے ہیں۔ ماضی میں یہ ہو چکا ہے، حال پر بھی یہی ہو رہا ہے اور مستقبل میں یہی ہو گا۔ یہ اللہ کی سنت ہے، اور اللہ کی سنّت بدلتی نہیں۔

حاصل : مومنین کے بدخواہ لوگوں کے ساتھ قطعاً سخت رویہ رکھنا چاہیے، ورنہ ہمارا رخ درست

نہیں رہے گا۔ اللہ کی سنت کے خلاف کرنے والے کا رخ کبھی درست رہ نہیں سکتا۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۗ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٣﴾

لوگ ساعت کے بارے میں آپ سے سوال کرتے ہیں، فرما دیجئے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، اور آپ کو کیا پتہ کہیں وہ قریب ہی ہو۔

کافروں نے قیامت کے بارے میں ہمیشہ سوال کیا ہے، کہ وہ کب آئے گی۔ یہ سوال قیامت کے انکار کے لئے کیا جاتا رہا ہے۔ جواب میں ہمیشہ یہی فرمایا گیا ہے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، کہ وہ کب آئے گی۔ جس خالقِ کل نے اس کائنات کو بنایا ہے وہی اس کی بساط کو لپیٹنے کے وقت کو جانتا ہے۔ اظہارِ عبدیت کے لئے اس کے واقع ہونے کا علم درکار نہیں ہوتا۔ بندے کو یہ دیکھنا چاہئے کہ عمل کے لئے اسے جو مہلت دی گئی ہے، اس کا ایک حصہ تو غفلت میں ضائع ہو چکا ہے، باقی وقت میں اس نے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرنا ہے۔ اس وقت کے خاتمے کو بعید کہنا یقیناً حماقت ہے۔ فرد کے لئے عمل کی مہلت ختم ہو جائے تو پھر اس کا ایمان لانا اسے نفع نہیں دیتا۔ کلی طور پر عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو جائے گا تو وہ قیامت ہوگی۔ فرد کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ قیامت دور ہے۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے ہمیشہ یہ پوچھتے رہے ہیں، قیامت کب آئے گی۔ انہیں یہ دیکھنا چاہئے، کہ قیامت کے واقع ہوتے ہی عمل کے لئے دیا گیا وقت کلی طور پر ختم ہو جائے گا، اور ہر فرد کو اس وقت تک مہلت حاصل نہیں ہوتی۔

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٦٤﴾

بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

قیامت کا انکار کرنے والے کافر ہیں، ناقابلِ اصلاح ہیں۔ اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے، اب یہ ہدایت نہیں پا سکتے۔ ان کے اعمال کی پوری جزا ان کو قیامت کے دن بھڑکتی آگ کی صورت میں ملے گی جو ان کے لئے تیار رکھی ہوئی ہوگی۔

حاصل : قیامت کا انکار لعنتی لوگوں کی نشانی ہے۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو وہ ناقابلِ اصلاح ہو چکا ہوتا ہے۔ بھڑکتی ہوئی آگ قیامت کے دن لعنتی کے اعمال کی جزا ہوگی، پھر وہ قیامت کو جھٹلا نہ سکے گا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ نصرت دینے والا۔

قیامت کا انکار کرنے والے من مانی کرنے سے رکتے نہیں، قیامت کے دن ان کے اعمال کی جزا بصورتِ آگ ان کے لئے تیار رکھی ہوگی۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کو نہ کوئی دوست ملے گا اور نہ مددگار ملے گا۔ دوستی وہی حقیقی ہوتی ہے جو تقوے پر قائم ہو، نصرت وہی حقیقی ہوتی ہے جو حق کے حوالے سے ہو۔

حاصل : اپنے اعمال کی جزا سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ ہماری دوستی کو تقوے پر قائم ہونا چاہئے۔ ہماری نصرت کو حق کے حوالے سے ہونا چاہئے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾

جس دن ان کے منہ آگ میں پلٹائے جائیں گے۔ کہیں گے، ہائے افسوس کہیں ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی، اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی ہوتی۔

جس منہ کو اظہار استکبار کے لئے بکثرت حق سے پھیرا جاتا تھا، اسے اسی نسبت سے آگ میں پلٹایا جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعاً کوئی ظلم نہ ہوگا، ظالم اپنے کیے کی ہی جزا پائے گا، اور اس وقت حسرت کے ساتھ ظالم یہی کہیں گے۔ ہائے افسوس ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی، ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی تو ہم اس انجام کو نہ پہنچتے۔ اللہ کی اطاعت کا دعویٰ قول کا درجہ رکھتا ہے، عملاً اللہ کے رسول کی اطاعت ہو تو اللہ کی اطاعت کا دعویٰ سچا ثابت ہو جاتا ہے۔

حاصل : منہ کو بدن میں جو مقام حاصل ہے اس پر نظر رکھنی چاہئے۔ استکبار کا اظہار، حق سے منہ پھیر کر ہی کیا جاتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تاقیامت ممکن ہے۔ حال پر شاہد کی اطاعت بھی اللہ کے رسول کی اطاعت کے حوالے سے ہوتی ہے۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾

اور عرض کریں گے اے ربّ ہمارے، ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں راہ سے بہکا دیا۔

جب کافروں کو آگ میں ڈالا جائے گا، تو وہ حسرت سے یہ کہیں گے، ہائے افسوس ہم نے اللہ کی اطاعت نہ کی، ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کی۔ پھر وہ اپنے ربّ کو پکاریں گے اور عرض کریں گے ہم نے اپنے سرداروں کا کہا مانا، ہم نے اپنے بڑوں کا کہا مانا۔ اور انھوں نے ہم کو راہِ راست سے بہکا دیا۔ گمراہ ہونے والا اپنی خواہشات کو حق کے مقابل اہمیت دیتا ہے تو وہ گمراہ ہوتا ہے۔ سرداروں کی اطاعت ہو یا اپنے بڑوں کی، اطاعت کرنے والا اگر حق کے خلاف اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے تو وہ گمراہ ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : سرداروں کی اطاعت ہو یا اپنے بڑوں کی، جو خلافِ حق کرتا ہے، وہ اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے اور گمراہ ہو جاتا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾

اے ربّ ہمارے انھیں دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔

جو لوگ اپنی گمراہی کو سرداروں کی اطاعت کی بدولت جانیں گے۔ اپنے بڑوں کی اطاعت کی بدولت سمجھیں گے، وہ اپنے ربّ سے یہ عرض کریں گے، کہ ان سرداروں کو، ان بڑوں کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کیے کی پوری پوری جزا دیتا ہے۔ گمراہ ہونا اور گمراہی کی ترغیب دینا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتا ہے۔ ہر شے کا علم رکھنے والا جو کرتا ہے وہی پورا ہوتا ہے۔ کس کو کتنا عذاب دینا ہے، کس کو کتنی لعنت کرنی ہے، اللہ سے بڑا کوئی جاننے والا نہیں۔

حاصل : کافر حال پر جن کی اطاعت کو حق پر ترجیح دیتے ہیں، قیامت کے دن اللہ کے حضور ان کے لئے دوگنے عذاب اور بڑی لعنت کی درخواست کریں گے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف (7) میں فرمایا ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ

تو اس سے بڑا ظالم کون ہے، جس نے اللہ پر کذب سے افترٰی باندھا یا اس کی آیات کی تکذیب کی۔ انھیں ان کے حصے کا لکھا ہوا پہنچے گا، حتیٰ کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے انھیں وفات دینے آئیں تو ان سے کہتے ہیں کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے مقابل پوجتے تھے، کہتے ہیں وہ ہم سے گم ہو گئے، اور اپنے آپ پر خود شہادت دیتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾

اے ایمان والو ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذا دی، تو اللہ نے آپ کو ان کی اذیت دہ باتوں سے بری کر دیا۔ اور آپ اللہ کے نزدیک وجاہت والے تھے۔

ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے، کہ ان لوگوں سے تمہاری مماثلت نہیں ہونی چاہئے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دیا کرتے تھے۔ یہ لوگ بظاہر آپ کے ساتھی تھے، آپ کو اللہ کا رسول مانتے تھے۔ آپ کی شان جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی تھی، بارہا دیکھ چکے تھے، مگر کسی بھی مشکل مقام پر آپ کا ساتھ ادب سے قائم نہ رکھتے تھے، اور آپ کے سامنے بے سند شکایات کرنے لگتے تھے۔ اللہ نے ان کی بے سند شکایات سے، ان کی اذیت دہ باتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بریت کو روشن کر دیا، اور اللہ کے نزدیک آپ کی وجاہت واضح فرما دی گئی۔

حاصل : حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دینے والے لوگوں سے مماثلت کو قابل نفرت جاننا چاہئے۔ اللہ کے پاک بندوں کے بارے میں اندازے قیافے سے بات نہیں کرنی چاہئے۔ انہیں پاکیزگی کے اس حوالے سے دیکھنا چاہئے جو ان کی شان کے لائق ہو۔ جو اللہ کے نزدیک وجیہہ ہے، اس کی وجاہت کو ادب سے مان لینا حق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور سیدھی بات کرو۔

مخلصین کے بارے میں اپنے گمان کو زبانِ طعن سے بیان کرنے والا، اللہ سے نہیں ڈرتا۔ یہ اللہ کے نزدیک قطعاً ناپسندیدہ بات ہے۔ جن کی وجاہت، اللہ کے نزدیک ثابت ہے، ان کی وجاہت کا انکار، اللہ سے مقابلہ کرنے والی بات ہے۔ اس کا انجام خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔ سیدھی بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ معلم کے مرتبے کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے حضور عرفانِ حق سے متعلق اپنے سوال کو ادب سے پیش کیا جائے۔ سوال کا منشاء معلم سے نور ہدایت لینا ہو۔

حاصل : پاک لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت، اللہ سے ڈرنے کا ثبوت عملاً پیش کرنا چاہئے۔ سیدھی بات کرنے والے کا رخ ہمیشہ درست ہوتا ہے۔ وہ اصلاحِ حال کے لئے بات کرتا ہے اور اپنی بات کرتا ہے۔

يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

کہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا اور تمہیں تمہارے گناہ بخش دے گا، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بڑی مراد پائی۔

متقی کا منشاء نورِ ہدایت کا حصول ہوتا ہے۔ اس کا قول سدید ہوتا ہے۔ وہ یک سو ہوتا ہے۔ اس کے سامنے اللہ کے فرمان کو عملاً دیکھنے کے لئے ایک حوالہ ہوتا ہے۔ وہ حق کو سنتا ہے اور مانتا ہے۔ ناصحِ امین سے اسے محبت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی انابت کی بدولت اسے ہدایت دیتا ہے۔ اس کے اعمال کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ اس کا حال، ماضی سے الگ ہو چکا ہوتا ہے، اس لئے اس کے خلافِ حق ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے، اور اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی کو حق ماننا اللہ کی اطاعت ہے۔ اتباعِ رسول کرنا اللہ کے رسول کی اطاعت ہے۔ شاہدین کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی، اس لئے ان کی اطاعت بھی اللہ کے رسول کی اطاعت ہی ہوتی ہے۔ دعویٰ بھی حال پر ہوتا ہے، شہادت بھی حال پر ہوتی ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے وہ بڑی مراد پاتا ہے۔ مراد بھی حال پر ملتی ہے۔ حال پر بامراد ہو گا تو آخرت میں بھی بامراد ہو گا۔

حاصل : قول پہلے درست ہو تو اعمال کی اصلاح کا مقام آتا ہے۔ حال حق کے مطابق ہو جائے، تو خلاف حق ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دعویٰ بھی حال پر ہوتا ہے، اس کی تصدیق بھی حال پر ہوتی ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے وہ بڑا بامراد ہوتا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾

اور ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے رکھی تو کسی نے اس کا اٹھانا قبول نہ کیا، اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ اپنے اوپر بوجھ ڈالنے والا جذبات سے مغلوب ہو جانے والا ہے۔

حق اللہ کی امانت ہے۔ پاک رہتے ہوئے اس کو ماننا اور ماننے والوں تک اس کا پہنچانا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو قطعاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا، اور کسی بھی جگہ حق میں اپنی پسند کو داخل نہ کرنا، اس عہدِ امانت کے پورا کرنے کی صورت ہے۔ آسمانوں نے اس عہدِ امانت کو اٹھانا قبول نہ کیا۔ زمین نے اس عہدِ امانت کو اٹھانا قبول نہ کیا۔ پہاڑوں نے اس عہد

امانت کو اٹھانا قبول نہ کیا۔ وہ سب ڈر گئے، کہ اس عہدِ امانت کو نباھنا بڑا کام ہے۔ حضرت انسان نے اس عہدِ امانت کو اٹھالیا۔ حضرت انسان نے یہ مان لیا کہ وہ حق کو مانے گا، کبھی اپنی پسند کو اس کے مقابل وقعت نہ دے گا اور وائی پاک دامنی کو اپنی شان سمجھے گا۔ اللہ کے فضل سے ہی اس بوجھ کو اٹھانا ممکن تھا، اور اللہ کے فضل کا یقین حضرت انسان کو بہت تھا۔ اس لئے بوجھ کو اٹھاتے ہوئے وہ جذبات سے مغلوب بھی ہوا، کہ حق کی تبلیغ کی سعادت اسے بخشی گئی تھی۔ اللہ کے اس عہدِ امانت کو اٹھانے والا انسان، بلندی بھی پاگیا اور آسمانوں نے اس کی بلندی کو تسلیم کیا، وسعت بھی پاگیا اور زمین نے اس کی وسعت کو سلام کیا، استقامت بھی پاگیا اور پہاڑوں نے اس کی استقامت کو سلام کیا۔

حاصل : حق وہ امانت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ اس امانت کو اٹھانے کا عہد حضرتِ انسان کی شان ہے۔ اب اس عہد کو ادب سے نباھنا لازم ہے۔ ورنہ اس کی پستی، تنگی اور ضعف انسان کو بے وفا بنا دے گی۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع

تا کہ اللہ منافقین اور منافقات اور مشرکین اور مشرکات کو عذاب دے اور مومنین اور مومنات پر توجہ فرمائے اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

بارِ امانت اٹھانے کے بعد انسان کو طبعی طور پر پاک رہنا چاہئے تھا، مگر وہ تین حصوں میں بٹ گیا۔ ایک حصہ منافق مرد اور منافق عورتیں ہیں، ایک حصہ مشرک مرد اور مشرک عورتیں ہیں، اور ایک حصہ مومن مرد اور مومن عورتیں ہیں۔ پہلے دو حصوں کے لئے اللہ نے عذاب تیار کر رکھا ہے، تیسرے حصے کے لئے اللہ کی عنایت ہے، بخشش ہے اور رحمت ہے۔ منافق قولاً حق کو مانتے ہیں، عملاً اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ مشرک اپنی پسند کو حق کے برابر اہمیت دیتے ہیں اس لئے کبھی یکسو نہیں ہو سکتے۔ مومن قولاً بھی حق کو مانتے ہیں عملاً بھی مانتے ہیں، حکمِ الٰہی کو شاہد کے حوالے سے مانتے ہوئے اس کا اتباع کرتے ہیں، اس لئے ہمیشہ حنیف ہوتے ہیں۔ بھول ہو جائے تو اللہ بخش بھی دیتا ہے، اور مزید آسانیاں بھی عطا فرما دیتا ہے۔

حاصل : منافقت اور شرک سے بچنا لازم ہے کہ عذابِ الٰہی سے بچنے کی یہی صورت ہے۔ مومن ہونے میں بندے کی شان ہے۔ مومن ہی اللہ کی عنایات سے فیض پاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ (۹) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور فرما دیجئے۔ عمل کیے جاؤ، پھر اللہ دیکھ لے گا اور اس کے رسول اور مومن، اور تم جلد اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپے اور ظاہر کا علم رکھتا ہے، پھر تمہیں بتا دے گا جو عمل تم کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ①

حمد اللہ ہی کی ہے جس کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اسی کی حمد ہے آخرت میں، اور وہی حکمت والا، خبر رکھنے والا ہے۔

حمد خالقِ کل کی شان ہے، کہ وہ ہر ایک کو پالتا ہے، اور اپنے علم مطلق سے پالتا ہے۔ جہاں بھی کوئی ہے اور جس متاع کو بھی وہ برت رہا ہے، طبعی طور پر اسے اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس کے کارِ حیات کو چلانے والا ہے ہی اللہ۔ آخرت میں تو حقیقت قطعاً روشن ہوگی، شک کا کوئی مقام ہی نہ ہو گا، اس لئے وہاں حمد کا مالک اللہ ہی ہو گا۔ جب آخرت میں حمد کسی دوسرے کے لئے نہیں ہے تو دنیا میں بھی حمد کسی دوسرے کے لئے نہیں ہے۔ اللہ نے جو بھی کیا ہے، اس میں حکمت موجود ہے اور اللہ ہی سب سے بڑا خبر رکھنے والا ہے۔ کائنات میں بندے کو اپنا مقام پہچاننے کے لئے حقائق سے مدد دی گئی ہے۔

حاصل: بندے کو اپنا مقام پہچاننے کے لئے حقائق سے مدد دی گئی ہے۔

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ②

اسے علم ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے، اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے، اور وہی رحیم و غفور ہے۔

علیم مطلق کے علم کی شان بیان فرمائی گئی ہے، کہ زمین میں داخل ہونے والی ہر شے کا اللہ کو علم ہے۔ وہ شے اسی خالقِ کل کی پیدا کی ہوئی ہوتی ہے جو زمین میں داخل ہو رہی ہوتی ہے، اور اسی کی قدرت سے اور اسی کے علم سے باہر آتی ہے۔ جو کچھ آسمان سے اترتا ہے، وہ بھی اللہ کے علم سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان کی طرف چڑھتا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ بندہ علیم مطلق کی کائنات میں جب بھی کوئی غیر طبعی حرکت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے طبعی طریق کی طرف آنے میں مدد دی جاتی ہے، اور اس کی کوتاہی کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ جو طالب ہدایت نہ ہو، اسے بخشش کا راستہ نہیں ملتا۔

حاصل : ہر مقام پر اپنے علم کو علم الٰہی کے تابع رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر ہمارا طریق زندگی طبعی ہو تو اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوتا ہے۔ کوتاہی کی صورت میں طالبِ خیر کو مزید آسانی بھی دی جاتی ہے، بخشا بھی جاتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ ۖ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٣﴾

اور کافر کہنے لگے ہم پر ساعت نہیں آئے گی۔ فرما دیجیے کیوں نہیں، میرے رب کی قسم ضرور تم پر آئے گی، عالم الغیب جس سے ذرہ بھر کوئی چیز غائب نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی جو کتابِ مبین میں نہ ہو۔

کافروں کا یہ کہنا کہ ان پر قیامت نہیں آئے گی، بے سند بات ہے۔ قیامت کا آنا، نہ کافروں کے علم سے تعلق رکھتا ہے نہ ان کی خواہش سے تعلق رکھتا ہے۔ حکم الٰہی سے یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ میرے رب کی قسم ضرور تم پر آئے گی۔ یہ رب سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ عالم الغیب ہے۔ جس سے ذرہ بھر کوئی چیز چھپی نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اس سے چھوٹی اور بڑی بھی کوئی چیز اس مالک سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اور یہ سب ایک روشن تحریر کی صورت میں موجود ہے۔ کافروں کا یہ گمان کہ اس کائنات میں اتنی چھوٹی بڑی اشیاء ہیں، ان کے استعمال کی بندوں کے علم کے حوالے سے بے شمار صورتیں ہیں، ہر ہر عمل کی جزا کا حساب ممکن نہیں، اس لئے قیامت کا ہونا ہی یقینی نہیں ہے، درست بات نہیں ہے۔ خالقِ کل کے لئے، ربّ العالمین کے لئے، یہ سب کچھ آسان ہے۔ اس نے کسی بھی شے کو بے مقصد پیدا ہی نہیں کیا، اس لئے جزا کا انکار کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

حاصل : کافروں کو قیامت کا آنا محال نظر آتا ہے، تو پاک لوگوں کو اپنے رب کی قسم کے ساتھ قیامت کے آنے کا ذکر کرنا چاہیے۔ عالم الغیب سے کچھ مخفی نہیں ہوتا، وہ اسرع الحاسبین ہے، سب سے جلد حساب کرنے والا ہے۔

لِّيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾

تاکہ اللہ جزا دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے۔ انہی کے لئے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔

قیامت کا دن جزا کا دن ہے۔ جو لوگ حق کو مانتے ہیں اور صالح اعمال سے اپنے ایمان کا ثبوت دیتے ہیں، یہ اللہ کے نزدیک صداقت والے لوگ ہیں۔ اللہ قیامت کے دن ان لوگوں کو ان کی صداقت کا انعام دے گا، پہلا یہ کہ ان کی کوتاہیوں کو بخش دیا جائے گا، اور دوسرا یہ کہ ان کو رزقِ کریم سے نوازا جائے گا۔

حاصل: قیامت کے دن کا منشاء صادقین کو نوازنا ہے۔ نوازش میں مغفرت کا مقام پہلے ہے، رزقِ کریم کا بعد میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۵

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو ہرانے کی سعی کی ان کے لئے عذاب ہے، دردناک عذاب۔

جو لوگ حق کو نہیں مانتے اور عملاً دوسروں کو حق کے انکار کی ترغیب دیتے ہیں، یہ اللہ کی نشانیوں کو ہرانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ سے مقابلہ کرنے کی کوشش ان کے لئے دردناک عذاب کا باعث بنے گی، اس عذاب سے یہ خود کو بچا نہ سکیں گے۔

حاصل: حق کا عملاً انکار اللہ سے مقابلہ کرنے کی کوشش ہے۔ اس کا انجام دردناک عذاب ہوتا ہے۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۶

اور جنہیں علم عطا ہوا ہے وہ دیکھتے ہیں کہ جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہی حق ہے، اور عزت والے، حمد والے کی راہ سجھاتا ہے۔

اللہ کی آیات کی مخالفت کرنے والے ہمیشہ بے سند بات کرتے ہیں۔ بے ہودگی ان کا طرز زندگی ہوتی ہے۔ ان کے مقابل وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زندگی کی متصدیت کا یقین رکھتے ہیں، ہدایت کے طالب ہیں وہ یہ دیکھتے ہیں، کہ حکم اسی کا ماننے کے لائق ہے جو عزت والا قادر مطلق ہے اور جس کی حمد میں ساری کائنات لگی ہوئی ہے۔ حکم الٰہی کو ماننے کے لئے نمونہ وہ ذات بابرکات ہے، جسے اللہ نے بھیجا ہے۔ اور جس کی اپنی کوئی بات نہیں ہے اور پھر آپ سے محبت رکھنے والے شاہدین ہیں، کہ ان کی بھی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔

حاصل: علم والے ہمیشہ حق شناس ہوتے ہیں، باحقیقت ہوتے ہیں، اور عزت والے حمد والے کی

راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی گواہی ہمیشہ سند کا درجہ رکھتی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۷﴾

اور کافر کہنے لگے کیا ہم تمہیں ایسا مرد دکھائیں جو تم کو یہ خبر دے کہ جب تم پھٹ کر بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو از سر نو اٹھائے جاؤ گے۔

کافر حق بیان کرنے والے کا اور اس کے بیان کردہ حق کا مذاق اڑایا کرتے ہیں۔ اور لوگوں سے یہ کہتے ہیں۔ آؤ تمہیں وہ مرد دکھائیں، جو تمہیں بعث بعد الموت کی عجیب خبر دے۔ کتنی انہونی بات ہے یہ کہ جب تم پھٹ کر بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تو پھر تمہیں نئے سرے سے اٹھایا جائے گا۔ انبیاء کرام کی تعلیمات میں تو بعث بعد الموت ایک رکن کا درجہ رکھتی ہے۔

حاصل: حق کا مذاق اڑانا کافروں کا طریق زندگی ہے۔ کافروں کے نظام حیات کی بنیاد بعث بعد الموت کے انکار پر رکھی جاتی ہے۔

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾

کیا اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، یا اسے جنون ہے۔ بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، عذاب اور دور کی گمراہی میں ہیں۔

کافروں کی طرف سے بعث بعد الموت کا ذکر کرنے والے مرد حق کے متعلق یہ کہا جاتا ہے، کہ دو باتیں ہی ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ یہ صاحب، اللہ کے نام پر ایسی بات کہہ رہے ہیں، جو اللہ کی فرمائی ہوئی نہیں ہے، دوسرے یہ کہ ان کو جنون ہے۔ مرد حق بیان کر رہا ہے، حق بیان کر رہا ہے، کافر اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ کافر چونکہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، اس لئے وہ عذاب الٰہی کے راستے کو اختیار کر رہے ہیں، اور یہ لوگ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کا حق کے بارے میں تبصرہ کبھی درست ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل: حق بیان کرنے والے کے بارے میں منکرین حق کی رائے کبھی درست نہیں ہوتی۔ جو آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو وہ عذاب کے راستے پر ہوتا ہے اور دور کی گمراہی میں ہوتا ہے۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا

کیا دیکھتے نہیں جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان اور زمین سے۔ اگر ہم چاہیں تو

خَلۡفَهُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَيۡهِمۡ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّـكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ ۝۹

انہیں زمین میں دھنسا دیں، یا ان پر آسمان سے ٹکڑا گرا دیں۔ بے شک اس میں ہر رجوع لانے والے بندے کے لئے نشانی ہے۔

قیامت کا انکار کرنے والوں کو ان کے مقام پر غور کرنے کا رخ دکھایا جارہا ہے، کہ انہیں آسمان اور زمین سے اپنے تعلق کو دیکھنا چاہئے۔ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ زمین سے حاصل ہونے والے فوائد ہوں یا آسمان سے حاصل ہونے والے فوائد ہوں، وہ ہوتے باذن اللہ ہی ہیں۔ جس کی قدرت سے سکھ مل رہا ہوتا ہے اسی کی قدرت ہر مقام کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ زمین سے بھی دکھ پہنچا سکتا ہے، وہ آسمان سے بھی دکھ پہنچا سکتا ہے، اور کوئی قوت اس کو عاجز نہیں کر سکتی۔ بندے کو اپنی حیثیت اور اپنے مقام پر غور کرنا چاہئے، اللہ کی قدرت اور اس کی عنایات کو دیکھنا چاہئے۔ بندہ حق کی طرف رجوع لانے والا ہو گا تو حقائق و معارف کو پا سکے گا۔

حاصل : اپنے مقام اور اپنی حیثیت کو دیکھنا چاہئے۔ قادر مطلق ماضی میں بھی قادر مطلق تھا، حال پر بھی قادر مطلق ہے۔ جو اللہ کی کائنات میں اپنے مقام کو پہچان لے اس بندے کو حقائق و معارف تک رسائی ملتی ہے۔

شہادت : حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ کی تکذیب کی اور کہا۔ اگر آپ سچے ہیں، تو ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دیجئے۔

فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝۱۸۹

تو انھوں نے آپ کی تکذیب کی، تو انہیں سائے کے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِىۡ مَعَهٗ وَالطَّيۡرَ ۚ وَاَلَـنَّا لَـهُ الۡحَدِيۡدَ ۝۱۰

اور بے شک ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنے فضل سے نوازا۔ اے پہاڑو اور پرندو تم بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں شرکت کرو، اور ہم نے آپ کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا۔ آپ اللہ کا ذکر کرتے تھے، تسبیح کرتے تھے۔ خوش الحانی اللہ نے عطا فرمائی تھی۔ پہاڑوں اور پرندوں کو آپ کے لئے مسخر کر دیا گیا، اور انہیں آپ کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں شرکت کرنے کا

حکم دیا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح میں ہم نوائی کا شرف پہاڑوں اور پرندوں کو حاصل ہوا۔ کائنات میں اس روح پرور منظر کو نظر میں رکھئے۔ وسیع و عریض سلطنت کے انتظام میں اللہ نے آپ کو بڑی مدد دی، اور لوہے کو آپ کے لئے نرم کر دیا گیا۔ وہ آسانی سے لوہے کی تمام چیزیں بنا سکتے تھے، جو آپ کے ہاں درکار تھیں۔

حاصل : اللہ کا فضل بندے کو شان والا بناتا ہے۔ ہمیں طبعی طور پر اللہ کی تسبیح کو معمول بنانا چاہئے، اور صبح و شام ترنم کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کام دیا جائے اس سے متعلق آسانیاں بھی دی جاتی ہیں۔

أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١﴾

کہ کشادہ زرہیں بنائیں، اور بنانے میں انداز رکھیں۔ اور سب صالح عمل کرو۔ بے شک میں دیکھتا ہوں جو عمل تم کرتے ہو۔

زرہ وہ آہنی لباس ہے، جو لڑنے والے کو اس کا حق بطریقِ احسن ادا کرنے میں مفید معلوم ہوتا ہے۔ زرہ پہننے والا اگر زرہ میں تنگی محسوس کرنے لگے تو پھر اس کی کارکردگی بُری طرح متاثر ہوتی ہے، اس لئے زرہ کا کشادہ ہونا اور اس کے جوڑ کڑیوں کا بہت موزوں ہونا کمالِ فن ہے۔ جب بندے کی قوت میں اضافہ ہو، تو اپنا توازن درست رکھنا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ جب قوت کو اللہ کی عطا جان لیا جائے تو پھر وہ خلافِ حق استعمال نہیں ہوتی۔ عمل تبھی صالح ہوتا ہے جب اس میں یہ یقین جلوہ گر ہو کہ قوت عطا کرنے والا دیکھ رہا ہے کہ اس کی عطا کو کس طرح استعمال کیا جا رہا ہے۔

حاصل : زرہ کا کشادہ ہونا اور اس کے جوڑ کڑیوں کا موزوں ہونا بڑی خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ قوت میں اضافہ کرے تو اس قوت کو حق کے مطابق استعمال کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ صالح عمل وہی ہے جس میں مقصود اللہ کی رضا ہو۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۖ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا

اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کو مسخّر کر دیا گیا، ان کا جانا بھی ایک مہینے کی منزل تھی اور ان کا آنا بھی ایک مہینے کی منزل تھی، اور ہم نے آپ کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ اور کتنے ہی جن آپ کے حضور آپ کے رب کے اذن سے کام میں

نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۱۲﴾

لگے رہتے۔ اور جو کوئی ہمارے امر سے سرتابی کرے ہم اسے آگ کا عذاب دیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کا مسخر ہونا آپ کی بہت بڑی مدد تھی۔ ہوا آپ کے لئے سازگار ہو کر چلتی تھی۔ اس سے آپ کا سفر بہت آسان ہو جاتا تھا۔ جس رخ پر آپ جانا چاہتے تھے، ہوا اسی رخ پر چلتی تھی۔ اس طرح آپ کا وقت بھی بچتا تھا، قوت بھی بچتی تھی۔ تانبے کا چشمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بہایا گیا۔ آپ نے اس کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے ساتھ جن جن مقامات پر استعمال کیا معاشرتی زندگی میں تاقیامت لوگوں کو آپ کا شکریہ ادا کرتے رہنا چاہئے، کہ طبعی زندگی میں اس نعمت کی بدولت بہت آسانیاں پیدا ہوئیں۔ ابتداءً اس دھات کا استعمال بہت سے مقامات پر اور بڑی مقدار میں ہوا، اس لئے جنّ و انس کام میں لگے رہتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت امرِ الٰہی کے مطابق کی جاتی تھی۔ اس لئے آپ کی خدمت میں کوتاہی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا بھی دی جاتی تھی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے کام دیا جائے تو اس سے متعلقہ آسانیاں بھی دی جاتی ہیں۔ تانبے کا استعمال ہو تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلام کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہایا تھا، اور ہم اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ جس کا کام حق کے مطابق ہو، اس کی خدمت میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ وَتَمَاثِيۡلَ وَجِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَ قَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِيَ الشَّكُوۡرُ ﴿۱۳﴾

آپ کے لئے کام کرتے جو آپ چاہتے۔ محرابیں، تمثیلیں، حوضوں جیسے لگن اور لنگرانداز دیگیں۔ اے آل داوٗد شکر گزاری کے کام کرو۔ اور میرے بندوں میں قلیل ہی شکر کرنے والے ہیں۔

شیاطین کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر فرمایا گیا تھا۔ یہ اپنے پیشوں میں بڑی مہارت رکھتے تھے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ محرابیں بناتے تھے، مجسمے بناتے تھے، بڑے بڑے لگن بناتے تھے، بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دسترخوان کے حوالے سے ایسی ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ محراب میں ہی فن کا کمال دیکھا جا سکتا ہے۔ محراب کا قعدہ ہموار ہو، اطراف نقوش اور قوسوں کے حساب سے مساوی ہوں، اور قوسین کے مقام اتصال میں حسن ہو تو تعمیر کے فن کی قدر کرنے والے ضرور دیکھیں گے اور داد دیں گے۔ بڑے بڑے لگن اگر نفاست کے ساتھ بنائے گئے ہوں تو وہ بھی دیکھنے کے لائق ہوتے ہیں اور وسیع پیمانے پر کھانے کا اہتمام کرنے کے لئے ایسی دیگوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کو ایک ہی جگہ مستقل طور پر چولھے پر جما دیا جاتا ہے۔ ایسی دیگوں کے بنانے میں نفاست ان کی ساخت اور ان کے

کام اور مدت العمر میں دیکھی جاتی ہے۔ آلِ داؤد کو شکر گزاری کے کام کرنے کا حکم دیا گیا۔ شکر گزاری کے کام یہ ہیں کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اللہ کی رضا کے لئے استعمال کیا جائے اور استفادہ کرنے والوں کا شکریہ بھی ادا کیا جائے، اور شکر گزاری اللہ کے نزدیک بڑی پسندیدہ صفت ہے۔ جو مجسمے حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے بنواتے تھے وہ بھی خوبصورتی کے ساتھ بالفعل اپنی اہمیت رکھتے تھے۔

حاصل : اپنی ضرورت کی چیزوں میں نفاست کا دھیان رکھنا چاہئے۔ بلاضرورت چیزوں کا جمع کرنا زندگی کی مشکلات کو بڑھا دیتا ہے۔ شکر گزاری بندے کی شان ہے، اور اللہ کے نزدیک یہ پسندیدہ ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

پھر جب ہم نے آپ پر موت کا حکم بھیجا تو ان کو آپ کی موت سے آگاہ نہیں کیا مگر زمین کے کیڑے نے، جو آپ کے عصا کو کھاتا رہا، پھر جب آپ گرے تو جنوں پر واضح ہوا، کہ اگر وہ غیب کا علم رکھتے تو ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔

جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے مطابق کاموں میں لگے رہتے تھے۔ سزا کا ڈر انہیں کوتاہی سے روکتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت ایسی حالت میں آئی، کہ آپ عصا کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے تھے۔ جنوں کو آپ کی موت کی خبر نہیں ہوئی۔ دیمک نے آپ کے عصا کو کھایا تو آپ کا جسم مبارک زمین پر آرہا۔ اور جنوں کو آپ کی موت کی خبر ہوئی، اور ان کے علمِ غیب رکھنے کے دعوے بے معنی ہو گئے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ حقائق کو روشن کرتا رہتا ہے۔ رخ درست ہو تو نورِ ہدایت سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾

بے شک سبا کے لئے ان کے مسکن میں نشانی تھی، دو باغ دائیں اور بائیں۔ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کے شکر گزار رہو۔ جگہ اچھی اور ربّ بخشن ہار۔

قوم سبا کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کا مسکن ہی ان لوگوں کو اللہ کے فضل کا احساس دلانے کے لئے نشانی کا درجہ رکھتا تھا۔ ان کی بستی اس قدر خوبصورت تھی، کہ شاہراہ کے دونوں جانب باغ تھے۔ جو نہایت اعلیٰ درجے کے پھلوں اور نعمتوں پر مشتمل تھے۔ حکم یہی تھا، اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اللہ کی رضا کے لئے دوسروں کو کھلاؤ کہ شکر گزاری کی یہی صورت ہے۔ جس عطا کا شکریہ ادا نہ کیا جائے اس کی برکت اللہ تعالیٰ کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔ جگہ بھی اللہ نے خوب دی تھی، اور کوتاہی پر بخش دینا بھی اس کی شان ہے۔

حاصل : اللہ کا دیا ہوا سکھ بھی حق کی ایک نشانی ہے۔ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے تو شکریئے کا حق ادا ہوتا ہے۔ جگہ کا اچھا ہونا، اللہ کے فضل سے تعلق رکھتا ہے، کوتاہی پر بخش دینا اللہ کی شان ہے۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾

پھر انہوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر زوردار سیلاب بھیج دیا اور ان کے دو باغوں کو دو ایسے باغوں سے بدل دیا، جن میں میوہ کسیلا تھا اور جھاڑ اور کچھ بیریاں تھیں۔

قوم سبا نے شکر گزاری سے منہ پھیرا اور ناشکری کو اپنا شعار بنالیا تو ان پر عذاب آیا جو زوردار سیلاب کی صورت میں تھا۔ وہ پانی جو ان لوگوں کی زرعی اور دوسری ضرورتوں کو پورا کرتا تھا، ان کے لئے عذاب بنا دیا گیا، اور اس پانی نے زمین کی خاصیت کو بدل کر رکھ دیا۔ وہی زمین جس میں طرح طرح کے خوش ذائقہ اور مفید میوے ہوتے تھے، اب صرف اسی لائق تھی کہ اس میں کچھ کسیلے پھل تھے، کچھ جھاڑ تھے اور کچھ بیریاں تھیں۔

حاصل : شکر گزاری سے منہ پھیرنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ معطیٔ مطلق کی قدر ہو تو عطا کا استعمال بجا ہوتا ہے ورنہ بے جا ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

ہم نے انہیں یہ جزا دی کہ وہ ناشکری کرتے تھے اور ہم یہ جزا ناشکری کرنے والوں کو ہی دیتے ہیں۔

اللہ کے عطا کردہ سکھ کا شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے خیرات میں سبقت کی جائے۔

ناشکری یہ ہے کہ حق معلوم ہونے کے باوجود اپنی خواہشات کا اتباع کیا جائے۔ ناشکری سے نعمت چھن جایا کرتی ہے۔ کفرانِ نعمت ہو تو پھر اس کی سزا بھی ہوتی ہے۔

حاصل : کفرانِ نعمت سے بچنا، اللہ کے عذاب سے بچنے کی صورت ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ان میں اور ان قریوں میں جن میں ہم نے برکت رکھی سرِ راہ کتنی ہی بستیاں ٹھہرائیں اور انہیں منزل کے انداز پر رکھا، ان میں راتوں اور دنوں کو امن و امان سے چلیں۔

تجارت اہل سبا کی بڑی ضرورت تھی، اور تجارت کے لئے راستے کا محفوظ ہونا اور آرام دہ ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں اللہ کی اس نعمت کا ذکر کیا گیا ہے، کہ شاہراہِ تجارت پر کتنی ہی بستیاں تھیں اور لوگ آسانی کے ساتھ راتوں اور دنوں میں منزل بہ منزل سفر کر سکتے تھے۔ تجارت سے استفادہ کرنے والوں کو اللہ کے فضل کی، اللہ کی عنایات کی قدر کرنی چاہئے۔ ناشکری ہوگی تو پھر ناشکری کی سزا بھی ہوگی۔ وہ تمام ارکان جن میں انسان کی سوچ کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور جن کی اہمیت بھی اسے تسلیم ہوتی ہے، اللہ کے فضل کے زمرے میں آتے ہیں۔ اپنی سعی اور حُسنِ تدبیر کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا، اللہ کے فضل کا انکار ہی ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کی عطا کردہ آسائشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے، ان کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ اپنی کارکردگی میں حُسنِ تدبیر اور جہدِ مسلسل قابلِ ذکر نظر آئے اور اللہ کی عنایات قابلِ ذکر نظر نہ آئیں تو یہ رخ کے درست نہ ہونے کا ثبوت ہے، سوچ کے درست نہ ہونے کا ثبوت ہے۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۱۹﴾

تو انہوں نے کہا۔ اے ربّ، ہمارے سفروں میں بُعد ڈال دے، اور اپنے اوپر خود ظلم کیا۔ پھر ہم نے انہیں کہانیاں کر ڈالا، اور انہیں تتر بتر کر ڈالا۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں، ہر صبر کرنے والے کے لئے، شکر کرنے والے کے لئے۔

اہلِ سبا نے اللہ تعالیٰ کی عنایات کی ناشکری کی اور زبانِ حال سے دکھ طلب کیا۔ یہ ان کے اندر کے استکبار کا اظہار تھا، کہ سب لوگ بخیریت سفر کرلیں تو پھر صاحب ثروت لوگوں کا امتیاز کیا رہ گیا۔ ان لوگوں نے سکھ کے بدلے دکھ طلب کیا۔ یہ ان کا اپنے آپ پر ظلم تھا۔ پھر وہ قصۂ ماضی بنا دیئے گئے، تتر بتر کر دیئے گئے۔ نہ ہونے کے مقام پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ پورا رہنا صبر ہے، ہونے کے مقام پر اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ پورا رہنا شکر ہے۔ صبر و شکر کرنے والے دیکھتے ہیں، کہ اللہ کے ساتھ سے ہی بات بنتی ہے۔ حق کے خلاف کرنے والے تباہی کے راستے پر ہوتے ہیں۔

حاصل : صبر و شکر اللہ کے ساتھ کی صورتیں ہیں۔ خلاف حق کرنے والے تباہی کے راستے پر ہوتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾

اور بے شک ابلیس نے انہیں اپنا ظن سچ کر دکھایا۔ تو انہوں نے اس کا اتباع کیا، سوائے مومنین کے فریق کے۔

ابلیس کا گمان یہ تھا کہ انسان ناشکری ہی کریں گے، سوائے ان کے جو مخلص بندے ہوں گے۔ اور ابلیس کو یہ گمان تھا کہ وہ سب کو بہکالے گا سوائے عباد مخلصین کے۔ اہلِ سبا نے ابلیس کا اتباع کیا، مومنین اللہ کے ساتھ رہے، وہی صبر و شکر کے حوالے سے پورے رہے۔

شہادت : حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دینے سے ہی ابلیس کے اتباع کا راستہ بنتا ہے، اور اس کا اتباع تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ مومنین کبھی اپنی خواہشات کا اتباع نہیں کرتے، صبر کا مقام ہو یا شکر کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہتے ہیں، یہی بھلائی کا راستہ ہے۔

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٢١﴾ ع ۱۲ ۸

اور ابلیس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر اس لئے کہ ہم دیکھیں اس کو جدا کر کے جو آخرت پر ایمان لاتا ہے اس سے جو اس کی بابت شک میں رہتا ہے، اور تمہارا رب ہر شے پر نگہبان ہے۔

ابلیس کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو زبردستی خسارے کی راہ پر ڈال دے۔ انسان دشمنی کو اس نے اپنا مقصدِ حیات بنالیا ہے۔ وہ بُرائی کی طرف دعوت دیتا ہے، جو اس کی پیروی کو قبول کرے وہ خسارے کی راہ پر پڑ جاتا ہے، اس

طرح دنیا کی امتحان گاہ میں آخرت پر یقین رکھنے والوں اور آخرت کا انکار کرنے والوں کے درمیان ایک خط کھنچتا چلا جاتا ہے۔ ہر شے کا خالق ہی اس شان کا مالک ہے کہ وہ ہر شے کی حفاظت کر سکے۔ شیطان کو اپنی حدود سے تجاوز کی مجال بھی نہیں ہوتی، اور بندے کو استقامت سے راہِ حق پر رہنے میں بھی مدد دی جاتی ہے جب وہ طلبِ ہدایت کے حوالے سے مدد کے لئے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر نگہبان ہے تو کسی شے کو خلافِ حق استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہی بن سکتا ہے۔

حاصل : ابلیس کو بندوں پر کچھ زور حاصل نہیں ہے، ابلیس کی بات مانی جائے تو اس کی پیروی کی صورت بنتی ہے اور یوں حیات دنیا میں آخرت پر یقین رکھنے والوں اور آخرت کا انکار کرنے والوں کے درمیان ایک خط کھنچتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر نگہبان ہے، اس لئے ہر شے کے استعمال میں حق کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔

شہادت : سورۃ الانبیاء (21) میں ذکر ہے کہ کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو ظالم تھیں اور ان کے بعد دوسری قوم کو اٹھایا، پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب پایا جبھی اس سے بھاگنے لگے، فرمایا گیا۔ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿١٣﴾

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿١٥﴾

نہ بھاگو، لوٹ کر جاؤ ان آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں اور اپنے مساکن کی طرف تاکہ تم سے سوال نہ ہو۔ پھر وہ لوگ پکارتے رہے۔ ہائے خرابی ہماری ہم ظالم تھے۔ تو وہ یہی پکارتے رہے حتی کہ ہم نے انہیں کر دیا کاٹے ہوئے، بجھائے ہوئے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿٢٢﴾

فرما دیجئے پکارو انہیں جن کا اللہ کے مقابل تمہیں زعم ہے۔ وہ ذرہ بھر کے مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ ان دونوں میں ان کی کچھ شرکت ہے، اور نہ ان میں سے اس کا کوئی مدد گار ہے۔

منکرین حق پر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ تمہارے زعم کے حوالے سے جو قدرت رکھتے ہیں، انہیں اللہ کے مقابل تم کبھی دکھ میں پکارتے نہیں ہو۔ معبود تو مالک کل ہی ہو سکتا ہے، اور جو معبود تمہاری خواہشات کے حوالے سے وجود میں آئے ہیں یا جنہیں تم نے اپنے زعم میں معبود مان لیا ہے، ان کی ملکیت ایک ذرہ بھی نہیں ہے اور آسمانوں اور زمین میں کہیں بھی نہیں ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں کوئی مقام نہیں تھا، جہاں اللہ کو کسی کی مدد درکار ہوئی ہو، پھر کوئی کیسے اس کا شریک ہو سکتا ہے۔

حاصل : معبود کی شان یہ ہے کہ وہ مالکِ کل ہے۔ جنہیں اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ ایک ذرّے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ معبود کی شان ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ جنہیں اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ کسی چیز کے خالق نہیں ہیں۔ معبود کی شان ہے کہ اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرا کون ہے جو مدد کی احتیاج نہ رکھتا ہو۔

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾

اور اس کے حضور شفاعت نفع نہ دے گی مگر جس کے لئے وہ اذن دے۔ حتیٰ کہ جب گھبراہٹ ان کے قلوب سے دور ہو جائے گی تو وہ پوچھیں گے، کیا فرمایا تمہارے ربّ نے، وہ کہیں گے، حق فرمایا، اور وہی سب سے بلند اور بڑا ہے۔

عبادِ مخلصین کی یہ شان ہے، کہ جو ان کا اتباع کرے وہ اسے اپنا ساتھی جانتے ہیں، جو ان کی حکم عدولی کرے اس کی لاعلمی کے حوالے سے اس کے لئے بخشش و رحم کی دعا کرتے ہیں۔ قیامت کے دن صورت یہ ہو گی، کہ اللہ کے اذن سے بات ہو سکے گی۔ جو عبادِ مخلصین کی مخالفت میں اپنا سب کچھ ضائع کر چکے ہوں گے، ان کے لئے بات کرنے کا اذن نہیں ہو گا۔ شفاعت انہیں نفع دے گی جن کے لئے شفاعت کرنے کا اذن ہو گا۔ جو لوگ قیامت کے دن کے ہول سے محفوظ رکھے جائیں گے، ان سے دوسرے لوگ یہ پوچھیں گے، جب ان کے قلوب سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی، کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ وہ شہادت دیں گے، حق ارشاد فرمایا گیا ہے اور وہی سب سے بلند ہے اور بڑا ہے۔

حاصل : قیامت کے دن کے ہول سے جن کو محفوظ رکھا جائے گا، ان کی شان اللہ کے نزدیک بڑی ہے مگر وہ بھی اللہ کے اذن سے ہی شفاعت کر سکیں گے۔ جب شفاعت کی آرزو رکھنے والوں کی گھبراہٹ دور ہو جائے گی، تو وہ برگزیدہ بندوں سے پوچھیں گے کیا فرمایا تمہارے ربّ نے۔ وہ شہادت دیں گے، حق فرمایا ہمارے ربّ نے، وہی سب سے بلند ہے وہی سب سے بڑا ہے۔

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾

پوچھئے کون تم کو رزق دیتا ہے آسمانوں اور زمین سے۔ بتایئے اللہ۔ اور بے شک ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں۔

منکرین حق کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ ان سے پوچھئے کون تمہیں رزق دیتا ہے آسمانوں سے اور زمین سے۔ پھر علم ہوتا ہے، آپ بتائیے اللہ ہی تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ تم اپنی ضروریات حیات کا وہ علم نہیں رکھتے جو تمہاری ربوبیت کے لئے ضروری ہے۔ اللہ ہی تمہیں اپنے علم سے پالتا رہتا ہے۔ حق کو ماننے والوں کا ایک رخ ہے، من مانی کرنے والوں کا دوسرا رخ ہے۔ یہ دونوں کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ ان کا حال کبھی ایک نہیں ہوتا، ان کا مستقبل ایک نہیں ہو سکتا۔ حق اللہ کا فرمان ہے، اللہ کے مقرر کردہ معیار کے حوالے سے اسے ماننا درست ہے۔ اور حق کو اپنی مرضی کے مطابق بنانا ہدایت نہیں گمراہی ہے۔

حاصل : حیاتِ دنیا میں من مانی کرنے والوں کو دعوتِ فکر دیتے ہوئے ان سے بات کرنے کی طریقت بیان فرمائی گئی ہے۔ اس طریقت کے مطابق بات کی جائے تو حق ادا ہوتا ہے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

فرما دیجئے ہمارے جرم کے بارے میں تم سے سوال نہیں ہو گا، اور تمہارے اعمال کے متعلق ہم سے سوال نہیں ہو گا۔

منکرینِ حق کے ساتھ بات کرنے کی طریقت بیان فرمائی گئی ہے، کہ اصلاحِ حال کی طرف مائل کرنے کے لئے ان سے یہ کہا جائے: کہ ہمارا تمہارا رخ ایک نہیں ہے۔ اگر ہم خلافِ حق کر رہے ہیں، تو یقیناً ہم جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں، ہم ہی اللہ کے حضور اس کے لئے جواب دہ ہوں گے۔ اسی طرح جو کچھ تم کر رہے ہو اس کے متعلق تم سے ہی پوچھا جائے گا۔ اللہ نے تمہیں توفیق دی ہے، جس معیار کے حوالے سے تمہارے اعمال کی صحت دیکھی جائے گی، اس معیار کو ماننا تمہاری ضرورت ہے۔

حاصل : منکرینِ حق کے حال اور اعمال سے اپنے حال اور اعمال کا تقابل کرتے وقت اپنے لئے نرم الفاظ کا استعمال موزوں نہیں ہوتا، دوسروں کے لئے سخت الفاظ کا استعمال موزوں نہیں ہوتا۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۚ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

فرما دیجئے ہمارا ربّ ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے مابین حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے گا، اور وہی فیصلہ فرمانے والا، علم والا ہے۔

منکرینِ حق کے ساتھ بات کرنے کی طریقت بیان ہو رہی ہے، کہ ان پر یہ واضح کرنا چاہئے، کہ جس طریقِ زندگی کے

درست ہونے پر وہ مصر ہیں اور ہم اس طریق زندگی کے درست نہ ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں فیصلہ اس دن ہو گا، جب ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا۔ پھر ہمارے مابین حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے گا۔ خالق کل وہی ہے۔ توفیق دینے والا وہی ہے۔ حق کو نازل فرمانے والا وہی ہے۔ خلوت و جلوت میں ہر مقام پر دیکھنے والا وہی ہے۔ چھپے اور ظاہر کا علم رکھنے والا بھی وہی ہے۔ اس لئے فیصلہ کرنا اسی کی شان کے لائق ہے۔ کہ کون حق کے مطابق رہا اور کون حق کے خلاف کرتا رہا۔

حاصل : منکرینِ حق کے ساتھ بات کو پورا کرنے کا طریقہ وہی ہونا چاہئے جو اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ فیصلہ ہمیشہ حق کے مطابق ہونا چاہئے اور علم سے ہونا چاہئے۔

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾

فرما دیجئے، دکھاؤ تو وہ جن کا تم اس سے الحاق کرتے ہو شریک ٹھہرا کر۔ کوئی نہیں۔ وہی اللہ ہے عزت والا، حکمت والا۔

مشرکین سے یہ فرمایا گیا ہے۔ کہ وہ صورتیں جن کو تم اللہ سے ملاتے ہو، تم انہیں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، بتاؤ وہ کون ہیں اور اس کائنات میں وہ کیسے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائی گئی ہیں۔ جب مشرکین جواب نہ دیں تو پھر ان کی طرف سے یہ جواب خود ہی دیا جاتا ہے۔ کوئی نہیں جسے اللہ کا شریک قرار دیا جائے۔ وہ ایک ہے اور عزت والا، حکمت والا ہے۔ ہر شے اپنے اپنے مقام پر اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ اللہ سے بڑی کوئی طاقت نہیں۔ جو خالق کل ہے۔ اور ہر شے کو اس کے دائرہ کار میں مصروف عمل رکھتا ہے۔ ہر شے کو جس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے۔ وہ حکمت۔ اللہ کی شان کے لائق ہے۔

حاصل : مشرکین سے یہ کہنا چاہئے، جن کو تم اللہ کا ساجھی بتاتے ہو۔ ان کا کام دکھاؤ۔ مصنوع سے صانع کا پتہ لگتا ہے۔ اللہ کی قدرت سے کسی کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اس کی حکمت اس کے علم مطلق سے ہے۔ اس لئے اس کا کوئی شریک ہو نہیں سکتا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور آپ کو ہم نے سب لوگوں کو بشارت دینے کے لئے اور ڈر سنانے کے لئے ہی بھیجا ہے۔ لیکن بہت لوگ لاعلم ہیں۔

خاتم النبیین سے پہلے کوئی نبی سب لوگوں کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ جو حق کو مان لے اسے فلاح کی بشارت دینا اور جو حق کا انکار کرے اس کو اس کے انجام سے آگاہ کرنا یہ دو کام اللہ کے بھیجے ہوئے پہلے بھی کرتے رہے ہیں۔ اہل کتاب سے جو لوگ ان کتابوں کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ وہ یقیناً قرآن پاک کو بھی مانتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی

طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، وہی حق ہے۔ طالب ہدایت کوئی ہو، کہیں ہو وہ آپ کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ آپ سب لوگوں کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ طالب ہدایت ہونے کی بجائے جو اپنی خواہش کے اتباع میں لگا رہے، وہ بے علمی کے دائرے سے نکل نہیں سکتا، اور لوگ اکثر اسی مقام پر پھنسے رہتے ہیں۔

حاصل : سب لوگوں کے لئے بشیر و نذیر ہونا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے، جو اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ جو طالب ہدایت نہ ہو، وہ اپنی خواہش کی پیروی میں لگا رہتا ہے، وہ کبھی بے علمی کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا، اگر آپ صادق ہیں۔

منکرین حق قیامت کا انکار کرتے چلے آرہے ہیں اور قیامت کے بارے میں یہ سوال کرتے چلے آرہے ہیں، کہ اگر قیامت کا آنا یقینی ہے، تو بتایئے وہ کب آئے گی۔ اگر قیامت کے آنے کا وقت بتانے سے صداقت کا ثبوت ملتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ سوال کرنے والوں کو عمل کے لئے دی گئی مہلت قیامت سے پہلے ختم ہو جائے۔ دوسری یہ کہ وہ قیامت کو دیکھ کر اس دنیا سے رخصت ہوں۔ پہلی صورت میں عمل کے لئے دیا گیا وقت خلافِ حق کرنے میں گزر جاتا ہے، اور موت کے وقت اصلاح کو قبول کرنا نفع نہیں دیتا۔ دوسری صورت میں قیامت کو دیکھ کر ایمان لانا بھی نفع نہیں دے گا۔ یہ دونوں باتیں خسارے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے یہ سوال، سائل کی جہالت سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

حاصل : ہمارے سوال کو جہالت پر مبنی نہیں ہونا چاہیے۔

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع

فرما دیجئے تمہارے لئے ایک خاص دن تک میعاد ہے، جس سے نہ گھڑی پیچھے ہٹو گے اور نہ آگے بڑھو گے۔

فرد ہو یا جماعت، اتمامِ حجت اللہ کی سنت ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت جس کے لئے ختم ہو جائے وہ ایمان لانے کا عہد کرے تو اسے یہ بتا دیا جاتا ہے کہ اب تم اپنے عہد کو عملاً سچا ثابت نہیں کر سکتے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت جب بالکلیہ ختم ہو جائے تو وہ قیامت ہو گی۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت موت سے ختم ہو یا قیامت سے، اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔ مہلت دینے والے نے جو وقت دیا ہے، اس سے پیچھے ہٹنا یا آگے بڑھنا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ مہلت دینے والا کسی کی مہلت بڑھا دے یا کم کر دے اس کا کام علم مطلق سے ہوتا ہے۔ اس سے پوچھنا کسی کے بس میں نہیں۔

حاصل : مہلت اللہ دیتا ہے۔ جسے جتنی مہلت دی جائے اس سے پیچھے ہٹنا یا آگے بڑھنا کسی کے

بس میں نہیں ہوتا۔ مہلت دینے والے کی قدرت کبھی محدود نہیں ہوتی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور (24) میں فرمایا ہے۔

أَلَآ إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌۢ ﴿٦٤﴾

سن لو اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اسے علم ہے جس حال پر تم ہو اور اس دن کا جس دن تم اس کی طرف لوٹو گے، پھر انہیں بتا دے گا جو عمل وہ کرتے تھے، اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا ٱلْقُرْءَانِ وَلَا بِٱلَّذِى بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ ٱلظَّٰلِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ ٱلْقَوْلَ يَقُولُ ٱلَّذِينَ ٱسْتُضْعِفُوا۟ لِلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُوا۟ لَوْلَآ أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾

اور کافر کہنے لگے ہم اس قرآن کو نہیں مانیں گے اور نہ اس کو جو اس سے آگے ہے۔ اور کبھی تم دیکھو جب ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے، ان میں ایک دوسرے پر بات ڈالے گا۔ وہ لوگ جو ضعیف سمجھے جاتے تھے، استکبار کرنے والوں سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے ہم ضرور مومن ہوتے۔

قرآنِ پاک کی مثل پیش کرنے سے منکرینِ حق ہمیشہ عاجز رہے ہیں اور قرآنِ پاک کی مثل پیش کرنے سے منکرینِ حق ہمیشہ عاجز رہیں گے، مگر وہ اس کو مانتے نہیں اور اس کے حوالے سے آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ وہ وقت بھی آئے گا، جب ان خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے رب کے حضور کھڑا کیا جائے گا۔ تو یہ دو حصوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک وہ ہوں گے جو دوسروں کو ایمان لانے سے منع کرتے رہے ہوں گے، اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو خلافِ حق خرچ کرتے ہوں گے، اور دوسرے وہ ضعیف ہوں گے جو استکبار کرنے والوں کی باتوں کو اپنی خواہشات کے حوالے سے مانتے رہے ہوں گے۔ یہ ضعیف تب استکبار کرنے والوں سے کہیں گے، کہ ہم تمہاری وجہ سے خسارے میں مبتلا ہوئے۔ تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان والے ہوتے۔ خلافِ حق کرنے میں آج جو تعلق استکبار کرنے والوں اور ضعیف لوگوں میں نظر آتا ہے وہ قیامت کے دن دشمنی میں بدل جائے گا۔

حاصل : کافر قرآن کو بھی نہیں مانتے، قیامت کو بھی نہیں مانتے۔ قیامت کے دن ضعیف لوگ، استکبار کرنے والوں کو اپنے کفر کا سبب قرار دیں گے۔ حق کا انکار کسی جبر کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

استکبار کرنے والے ان سے جو ضعیف سمجھے جاتے تھے کہیں گے، کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا بعد اس کے کہ وہ تمہارے پاس آئی، بلکہ تم تھے ہی مجرم۔

ضعیف لوگوں کے جواب میں استکبار کرنے والے یہ کہیں گے، تمہارا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ تم ہماری وجہ سے کفر کے مرتکب ہوئے ہو۔ ہدایت تمہارے پاس آئی تھی۔ تم نے اس کو سنا اور اس کا انکار کیا۔ تمہیں ہادی سے محبت ہوتی تو تم ہدایت پالیتے۔ ہم تم کو ہدایت سے کیسے روک سکتے تھے۔ تم نے حق کو سنا اور کیا وہ جو تمہیں پسند تھا، وہ نہیں کیا جو اللہ کو پسند تھا۔ یہی جرم ہے جس کے تم مرتکب ہوئے اور یہی تمہارے کفر کا سبب ہے۔

حاصل: حال پر استکبار کرنے والے اپنے ضعیف پیروکاروں سے حسبِ ضرورت تعلق رکھتے ہیں۔ آخرت میں وہ کسی کے جرم کا بوجھ اپنے سر پر لینے سے انکار کریں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جو لوگ ضعیف سمجھے جاتے تھے وہ استکبار کرنے والوں سے کہیں گے، بلکہ رات دن کا داؤ تھا جب تم ہمیں امر دیتے تھے کہ اللہ کا انکار کریں اور اس کے لئے برابر والے ٹھہرائیں، اور اندر سے نادم ہوں گے جب عذاب کو دیکھیں گے۔ اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے۔ وہ کیا جزا پائیں گے مگر وہی جو عمل وہ کرتے تھے۔

استکبار کرنے والوں کا دبے ہوئے لوگوں سے یہ کہنا کہ ہم نے تمہیں ہدایت سے روک نہیں دیا تھا، تم خود مجرم تھے، تم نے جو راستہ اختیار کیا اپنے شعور کے ساتھ کیا، دبے ہوئے لوگوں کے لئے بہت تکلیف دہ ہوگا۔ وہ اس کے جواب میں کہیں گے۔ رات دن تم لوگ ہمیں یہی امر دیتے تھے، کہ اللہ کا انکار کریں، اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں۔ عذاب کو سامنے پاکر ان کے اندر سے ندامت کا احساس ابھرے گا۔ کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے۔ جو گردنیں اللہ کے حضور جھکتی نہیں

تھیں، ان گردنوں میں طوق ہوں گے۔ جزا تو لوگوں کو ان کے اعمال کی ہی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کسی پر ظلم ہوا ہے نہ کسی پر ظلم ہو گا۔

حاصل : دبے ہوئے لوگ خسارے کو دیکھ لیں تو استکبار کرنے والوں سے وہ سب کچھ کہہ دیتے ہیں، جو کہنا انہیں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عذاب سامنے ہو گا تو پھر اندر سے ندامت کا احساس ابھرے گا۔ کافروں کی گردنوں میں طوق ان کے اعمال کی بدولت ہی ہوں گے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَآ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

اور ہم نے جب بھی کسی قریئے میں ڈر سنانے والے کو بھیجا، وہاں کے آسودہ لوگوں نے یہی کہا، جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

آسودگی کو اللہ کی عطا نہ جاننے والے، ناشکرے ہوتے ہیں۔ ناشکرے لوگوں کو اپنا امتیاز وسعتِ مال کی صورت میں نظر آتا ہے اور وہ مال کو حق کے مطابق خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ جب بھی کسی قریئے میں اللہ نے ڈر سنانے والوں کو بھیجا تو آسودہ لوگوں نے ان کی تعلیمات کو ماننے سے انکار کیا۔ دوسرے لوگوں نے حق کو ماننے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ کم مایہ ہونے کی وجہ سے مال کو حق کے مطابق استعمال کرنا انہیں مشکل نہیں لگا۔

حاصل : آسودگی کو اللہ کا فضل نہ مانا جائے تو یہ ناشکری کا سبب بنتی ہے، اور باعثِ عذاب ہو جاتی ہے۔ مال کو حق کے مطابق استعمال کرنا آسودہ لوگوں کو قبول نہیں ہوتا اسی لئے وہ ہمیشہ ڈر سنانے والوں کا انکار کرتے رہے ہیں۔

وَقَالُوۡا نَحۡنُ اَكۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ۙ وَّمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ ﴿۳۵﴾

اور کہنے لگے ہمیں اموال و اولاد میں کثرت ہے اور ہمیں عذاب نہیں ہو گا۔

آسودہ لوگ ڈر سنانے والوں کو یہ جواب دیتے رہے ہیں، کہ ہمارا مال دیکھ لو۔ اموال و اولاد کی کثرت ہمارے مرتبے کو ثابت کرتی ہے۔ حال اچھا ہے تو مستقبل کے اچھا نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے عذاب کا ڈراوا درست نہیں لگتا۔

حاصل : اموال و اولاد کی کثرت کسی کی پاکیزگی کا ثبوت نہیں ہوتی اور فلاح پاکیزگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ جسے جو دیا گیا ہے، اسی کی اس سے پوچھ بھی ہو گی۔

قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ

فرما دیجئے۔ میرا رب رزق کو کشادہ کرتا

وَيَقْدِرُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾

ہے جس کے لئے چاہے اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہے اور اکثر لوگ لاعلم ہیں۔

آسودہ لوگوں کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ رزق میں کشادگی ہو یا تنگی، ربّ کی طرف سے ہوتی ہے، اور اس کی مشیئت کے تحت ہوتی ہے۔ سب لوگوں کو ایک ہی کیفیت سے واسطہ ہو تو معاشرے میں لین دین نہ رہے، اور یوں معاشرت بے حقیقت ہو جائے۔ جن کو رزق میں کشادگی دی گئی ہے وہ اگر تنگی والوں کے ساتھ حق کے مطابق معاملہ کریں اور ان کا شکریہ بھی ادا کریں کہ قبول کرنے والوں کی بدولت اللہ کی عطا صحیح مقام پر استعمال ہو گئی ہے، تو اس سے نور بڑھے گا۔ تنگی والے یہ دیکھیں کہ جن حالات سے اللہ تعالیٰ گزار رہا ہے، ان حالات سے گزار کر کوئی علم عطا کرنا مقصود ہے، اس لئے صبر سے رہنا حق ہے، تو تنگی کا بوجھ بہت کم ہو جاتا ہے۔ رخ درست ہو تو لاعلمی دور ہوتی ہے، اور کشادگی اور تنگی کو حق کے حوالے سے دیکھنے کی بجائے جب اور حوالوں سے دیکھا جائے گا تو اندھیرا بڑھے گا، لاعلمی بڑھے گی۔

حاصل : بسط کا شکریہ یہ ہے کہ اللہ کی عطا کو حق کے مطابق تنگی والوں پر خرچ کیا جائے۔ قبض کی کیفیت میں درست رویہ یہ ہے کہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والے علم پر نظر ہو۔ بھلائی ربّ العالمین کے علم سے ہی ہو سکتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے رزق کو کشادہ کر دیتا، تو ضرور زمین میں بغاوت کرتے۔

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ﴿٣٧﴾

اور تمہارے اموال و اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے نزدیک مقرب بنا دیں البتہ جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے تو ان کے لئے ان کے کیے کی جزا بہت بڑھ کر ہو گی اور وہ بالا خانوں میں چین سے ہوں گے۔

اموال و اولاد کی کثرت راہِ حق پر ہونے کی علامت نہیں ہے۔ اموال و اولاد سے کوئی بارگاہِ الٰہی میں مقرب نہیں بن سکتا۔ یہ حیاتِ دنیا کی زینت ہے اور یہ دیکھنے کے لئے ہے، کہ کون اس کو حق کے مطابق استعمال کرتا ہے اور کون حق کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اپنے دعویٰ ایمان کو صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت کرتے ہیں، ان

کے لئے ان کے کیے کی جزا بہت بڑھ کر ہوگی۔ اللہ چاہے تو سات سو گنا سے بھی بڑھ کر ہوگی۔ حال پر ان لوگوں کی بلندئ کردار صرف انہی کو نظر آتی ہے جن کا رخ درست ہو، آخرت میں ان کا بلند مقام پر ہونا سب کو نظر آئے گا۔

حاصل : اموال و اولاد کو قربِ الٰہی کی سند کہنا درست نہیں ہوتا۔ ایمان اور صالح اعمال صداقت کا ثبوت ہوتا ہے۔ جو لوگ اموال و اولاد کو حق کے مطابق تصرف میں لائیں انہیں بڑے اجر سے نوازا جاتا ہے۔ ان کے کردار کی بلندی کو حال پر بھی دیکھنا چاہئے۔ آخرت میں تو بلند مقام پر ہوں گے ہی۔

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور جو لوگ ہماری آیات میں عاجز کرنے کی سعی کرتے ہیں، انہیں عذاب میں پکڑا جائے گا۔

اموال و اولاد کو اللہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے استعمال کرنے والے، اللہ کی نشانیوں کو عاجز کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ان کو بھی وہ سب کچھ دیا جاتا ہے جو اتمام حجت کے لئے اللہ کے ہاں ضروری ہوتا ہے۔ پھر یہ عذاب میں پکڑ لئے جاتے ہیں اور بحیثیت مجرم، اللہ کے حضور حاضر کیے جاتے ہیں۔

حاصل : مقام کوئی ہو طبعی طور پر اپنے رخ کو درست رکھنا حق ہے۔ اللہ سے مقابلہ کرنے کا انجام عذابِ الٰہی میں پکڑے جانا ہی ہوتا ہے۔ قادرِ مطلق کے سامنے اپنی حیثیت کو نہ دیکھنا بڑی جہالت ہے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

فرما دیجئے بے شک میرا رب اپنے بندوں کے رزق میں بسط فرماتا ہے جس کے لئے چاہے اور کم کرتا ہے جس کے لئے چاہے، اور جو تم خرچ کرو اس کی جگہ اور دے گا اور خیر الرازقین وہی ہے۔

حق کے ماننے والوں پر واضح فرمایا گیا ہے، کہ اپنے بندوں کے رزق میں کشادگی کرنا یا کمی کرنا رب العالمین کی مشیت ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے، اپنے علم سے کرتا ہے اور اس کے کرنے میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ جو کچھ بھی حق کے حوالے سے خرچ کیا جائے، اس میں اللہ کی رضا مقصود ہوگی، خرچ کرنے کی طریقت اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوگی اور

نتائج کو باذن اللہ مانا جائے گا۔ ایسی صورت میں اللہ کا وعدہ ہے کہ جو کچھ بھی خرچ کیا جائے گا اس کے بدلے بہت ملے گا۔ رزق دینے والوں میں سب سے بڑی شان والے کے لئے خرچ کیا جائے تو وہ اپنی شان کے حوالے سے نوازے گا۔

حاصل : رزق میں کشادگی یا کمی اللہ کی مشیّت سے ہوتی ہے۔ جہاں اللہ کی رضا کے مطابق خرچ کیا جائے گا، عطاء الٰہی جاری رہے گی۔ خیر الرّازقین کی عطا علمِ مطلق سے ہوتی ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾

اور جس دن ان سب کو اکٹھا کرے گا، پھر ملائکہ سے فرمائے گا، کیا یہ لوگ تمہاری بندگی کرتے تھے۔

مشرکین فرشتوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ فرشتے حال پر اپنی پوجا کرنے والوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، آخرت میں اپنی پوجا کرنے والوں کی شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پوجا کرنے والوں کے سامنے ملائکہ سے پوچھے گا۔ کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کرتے تھے۔ معبود کی شان یہ ہے کہ وہ ایک ہے اور اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہو سکتا۔

حاصل : مشرکین ہمیشہ بے سند بات کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ محض گمان پر مبنی ہوتا ہے۔ معبود کی شان یہ ہے کہ وہ ایک ہے، توفیق بھی وہی دیتا ہے، پوچھتا بھی ہے۔ جس سے پوچھ ہوگی وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

قَالُوا۟ سُبْحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ٱلْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾

وہ عرض کریں گے کہ تُو پاک ہے، ان کے مقابل تُو ہمارا کارساز ہے۔ بلکہ یہ جنّوں کی بندگی کرتے تھے۔ وہ اکثر انہی پر ایمان رکھتے تھے۔

فرشتے اللہ کے حضور یہ عرض کریں گے۔ اے ہمارے ربّ تو پاک ہے، تو ہی معبود ہے، ہمارا ان سے کیا تعلق۔ ہمارا تو تو ہی کارساز ہے۔ یہ مشرک لوگ تو جنّوں کی بندگی کرتے تھے، اور ان کی اکثریت انہی پر ایمان رکھتی تھی۔

حاصل : اللہ کی پاکی بیان کرتے رہنا فرشتوں کا حال ہوتا ہے۔ اللہ کو کارساز ماننا قربِ الٰہی کا ثبوت ہے۔ مشرک اپنی خواہشات کی پیروی کے لئے جنّوں کا کہا مانتے ہیں۔

فَٱلْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا

تو آج تم ایک دوسرے کے نفع و ضرر کے

وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

مالک نہیں۔ اور ہم ظالموں سے فرمائیں گے، چکھو اس آگ کا عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

یوم الدین کا مالک رب العالمین ہے۔ وہی سب کو جزا دینے والا ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اس دن حقائق کا انکار کرنا ممکن نہ ہوگا۔ ظالموں سے فرمایا جائے گا، تم جہنّم کی آگ کو جھٹلایا کرتے تھے، اور جس انجام سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا، اس انجام کو تم ناممکن قرار دیتے تھے، آج وہ انجام تمہارے سامنے ہے، تو چکھو اس عذاب کو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

حاصل : یوم الدین کا مالک اللہ ہے۔ وہی ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دے گا۔ خلاف حق کرنے والے جس عذاب کو ناممکن قرار دیتے ہوئے ڈر سنانے والے کا انکار کرتے ہیں، اس عذاب کو سامنے پا کر وہ ڈر سنانے والوں کی صداقت کو مان لیں گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾

اور جب ان پر ہماری روشن آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو کہتے ہیں، کچھ نہیں یہ تو محض ایک شخص ہے جو تمہیں ان سے جن کی تمہارے آباء بندگی کرتے رہے روک دینا چاہتا ہے، اور کہتے ہیں یہ تو افتریٰ ہے جوڑا ہوا۔ اور ان کافروں نے حق کے متعلق جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا یہ کہا یہ تو صریحاً جادو ہی ہے۔

حق اللہ کا فرمان ہے اور امرِ الٰہی کے حوالے سے لوگوں تک پہنچایا گیا ہے۔ طلبِ ہدایت رکھنے والے اس سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں، کافر حق کو سن کر اپنے پیرو کاروں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ صاحب جو تمہیں ایک راہ دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں، یہ یقیناً تمہیں تمہارے آباء کے راستے سے روکنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی باتیں اثر تو رکھتی ہیں مگر ہیں محض افتریٰ۔ کافروں نے حق کو سن کر اس کے بارے میں یہ کہا کہ یہ تو محض جادو ہے۔ اس کا اثر اگر ہو رہا ہے تو جادو بھی محیر العقول کرشمے دکھا دیتا ہے۔

حاصل : حق کو اپنے گمان کے حوالے سے دیکھنے والے کبھی صحیح نتائج پر نہیں پہنچ سکتے۔ اپنے آباء کی بات کو تبھی سند ماننا چاہیے جب وہ ہدایت یافتہ ہوں۔ افترٰی کے ساتھ کبھی سند نہیں ہوتی، اور حق ہمیشہ سند کے ساتھ ہوتا ہے۔ حق کو جادو کہہ کر اس سے اعراض کرنا کافروں کا طریقِ زندگی ہے۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝٤٤

اور ہم نے انہیں کوئی کتب نہیں عطا فرمائیں جن کو وہ پڑھتے ہوں، اور نہ آپ سے قبل ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا بھیجا گیا۔

امی وہ لوگ ہیں، جو اہلِ کتاب میں شمار نہیں ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ماننے والے یہ لوگ اس حال پر حکمِ الٰہی کو بھی سامنے نہیں پاتے تھے، اور وہ نمونہ بھی ان کے سامنے نہیں تھا، جس کی پیروی میں فلاح کا یقین ہو۔ انہیں کتابِ الٰہی اور ڈر سنانے والا، یقیناً مطلوب تھے۔ اس طرح قرآنِ پاک کے نزول کے بعد انہیں کتابِ الٰہی کی قدر کرنی چاہیے تھی اور کسی بھی مقام پر آخری سند قرآنِ پاک کو ہی ماننا چاہیے تھا۔ انہیں ناصح سے محبت رکھنی چاہیے تھی، کہ اس سے بڑا ان کا کوئی بہی خواہ نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ لوگ شکر گزاری کی بجائے ناشکری کے رخ کو اختیار کر رہے ہیں۔

حاصل : حال پر کتاب اللہ کو ماننا اور اللہ کے محبوب کے حوالے سے ماننا بھلے لوگوں کا طریقِ زندگی ہونا چاہیے۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝٤٥

اور ان سے قبل والوں نے بھی تکذیب کی، اور یہ تو ان کے دسویں کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا، تو انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی، تو کیسا رہا میرا انکار کرنا۔

حال پر جو لوگ حق کا انکار کر رہے ہوں، انہیں ماضی میں حق کا انکار کرنے والوں کے انجام کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ جسمانی قوت، مال و منال اور دیگر آسائشیں جو ماضی میں ہلاک کیے گئے لوگوں کو حاصل تھیں وہ حال پر موجود لوگوں کے مقابل بہت زیادہ تھیں۔ وہ خلافِ حق کر کے جس انجام کو پہنچے، اس انجام کو پہنچنے میں حال پر خلافِ حق کرنے والوں کو اتنا وقت نہیں

لگے گا۔ اللہ کے رسولوں کا انکار ہی اللہ کا انکار ہوتا رہا ہے۔ اور اللہ کے انکار کا انجام خسارے کے علاوہ کچھ ہوا ہی نہیں۔

حاصل : حق کی تکذیب کا انجام ہلاکت و بربادی ہی ہو سکتا ہے۔ بڑی توفیق والے حق کے انکار کی وجہ سے جس انجام کو پہنچ چکے ہیں اس انجام تک پہنچنے میں تھوڑی توفیق والوں کو دیر نہیں لگے گی۔ حق کا انکار ہمیشہ باعثِ عذاب الٰہی ہوتا ہے۔ ماضی سے سبق سیکھنا عقل مندی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (35) میں فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝

اے لوگو بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، تو تمہیں حیاتِ دنیا دھوکہ نہ دے، اور نہ تمہیں اللہ سے دھوکہ دے وہ بڑا فریبی۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝۴۶

فرمایئے۔ میں تمہیں ایک وعظ کرتا ہوں، کہ اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ، دو، دو اور ایک، ایک پھر تفکّر کرو، کہ تمہارے صاحب کو کچھ جنون نہیں، یہ تو تمہیں آنے والے شدید عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔

وعظ وہ ارشاد ہے، جو صاحبِ حال کی زبان سے ہو، سامعین کی فلاح کے لئے ہو اور اس میں دعوتِ فکر موجود ہو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ الٰہی سے وعظ فرمایا، کہ لوگو تم عرفانِ حق کے لئے ایک طریقہ اختیار کرو، اس میں تمہاری بھلائی ہے۔ موجودہ روش کو چھوڑ دو، مجمع اور بھیڑ بھاڑ میں تفکّر ممکن نہیں ہوتا، اس لئے دو، دو اور ایک، ایک کر کے غور کرو۔ دو، دو میں تفکّر کرنے کی صورت یہ ہو گی، کہ صحیح نتیجے پر پہنچنے کی نیت کے ساتھ موزوں سوال کیے جائیں گے، اور ان کے جواب سنے جائیں گے۔ مثلاً انبیاءِ سابقین کی تعلیمات ایسی ہی تھیں یا ایسی نہ تھیں۔ جواب یہ ہو گا، ایسی ہی تھیں۔ بیان کرنے کا طریقہ ایسا ہی تھا یا ایسا نہیں تھا۔ جواب یہ ہو گا، ایسا ہی تھا۔ عام لوگوں نے ان کے وعظ کو سن کر کیا جواب دیا۔ جواب یہ ہو گا، عام لوگ ان کے وعظ کو سن کر یہی کہتے رہے، آپ جادوگر ہیں یا آپ مجنون ہیں۔ لوگوں نے آپ کو یا انبیاء سابقین کو مجنون کیوں کہا۔ جواب یہ ہو گا، کہ اپنی خواہش کے دائرے سے باہر ہو کر جو لوگوں کی بھلائی کرتا ہو، خواہش کی پیروی کرنے والے اس کو عقل مند نہیں مانتے۔ اللہ نے جس کو شاہد بنا کر بھیجا ہو، وہ بھلائی کا رخ اختیار کرنے والوں کو ان کے بھلے انجام کی بشارت دیتا ہے، اور خلافِ حق کرنے والوں کو اس کے بُرے انجام سے آگاہ کرتا ہے، تاکہ حال پر ملی ہوئی مہلت میں اتمامِ حجت ہو جائے۔ دو، دو غور و فکر کر چکیں تو پھر اکیلے ان نتائج کو دیکھنا چاہیے جو پہلے اخذ کیے جا چکے ہوں، یقیناً اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔

حاصل : وعظ صاحبِ حال کی زبان سے ہو، سامعین کی بھلائی کے لئے ہو اور دعوتِ فکر پر مشتمل

ہو، تو اس سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ تفکر بھیڑ میں نہیں ہو سکتا۔ دو، دو میں پہلے ہونا چاہئے، پھر اکیلے میں ہونا چاہئے۔ اللہ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ وہ صحیح نتیجے پر پہنچنے میں مدد دے۔ مت دینے والے کے بلند مرتبے کا علم ہو جائے تو پھر اس کا ساتھ رکھنا، فلاح چاہنے والے کی ضرورت ہو جاتی ہے۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾

فرما دیجئے اگر میں نے تم سے کسی اجر کا سوال کیا ہو تو وہ تمہارے لئے ہی ہے، میرا اجر تو اللہ پر ہے اور ہر شے اس کے سامنے ہے۔

راہِ حق کو اس قدر روشن کرنا کہ ظلمات سے نور کی طرف چلنے میں لوگوں کو آسانی حاصل ہو اتنی بڑی خدمت ہے کہ اس سے بڑی کوئی خدمت ہو ہی نہیں سکتی۔ اس خدمت کا اجر تو اللہ ہی دے سکتا ہے، لوگوں سے کسی اجر کی طلب انبیاء کرام کو کبھی نہیں ہوئی۔ کوئی اگر اپنے رب کی راہ کو اختیار کرتا ہے تو راہِ حق کو روشن کرنے والے کو اس سے خوشی بہت ہوتی ہے۔ حرص جو ہوتی ہے اس ذاتِ بابرکات کو کہ لوگ فلاح پائیں۔ قربیٰ سے مودت میں بھی لوگوں کا بھلا ہے۔ لوگ فرمانِ الٰہی کو ماننے کے دعوے میں تبھی سچے ثابت ہوں گے جب عملاً حضور کے قربیٰ سے محبت رکھیں گے اور ان کی صفات کو اپنائیں گے۔ اس میں انہی کا بھلا ہے۔ تبلیغ حق کا اجر اللہ ہی دے سکتا ہے کہ وہ ہر حال کو جانتا ہے ہر شے کو دیکھتا ہے۔

حاصل : تبلیغ حق ذاتی غرض و غایت سے ہمیشہ بلند ہوتی ہے۔ جو کچھ لوگوں کو بتایا جاتا ہے اس میں ان کی بھلائی ملحوظ ہوتی ہے۔ تبلیغ حق کا اجر اللہ ہی دے سکتا ہے، کہ وہ ہر حال کا جاننے والا ہے، ہر شے کو دیکھنے والا ہے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾

فرما دیجئے میرا رب حق کو (باطل پر) پھینک مارے گا، وہ غیوب کا سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔

اتمام حجت اللہ کی شان ہے۔ وہ کبھی لوگوں کو ہلاک کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اتمام حجت کے حوالے سے انہیں جو کچھ دینا ہوتا ہے ضرور دیتا ہے۔ پھر جب اس کی مشیت یہ ہوتی ہے کہ باطل کو مٹا دیا جائے تو وہ حق کو باطل پر پھینک کر مارتا ہے، جبھی وہ اس کا بھیجہ نکال کر رکھ دیتا ہے۔ جبھی باطل مٹ جاتا ہے اسے مٹنا ہی ہوتا ہے۔ غیب کی باتوں کا سب سے بڑا علم رکھنے والا خوب جانتا ہے کہ منکرین حق کو کس قدر مہلت دینی ہے اور کب حق کو باطل پر پھینک کر مارنا ہے۔

حاصل : منکرینِ حق کے لئے اتمامِ حجت اللہ کی سنت ہے۔ باطل کے بہت پھیل جانے پر کچھ نیک

لوگ یہ کہتے ہیں. کب آئے گی اللہ کی مدد۔ اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ باطل کو مٹا کر رکھ دینا اس کے لئے کبھی مشکل نہیں ہوا. مگر اللہ کا کام اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾

فرما دیجئے حق آگیا۔ اور باطل نہ آغاز کرتا ہے. نہ اعادہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ خالق کل ہے۔ اس نے ہر شے کو ایک مقصد کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ اللہ کے علم کی شان ہے۔ اس کائنات کے آغاز میں باطل کا کوئی مقام نہیں ہے۔ جب آغاز میں باطل کا کوئی مقام نہیں ہے تو اعادے اور آخرت میں باطل کا مقام کیسے ہو سکتا ہے۔ باطل پر ایمان لانے والوں کو اپنے انجام پر نظر رکھنی چاہئے۔

حاصل : حق کے مقابل باطل کبھی ٹک نہیں سکتا۔ نہ آغاز سے باطل کا کوئی تعلق ہے نہ انتہا سے اس کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَآ أَضِلُّ عَلٰى نَفْسِىْ ۚ وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِىٓ إِلَىَّ رَبِّىْ ۚ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾

فرما دیجئے میں اگر بھٹکا ہوا ہوں تو میرا بھٹکنا مجھ ہی پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی بدولت جو میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے۔ بے شک وہ سننے والا ہے، قریب ہے۔

منکرینِ حق سے بات کو پورا کرنے کی طریقت بیان فرمائی گئی ہے. کہ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ تمہارا راستہ مجھ سے الگ ہے۔ تمہیں اس بات پر اصرار ہے کہ تم صحیح راہ پر ہو. اگر ایسا ہے تو پھر میں اس صحیح راہ پر نہیں ہوں۔ ایسی صورت میں میرا حال بھی خلافِ حق ہے، میرا مستقبل بھی وہی ہو گا جو خلافِ حق کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ دوسرے امکان کو بھی دیکھ لیا جائے، کہ میں ہدایت پر ہوں۔ اگر ایسا ہے تو میں اس وحی کی بدولت اس راہ پر ہوں جو وحی میری طرف میرا رب بھیجتا ہے۔ میں اپنی خواہش کے تحت بولتا بھی نہیں ہوں، عمل بھی نہیں کرتا۔ بے شک میرا رب سننے والا بھی ہے قریب بھی ہے۔ حال کوئی ہو میرا رب میری مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ جس کا حکم میں مان رہا ہوں، وہی احکم الحاکمین ہے۔ اس لئے میں حال پر بھی مطمئن ہوں. آخرت میں بھی مجھے اطمینان ہو گا۔

حاصل : منکرینِ حق سے بات کرنے کا طریقہ وہی ہونا چاہئے. جس کی تعلیم دی گئی ہے۔ منکرینِ حق کو صحیح نتیجے پر پہنچنے میں مدد دینا بہت بڑا کام ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝۵۱

اور کبھی تم دیکھو جب وہ گھبرائیں گے، پھر کہیں بچ کر نہ جا سکیں گے اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔

منکرینِ حق آخرت کے انکار میں بہت زور لگاتے ہیں۔ اور جب اس کو سامنے پائیں گے تو گھبرائیں گے۔ جس کے وقوع کو ناممکن کہتے ہوئے وہ من مانی کرتے رہے ہوں گے، اس کا سامنا کرنا بہت تکلیف دہ ہو گا۔ پھر وہ بچ کر کہیں نہ جا سکیں گے، اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔ ان کے پکڑنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے گھبراہٹ کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ جب انجام سامنے آتا ہے تو اس سے بھاگ جانا ممکن نہیں ہوتا، اور پکڑے جانے میں دیر بھی نہیں لگتی۔

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝۵۲

اور وہ کہیں گے، ہم اس پر ایمان لائے۔ اور اب کہاں اتنی دور سے ان کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اعتراف، آپ کی امانت کا اعتراف آپ پر ایمان لانے کے لئے ضروری ہے۔ آخرت میں آپ کی صداقت کو، آپ کی امانت کو ماننا ہی پڑے گا۔ آپ کا انکار ممکن ہی نہ ہو گا۔ مگر یہ ماننا نفع نہ دے گا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ممکن نہ ہو گا، اور آپ پر ایمان لانے کا ثبوت آپ کے اتباع سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ ماضی کب ان کے لئے پلٹ کر آ سکتا ہے، اور کہاں اتنی دور سے اب یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا تعلق بنا سکتے ہیں۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے اندر ہی یہ ممکن تھا۔

حاصل : آخرت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و امانت کا اعتراف مشکل نہ ہو گا، مگر اس اعتراف کے ساتھ عملاً اپنے آپ کو مقامِ اتباع پر رکھنا ممکن نہ ہو گا۔ حال پر ملی ہوئی مہلت سے استفادہ کرنا فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔

وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝۵۳

اور اس سے قبل تو اس کا انکار کرتے رہے، اور بن دیکھے دور سے نشانے پر پھینکتے رہے۔

قیامت کے دن، عذابِ الٰہی کو سامنے پا کر حق کو مان لینا کسی منکر کو نفع نہ دے گا۔ ایسے لوگوں سے یہ فرمایا جائے گا۔

اس سے پہلے تو تم اس کا انکار کرتے رہے، تم حق کا انکار کرتے ہوئے محض انکل کے تیر چلاتے رہے، تم نے کبھی سند کے ساتھ بات نہیں کی، تم نے کبھی حق کو پانے کی طلب نہیں رکھی، جس انجام سے تم کو ڈرایا جاتا تھا، تم اس کا انکار کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھتے تھے کہ تمہارے نہ ماننے سے وہ انجام ٹل نہیں جائے گا۔

حاصل : جب حق کا انکار ممکن نہ رہے اس وقت حق کو ماننا فائدہ نہیں دیتا۔ حق کا انکار کرنے والے ہمیشہ بے سند باتیں کرتے ہیں۔

وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِم مِّن قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ﴿٥٤﴾

اور رکاوٹ ہو گئی ان میں اور ان کی اشتہا میں، جیسے اس سے قبل ایسے گروہوں سے معاملہ ہوا۔ بے شک وہ اس سے دھوکا ڈالنے والے شک میں رہے۔

منکرین حق کو اس وقت بڑی طلب ہوگی کہ وہ بھی فلاح پانے والوں کے ساتھ ہوں۔ انہیں بھی اللہ کے رسول کی معیت نصیب ہو۔ مگر اس وقت ان کے اور ان کی طلب کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی اور یہ اپنی طلب کو پا نہیں سکیں گے۔ ان سے قبل حق کا انکار کرنے والے گروہوں سے بھی یہی معاملہ ہوتا رہا ہے۔ جب عذاب الٰہی کو دیکھ کر انہوں نے حق کو ماننے کا اعلان کیا تو ان کے ماننے کے اعلان کو کوئی وقعت نہیں دی گئی۔ من مانی کرنے والوں کو یہی شک رہا کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا نہیں دی جائے گی، اور اسی شک کی بنا پر وہ پاکیزگی کی طرف نہیں آئے۔

حاصل : اس سے بڑا تکلیف دہ منظر کوئی نہیں ہو سکتا کہ بندے کو فلاح کی بڑی طلب ہو اور بندے اور فلاح کے درمیان دیوار حائل ہو جائے۔ جزا کا انکار کرنے والے دھوکا ڈالنے والے شک میں پڑے رہتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر (59) میں ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

اے ایمان والو، اللہ پر تقویٰ کرو اور نظر کرو کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ پر تقویٰ کرو۔ بے شک اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے۔

سُورَةُ فَاطِرٍ

آیاتہا ۴۵ — رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

حمد اللہ ہی کی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا، جس نے ملائکہ کو پیغام پہنچانے والے ٹھہرایا، جن کے پر ہیں دو، دو اور تین تین اور چار چار۔ وہ خلق میں جو چاہے اضافہ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

آسمانوں اور زمین سے حضرتِ انسان فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ اس کائنات کے نظام کو چلانے والا علیم مطلق ہے۔ کس مقام پر اس کے پیغام کو کس طرح پہنچنا چاہئے اور امرالٰہی کی تعمیل کرنے والے فرشتوں کو توفیق کیا حاصل ہونی چاہئے، اللہ ہی جانتا ہے۔ کسی کو اس کی وسعت سے بڑا کام دینا اللہ کی شان نہیں ہے، اس لئے جن فرشتوں کو جو کام سپرد کیا گیا ہے، اسی حوالے سے ان کو توفیق بھی دی گئی ہے۔ اللہ کا کام بڑے علم سے ہوتا ہے، بڑی حکمت سے ہوتا ہے۔ خلق میں جو اضافہ اسے پسند ہو وہ کر دیتا ہے۔ اس کی قدرت کا دائرہ ہر شے پر محیط ہے، اس لئے اس ذات لاشریک کی حمد کو بیان کرتے رہنا اور مقصدِ تخلیق کے حوالے سے اپنا حق ادا کرتے رہنا بندگی ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کی تخلیق، نظامِ کائنات کی تشکیل، اللہ کے علم سے ہوئی ہے، اس کی قدرت سے ہوئی ہے۔ اللہ کی قدرت کو کسی دائرے میں لانے کی کوشش قطعاً جہالت ہے۔ حمد بیان کرنے والے کو اپنی حیثیت کو بھی دیکھنا چاہئے، اللہ کی قدرت کو بھی دیکھنا چاہئے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②

جو رحمت اللہ لوگوں کے لئے کھول دے تو اس کا کوئی روکنے والا نہیں، اور جس کو روک دے تو اس کے بعد اس کا کوئی بھیجنے والا نہیں۔ اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے۔

حمد والے لاشریک کی شان ہے، کہ وہ لوگوں کے لئے رحمت کو کھول دے تو کوئی اس رحمت کو روک نہیں سکتا. اور وہ رحمت کو روک دے تو کوئی اس کو کھول نہیں سکتا۔ ملائکہ کو معبود ٹھہرانے والے غور کریں کہ وہ تو نفع و ضرر کے مالک ہی نہیں. ان کا مقام تو امرِ الٰہی کی تعمیل ہے۔ عزت والا اور حکمت والا جانتا ہے ان سے کیا کام لینا ہے. وہی ان سے کام لیتا ہے۔

حاصل : رحمت کا لوگوں کے لئے کھولنا بھی اللہ کا کام ہے. جس کا کوئی شریک نہیں۔ رحمت کو روک دینا بھی اللہ کا کام ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ اللہ عزت والا، حکمت والا ہے۔ اس کو ماننے والے حق کی ادائیگی میں لگے رہتے ہیں، اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٣﴾

اے لوگو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے، جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم کہاں الٹے جاتے ہو۔

شانِ معبود پر غور کرنے کے لئے لوگوں کو یہ رخ دکھایا گیا ہے، کہ تمہارا اپنے مقام پر ہونا بھی تمہاری تجویز سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔ اللہ ہی خالقِ کل ہے۔ وہی آسمان سے رزق دیتا ہے وہی زمین سے رزق دیتا ہے۔ اس کے سوا کسی کو معبود ٹھہرانا قطعاً خلافِ حق ہے، اور اس کو معبود مان لینے سے یکسوئی کا حاصل ہونا بھی طبعی بات ہے۔ اگر یکسوئی حاصل نہیں تو پھر رخ سیدھا نہیں، الٹا ہے۔ اپنے اعمال کا نام جو بھی رکھ لیا جائے. حقیقت اس کی اللہ سے دوری ہی ہوگی۔

حاصل : ہمارا حال ہماری کسی تجویز سے تعلق نہیں رکھتا۔ اللہ کی نعمت کو یاد کرنا بندگی کا حصہ ہے۔ خالقِ کل ہی معبود ہے، وہ آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ جو سیدھے رخ کو قبول نہ کرے الٹے رخ سے بچ جانا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤﴾

اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ سے قبل رسل کی بھی تکذیب ہوئی، اور سب امور اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں۔

منکرینِ حق، اللہ کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے ہیں۔ جو کچھ اب ہو رہا ہے، وہی ماضی میں ہوتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے توفیق دی جاتی ہے، مہلت دی جاتی ہے، اتمامِ حجت کے لئے وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو اللہ کے نزدیک ضروری ہوتا ہے۔ پھر سارے امور اللہ کی طرف ہی لوٹتے ہیں، دوسرا کوئی راستہ تو ہے ہی نہیں۔ جو لوگ خلافِ حق کرتے رہتے ہیں، انھیں بھی لوٹنا تو اللہ ہی کی طرف ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو اللہ کی طرف لوٹتے وقت بڑی ندامت ہوگی۔

حاصل : تکذیبِ حق منکرین کا طریق زندگی ہے۔ ماضی میں بھی یہی ہوتا رہا ہے۔ منکرین حق کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوا۔ سب امور لوٹتے اللہ ہی کی طرف ہیں۔ جس کام میں مقصود اللہ کی رضا نہ ہو، اس کا انجام ندامت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

يَآيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝٥

اے لوگو بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، تو پھر ہرگز تمہیں حیاتِ دنیا دھوکا نہ دے، اور نہ اللہ کے بارے میں تمہیں وہ دغا باز دھوکا دے۔

لوگوں پر یہ روشن کیا گیا ہے کہ سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اور وہاں سب کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ یہ وعدہ ہے اللہ کا اور یہ یقیناً پورا ہوگا۔ حیات دنیا کی زینت کو مقصد حیات بنا لینے سے بندہ اس دھوکے میں پڑ جاتا ہے کہ یہی سب کچھ ہے، اور من مانی کرنے سے بڑی راحت اور کوئی نہیں ہے۔ اللہ کے بارے میں دھوکا دینا شیطان کا کام ہے، اس دھوکہ باز سے اپنی حفاظت کرنا فرض ہے۔ شیطان دھوکا یہ دیتا ہے کہ اللہ کا حکم مانو تو مانو اپنی خواہش کے حوالے سے، بندہ اس دھوکے میں پھنس جائے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

حاصل : ہمارے وعدے کو حق کے مطابق ہونا چاہئے۔ حیاتِ دنیا کی زینت کو کبھی مقصود نہیں ٹھہرانا چاہئے، اور شیطان دغا باز کے دھوکے سے بچنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ إِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝٦

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، تو تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو، وہ تو اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے کہ وہ دوزخیوں سے ہوں۔

شیطان نے انسان دشمنی کو اپنا مقصدِ حیات ٹھہرا لیا ہے، اور وہ کبھی انسان دشمنی میں کوتاہی نہیں کرتا۔ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ شیطان کو اپنا دشمن سمجھیں۔ شیطان لوگوں کو دعوت ہی اس لئے دیتا ہے کہ اس کے پیچھے آنے والے جہنم میں جائیں اور دائمی خسارے میں مبتلا ہوں۔ شیطان ہمیشہ انسان کو ترغیب یہی دیتا ہے کہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا چلا جا کہ یہی تیرا حق ہے، اور کبھی اپنی پسند کے مقابل کسی بات کو اہمیت نہ دے۔ جو اس دھوکے میں پڑ جائے، وہ دوزخ کی طرف چل پڑتا ہے۔

حاصل : شیطان ہمارا دشمن ہے، اسے دشمن نہ جاننا انتہائی غفلت کا ثبوت ہو گا۔ شیطان اپنے گروہ کو جہنم رسید کر کے راضی ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۬ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۷﴾

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے شدید عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور صالح اعمال کیے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

حزب الشیطان میں شامل ہونے والے کفر کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کے لئے شدید عذاب ہے۔ حق کو ماننے والے شیطان کو اپنا دشمن جانتے ہیں، صالح اعمال کے ساتھ اپنے ایمان کو سچا ثابت کرتے ہیں، ان کی کوتاہیوں کو بخش دیا جاتا ہے اور انہیں بڑے اجر سے نوازا جاتا ہے۔

حاصل : حق کا انکار بندے کو شدید عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حق کو ماننا دعویٰ ہے جو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ سچے کو مغفرت اور بڑے اجر سے نوازا جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم (14) میں ارشاد فرمایا ہے۔

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ یُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ۫ وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴿۲۷﴾

اللہ ایمان والوں کو قول ثابت سے ثبات دیتا ہے، حیات دنیا میں اور آخرت میں۔ اور اللہ ظالمین کو گمراہ کرتا ہے۔ اور اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖ٭ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾

تو کیا وہ جس کے لئے اس کے عمل کی برائی کو زینت دی گئی پھر وہ اسے بھلائی جانتا ہے۔ تو اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہے۔ تو آپ کا نفس ان پر حسرات میں نہ جائے۔ بے شک اللہ کو علم ہے جو وہ گھڑتے ہیں۔

جو شیطان کی پیروی کرتا ہے، وہ اپنی خواہش کو انتہائی اہمیت دیتا ہے۔ شیطان اس کے عمل کی برائی کو زینت دے کر اس کے سامنے رکھتا ہے، اور وہ اسے اپنی پسند کے حوالے سے خوبی جاننے لگتا ہے۔ اس کے اندر ایمان لانے کی استعداد ختم ہو جاتی ہے۔ وہ نور جو اس کو موجود اور مقصود کا فرق بتا سکتا ہے باقی نہیں رہتا۔ جو شیطان کو دشمن جاننے کی بجائے اسے اپنا ہی خواہ جانتا ہے، اسے اللہ گمراہ کر دیتا ہے۔ جو ناصحین سے محبت رکھتا ہے، اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔ جو لوگ طلب ہدایت نہ رکھتے ہوں

انہیں ہدایت نہیں ملتی۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائیں انہیں ہدایت ملتی ہے۔ اللہ کے پاک بندوں کی شان یہی ہے کہ وہ لوگوں کو خسارے کی طرف جاتے ہوئے دیکھیں تو انہیں بڑا دکھ ہوتا ہے۔ وہ یہی چاہتے ہیں کہ لوگ ان سے فیض پائیں، اور بخشش کی راہ کو اختیار کریں۔ مخلوقِ خدا کے ساتھ یہ تعلق، مخلوقِ خدا کی یہ پرواہ اللہ کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی حد کو روشن فرمایا گیا ہے کہ جو حق کو ماننے کے لئے دی گئی استعداد کو ہی ضائع کر چکا ہو، اس پر افسوس نہ کیجئے۔ اللہ کو ان لوگوں کی خلوت و جلوت کا علم ہے۔ جو باتیں یہ بناتے ہیں، جو کام یہ کرتے ہیں، سب اللہ کے سامنے ہیں۔ ان کو ان کے کیے کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

حاصل : جو اپنے عمل کی برائی کو بھلائی کہنے لگے وہ ہدایت نہیں پایا کرتا۔ جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جو طلبِ ہدایت نہ رکھتا ہو وہ پاک لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ہمارے کام کے بارے میں ہمیں یہ یقین ہونا چاہیے، کہ اللہ کو اس کا علم ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨

اور اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، تو وہ بادل اٹھا لاتی ہیں، پھر ہم انہیں ہانک کر مُردہ شہر کی طرف لے جاتے ہیں، پھر ہم اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ نشر بھی اسی طرح ہو گا۔

بعث بعد الموت کی وضاحت کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، کہ یہ حقیقت تمہارے مشاہدے میں آتی رہتی ہے، کہ اللہ ہواؤں کو بھیجتا ہے، وہ بادل اٹھا لاتی ہیں۔ اللہ کے حکم سے انہیں اس مقام پر لے جایا جاتا ہے، جہاں زمین کی قوت روئیدگی ختم ہو چکی ہوتی ہے اور زمین بالفعل مر چکی ہوتی ہے۔ وہاں بارش ہوتی ہے تو زمین اپنی موت کے بعد زندہ ہو جاتی ہے۔ اس کی قوت روئیدگی بحال ہو جاتی ہے۔ بعث بعد الموت بھی اسی طرح ہوگی۔ اللہ کی قدرت کو محدود جاننا قطعاً خلافِ حق ہے۔ پہلے بھی اسی نے پیدا کیا ہے، پھر بھی وہی پیدا کرے گا۔

حاصل : ہواؤں کا بھیجنا، بادل کا لانا، اسے مردہ زمین کی طرف لے جانا، اس کو وہاں برسانا، اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کرنا یہ سب اللہ کے کام ہیں۔ اسی طرح بعث بعد الموت بھی اللہ کا کام ہے، اور اللہ کے کام میں کسی کا دخل ہوتا ہی نہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ

جو عزت چاہے تو عزت سب اللہ کے لئے

اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡـكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَمۡكُرُوۡنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَمَكۡرُ اُولٰٓـئِكَ هُوَ يَبُوۡرُ ﴿۱۰﴾

ہے۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے طیّب کلام اور عمل صالح اسے رفعت دیتا ہے۔ اور جو لوگ بُرے مکر کرتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب ہے اور انہی کا مکر برباد ہو گا۔

عزّت وہ شان ہے، جو بندے کو اشیاء کا مطلوب بنا دیتی ہے۔ جسے عزّت کی طلب ہو وہ اللہ کا ساتھ اختیار کرے، اشیاء سب اس کی طالب ہو جائیں گی۔ حصول عزت کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ ایمان لائے، اس کی بات پاک ہو جائے گی اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہو جائے گی۔ صالح عمل سے اس کی تصدیق ہو گی تو پھر اسے رفعت ملے گی۔ جو لوگ حصول عزت کے لئے وہ راستے اختیار کرتے ہیں اور وہ طریقے اپناتے ہیں جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے تو وہ بُرے مکر کرتے ہیں، ان کے لئے شدید عذاب ہے۔ ان لوگوں کا مکر انہی کی بربادی کا باعث بنے گا۔ عزّت انہیں کبھی حاصل نہ ہو گی۔ ذلّت کی راہ اختیار کرنے والوں کو عزت حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : عزّت وہ شان ہے، کہ اشیاء بندے کی طالب ہو جاتی ہیں۔ پاک لوگوں سے میل جول ہو تو بات پاک ہو جاتی ہے۔ ان سے محبت ہو تو اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ یہ قربِ الٰہی کی طریقت ہے۔ خلافِ حق کرتے ہوئے حصول عزّت کی کوشش کی جائے تو اس بُرے مکر سے شدید عذاب اور بربادی ہی حاصل ہوا کرتی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمۡ اَزۡوَاجًا ؕ وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۱۱﴾

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے خلق فرمایا، پھر نطفے سے. پھر تمہارے جوڑے ٹھہرائے۔ اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وضع کرتی ہے مگر اس کے علم سے۔ اور جس معمر کو عمر دی جائے اور جس کی عمر کم رکھی جائے یہ سب ایک کتاب میں ہے۔ بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔

شرک سے بچنے کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق فرمایا ہے۔ اس

لئے تمہاری پیدائش ابتداءً مٹی سے ہوئی ہے۔ پھر بقاء نسل کی صورت بھی اللہ نے ٹھہرائی ہے کہ مرد و عورت کے جوڑے سے نسل بڑھتی ہے۔ مادہ کے حاملہ ہونے سے لے کر وضع حمل تک ضروریات جنین کا اہتمام کرنے والا بھی اللہ ہی ہے جو ربّ العالمین ہے۔ اسی ذات اقدس کا علم تمام مقامات پر جلوہ گر ہوتا ہے، کسی دوسرے کو ان مقامات اور ان کے حوالے سے لوازماتِ حیات کا علم ہی نہیں۔ پھر کوئی اللہ کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔ جس کو جو عمر دی گئی ہے وہ زیادہ ہے یا کم ہے، اللہ کے حکم سے ہے، اور یہ سب ایک کتاب میں ہے۔ اللہ خالقِ کل ہے، اس کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں ہے، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے مقابل یہ بڑا کام بھی نہیں ہے۔

حاصل : مٹی سے انسان کی تخلیق، پھر جوڑے سے بقاء نسل کی صورت، استقرارِ حمل سے لے کر وضع حمل تک کے مراحل میں جنین کی ربوبیت، عمر کا زیادہ ہونا یا کم ہونا، یہ سب اللہ کی شان ہے، اور اللہ کا کوئی شریک نہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور دونوں بحر مساوی نہیں ہیں، یہ میٹھا ہے خوش گوار پیاس بجھانے والا اور یہ کھارا ہے تلخ، اور تم دونوں سے کھاتے ہو تازہ گوشت اور گہنا نکالتے ہو جس کو پہنتے ہو، اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی ہیں، تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نظر کرنی چاہئے۔ میٹھے اور کھاری پانی کے درمیان ایسا پردہ حائل کیا گیا ہے، جو کھاری پر میٹھے کو غالب نہیں آنے دیتا، میٹھے پر کھاری کو غالب نہیں آنے دیتا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے بھی رہتے ہیں۔ ان سے حضرتِ انسان کو تازہ گوشت مچھلی وغیرہ کی صورت میں ملتا ہے، اور مروارید و مرجان وغیرہ پہناوے کے لئے ملتے ہیں۔ پانیوں کا یہ تضاد بھی تم دیکھتے ہو، اور یہ توافق بھی تم دیکھتے ہو تو یہ اللہ کی قدرت ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں پانی کی سطح پر تیرتی ہیں۔ یہ تمہارے سفر کا بندوبست ہے تاکہ تم اس سے اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا شکر ادا کر کے اظہارِ بندگی کرو۔ اللہ کا فضل تلاش کرنے والے کا معاملہ لینے کی صورت سے ہو یا دینے کی صورت سے ہو، ہوتا اللہ کی رضا کے حوالے سے ہے۔ اللہ کے فضل کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے تو شکر ادا ہوتا ہے۔

حاصل : میٹھا، خوش گوار پانی پیاس بجھاتا ہے، کھارا اور تلخ پانی اس کے مساوی نہیں ہوتا۔ پانیوں کے ملاپ سے بھی اللہ ہماری خوراک اور زینت کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ کشتیوں کا طبعی استعمال اللہ

کا فضل تلاش کرنا اور اللہ کا شکر کرنا ہے۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾

ملاتا ہے رات کو دن میں اور ملاتا ہے دن کو رات میں اور اس نے شمس و قمر کو مسخر کیا ہے کہ ہر ایک اجلِ مسمّٰی تک جاری ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب۔ بادشاہی اسی کی ہے، اور جنہیں تم اس کے مقابل پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔

رات اور دن کا جوڑا بنانے والے کی قدرت کو دیکھو، رات کو دن میں ملانا اور دن کو رات میں ملانا اللہ ہی کی قدرت ہے۔ رات اور دن کی اہمیت کائنات میں اتنی ہے کہ کسی ایک کے بغیر یہ نظام چل نہیں سکتا۔ شمس و قمر کا جوڑا بھی اللہ نے بنایا ہے۔ انہیں اس طرح خدمت پر لگایا گیا ہے، کہ ہر ایک اپنے اپنے کام میں اجل مسمّٰی تک لگا ہوا ہے اور لگا رہے گا۔ منشاء الٰہی سے سرمو انحراف ناقابل تصور ہے۔ یہ اللہ کی شان ہے، جو ہمارا رب ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل سب پر اسی کی بادشاہی ہے۔ وہی مالکِ کل ہے۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، جن کو اللہ کے مقابل معبود کی حیثیت سے پکارا جاتا ہے وہ تو کسی بھی شے کے مالک نہیں، کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔

حاصل : رات اور دن، شمس و قمر، یہ جوڑے اللہ کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ اللہ مالکِ کل ہے، اس کے ساتھ جن کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ کسی بھی شے کے مالک نہیں ہوتے۔

إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ ع

تم انہیں پکارو تو تمہاری پکار نہ سنیں گے۔ اور اگر سنیں بھی تو تمہاری فریاد رسی نہیں کر سکیں گے۔ اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔ اور خبیر کی مثل تمہیں کوئی بتا نہیں سکتا۔

اللہ کے مقابل جن کو معبود کی حیثیت سے پکارا جاتا ہے، ان کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ وہ اگر بت ہوں تو تمہاری پکار کو نہ سنیں گے، عبد اور معبود کا تعلق تو بعد کی بات ہے۔ اور اگر وہ شعور رکھتے ہوں تو اللہ کی دی ہوئی توفیق سے سن تو لیں گے مگر فریاد

رسی نہیں کر سکیں گے. کہ اللہ نے یہ مقام رکھا ہی نہیں۔ پھر فائدہ کیا ہوا انہیں پکارنے کا۔ اور قیامت کے دن وہ مشرکین سے کسی تعلق کو نہیں مانیں گے۔ مشرکین پر واضح ہو جائے گا کہ وہ اپنی خواہش کی پیروی میں ہی لگے رہے، جن کو انہوں نے معبود ٹھہرایا انہیں تو معبود ہونے کا دعویٰ ہی نہیں تھا۔ اللہ سب سے بڑا خبر رکھنے والا ہے۔ اسی کی شان ہے کہ وہ ماضی کے متعلق بھی بتاتا ہے، حال کے متعلق بھی بتاتا ہے، مستقبل کے متعلق بھی بتاتا ہے۔ یہ سب جاننا یقیناً انسان کی ضرورت ہے، مگر کون ہے جو اللہ کے مقابل اس ضرورت کو پورا کر سکے۔ دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع حق ہے، اور اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اپنی خواہش کے اتباع سے منع فرمایا گیا ہے۔ رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے اور اس کا حکم دیا گیا۔ اور اس کی اطاعت سے منع فرمایا گیا ہے جس کا قلب اللہ کے ذکر سے غافل ہے، جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور جس کا کام حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ مومن اور فاسق مساوی نہیں ہیں۔ مسلم اور مجرم مساوی نہیں ہیں۔ عباد مخلصین کو شیطان نہیں بہکا سکتا، دوسروں کو بہکا سکتا ہے، پھر وہ کیسے مساوی ہو سکتے ہیں۔

حاصل : عبد کی پکار کو سننا اور اپنے علم سے اس کی فریاد رسی کرنا معبودِ حقیقی کی شان ہے۔ مشرکین اپنی خواہشات کی پیروی میں ہی لگے رہتے ہیں کسی کو مانتے نہیں۔ معبود کی شان ہے کہ وہ خبیر ہے، جو کچھ اس نے بتایا ہے وہ کوئی اور بتا ہی نہیں سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں فرمایا ہے۔

إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَمَن تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾

تمہارا ڈر سنانا انہیں کام دیتا ہے جو اللہ سے بن دیکھے ڈرتے ہیں، اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ اور جو پاک ہوا اپنے ہی بھلے کو پاک ہوا۔ اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿١٥﴾

اے لوگو تم فقرآء ہو اللہ کے حضور، اور اللہ ہی غنی ہے اور حمد والا ہے۔

مخلوق ہمیشہ خالق کی محتاج ہوتی ہے۔ اللہ کے حضور لوگوں کا درجہ فقرآء کا ہے۔ ہر ہر مقام پر اللہ کے سامنے اپنی احتیاج کو دیکھنا ضروری ہے۔ اللہ غنی ہے، اس کی شان یہ ہے کہ اس نے بنایا سب کچھ ہے مگر کوئی شے اپنے لئے نہیں بنائی۔ اسے کسی شے کی احتیاج نہیں ہے۔ اور ہر شے اپنے اپنے دائرے میں اللہ کی حمد بیان کر رہی ہے اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے، منشاء ایزدی کے پورا کرنے میں پورے انہماک سے لگی ہوئی ہے۔

حاصل : ہم اللہ کے حضور فقرآء ہیں، ہم لینے والے ہیں۔ اپنی احتیاج کو کبھی بھولنا نہیں چاہئے۔ اللہ غنی ہے وہ کوئی احتیاج نہیں رکھتا، شان یہ ہے کہ وہ مالکِ کل ہے اور ہر شے عملاً اس کی تسبیح و تحمید میں لگی ہوئی ہے۔

إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٦﴾ وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی خلق لے آئے۔

علیمِ مطلق سب سے بڑا علم والا ہے۔ وہ جب اتمامِ حجت کر لیتا ہے تو پھر ناقابلِ اصلاح لوگوں کو مٹا دیتا ہے۔ ان کی جگہ دوسروں کو لے آتا ہے اور پھر دیکھتا ہے۔ کہ وہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو کیسے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے آلِ فرعون کی تباہی کے بعد اس نے بنی اسرائیل کو ان مقامات کا وارث بنا دیا جن پر آلِ فرعون اتراتے تھے۔ لوگوں کے ناقابلِ اصلاح ہونے پر مٹانے کا فیصلہ کرنا اور ان کی جگہ نئی خلق کو لانے کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔

حاصل : ہم اللہ کے حضور فقرآء ہیں۔ وہ ہمارے متعلق جو فیصلہ کرے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ وہ ہم پر عنایات کرے تو اس کی مہربانی ہے۔

وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾ اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔

قادرِ مطلق کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ وہ اتمامِ حجت کے بعد کسی قوم کے خاتمے کا فیصلہ کرے۔ اور اس کی جگہ کسی اور کو لے آئے، جو حق کو ماننے میں غافل نہ ہو۔ اس کی قدرت کا احاطہ تو ہر مقام پر ہے اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس لئے اللہ کو تبدیلی لاتے وقت کبھی مشکل پیش نہیں آئی نہ کبھی آسکتی ہے۔

حاصل : توفیق بھی اللہ دیتا ہے، مہلت بھی اللہ دیتا ہے۔ کسی کے ناقابلِ اصلاح ہونے کو بھی وہ جانتا ہے۔ اس کا فیصلہ ہمیشہ علم سے ہوتا ہے۔ اللہ جو عنوان رکھ دے اسی کا تصرف شروع ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۗ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَمَن تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور اگر کوئی بوجھ والا دوسرے کو اپنا بوجھ بٹانے کو پکارے، کوئی بھی اس میں سے نہ اٹھائے گا اگرچہ قریبی ہو۔ آپ تو انہیں ڈر سناتے ہیں، جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی پاک ہو گا اپنے ہی بھلے کو پاک ہو گا۔ اور اللہ ہی کی طرف

پھرنا ہے۔

اللہ تعالٰی نے یہ روشن فرمایا ہے کہ جزا کے دن خلافِ حق کرنے والے اپنے اپنے اعمال کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس دن کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ اور اگر کوئی کسی کو کسی نسبت کے حوالے سے بوجھ بٹانے کے لئے پکارے گا بھی تو کوئی اس کی مدد کو نہ آئے گا۔ اس انجام کو ملحوظ رکھتے ہوئے حال پر اپنے تعلقات کو درست کر لینا حق ہے، ورنہ خسارے سے بچنا ممکن نہ ہو گا۔ ڈر سنانا ان لوگوں کو فائدہ دیتا ہے، جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں۔ وہ جزا کا یقین رکھتے ہیں، اس لئے کبھی اصلاحِ حال سے غافل نہیں ہوتے۔ یہ لوگ نماز قائم رکھتے ہیں۔ نماز کا قائم رکھنا پاک ہونے کی نشانی ہے۔ جو پاک ہو گا وہ اپنے ہی بھلے کو پاک ہو گا، یہ اس کا کسی پر احسان نہ ہو گا۔ واپسی بہرحال سب کی اللہ تعالٰی کی طرف ہی ہوگی، اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کے حوالے سے پوچھ بھی ہوگی۔

حاصل : ہر ایک کو اپنا بوجھ اٹھانا ہے اس لئے دیکھنا چاہئے، میں کیا کر رہا ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ڈر سنانا ان لوگوں کو فائدہ دیتا ہے جو جزا کا یقین رکھتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ نماز کا قائم رکھنا پاک ہونے کی نشانی ہے، پاک ہونے والا اپنے ہی بھلے کو پاک ہوتا ہے۔ واپسی سے غفلت بڑے خسارے کا سبب ہوگی۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ اور اندھا اور بصارت والا مساوی نہیں ہوں گے۔

آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔ منکرینِ حق کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے۔ ان لوگوں کو طلب ہدایت ہوتی ہی نہیں، اس لئے یہ بے حقیقت لوگ معنوں کے لحاظ سے اندھے ہی ہوتے ہیں۔ بصارت والے لوگ وہ ہوتے ہیں، جو دیکھتے ہیں کہ ان کا مقصدِ حیات کیا ہے، انہیں کیا توفیق دی گئی ہے، اور کس حوالے سے وہ اللہ تعالٰی کے حضور جواب دہ ہوں گے۔ اندھے اور آنکھوں والے کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ حق کا انکار کرنے والے اور حق کو ماننے والے کبھی مساوی نہیں ہوتے۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والوں کے پاس اپنی پسند کے علاوہ کوئی حوالہ نہیں ہوتا۔ حق کو ماننے والوں کے سامنے وہ معیار ہوتا ہے، جو اللہ نے مقرر کیا ہوا ہے۔ اس لئے نہ ماننے والے اور ماننے والے کبھی مساوی نہیں ہوتے۔

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ اور نہ ظلمات و نور۔

اندھیرا اور روشنی بھی مساوی نہیں ہوتے۔ اندھیرے میں آنکھیں مطلوبہ رخ کا تعین نہیں کر سکتیں۔ اندھیرے میں

افراد کے مابین تعلق پر اثر انداز ہونا طاغوت کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لئے شیطان اپنے ساتھیوں کو نور سے ظلمات کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ جو لوگ حق کو مان لیتے ہیں وہ اصلاحِ حال کے لئے اللہ کے محبوب سے رشتۂ محبت استوار کر لیتے ہیں۔ انھیں اللہ ظلمات سے نور کی طرف لے آتا ہے۔ انہیں پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہئے۔

حاصل : یہ مان لیا جائے کہ ظلمات اور نور مساوی نہیں ہیں تو ہمارا رخ ہر مقام پر اپنی خواہش کی پیروی کے مقابل نورِ ہدایت کی طرف ہونا چاہئے۔

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾ اور نہ سایہ اور دھوپ۔

سایہ اور دھوپ بھی مساوی نہیں ہوتے۔ دھوپ کی تیزی کے اوقات میں سایہ بڑی رحمت ہوتا ہے۔ سیکھنے والے کو سکھانے والے کا سایہ نصیب ہو تو سیکھنا آسان ہوتا ہے. اور جب جسم اپنی سلامتی کی فکر میں ہو تو سیکھنے کی استعداد بھی ساکن ہو جاتی ہے۔

حاصل : سیکھنے والے کو آسانی اور آرام مہیا کرنا سکھانے کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جس کو ذاتی سلامتی کی فکر ہو وہ کب سیکھ سکتا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾

اور جیتے اور مُردے مساوی نہیں ہوں گے۔ بے شک اللہ جسے چاہے سناتا ہے۔ اور قبروں میں پڑوں کو سنانا آپ کا کام نہیں۔

فلاح کی طلب کے حوالے سے سعی کرنا زندگی ہے, اور فلاح سے غافل ہو جانا موت ہے۔ زندہ اور مردہ کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ باحقیقت زندہ ہے بے حقیقت مردہ ہے۔ جو طلبِ خیر رکھتا ہو, اللہ اسے سنا دیتا ہے۔ جو طالبِ ہدایت نہ ہو اسے ہدایت کیسے ہو سکتی ہے۔ جن کے لئے ان کی ذات کے علاوہ کوئی حوالہ ہی نہ ہو, وہ بے حقیقت ہوتے ہیں۔ اللہ ان کو سنانا نہیں چاہتا, اس لئے ان کو سنانا ممکن ہی نہیں رہتا, سعی جس قدر بھی کی جائے۔

حاصل : باحقیقت زندہ ہے۔ بے حقیقت مردہ ہے۔ زندہ اور مردہ مساوی نہیں ہوتے۔ جو طالبِ ہدایت ہو اسے اللہ ضرور سناتا ہے, جو طالبِ ہدایت نہ ہو اس کو سنانا ممکن ہی نہیں سعی جس قدر بھی کی جائے۔

إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيْرٌ ﴿٢٣﴾ آپ تو ڈر سنانے والے ہیں۔

جس ذات بابرکات کو یہ حرص تھی کہ لوگ فلاح پائیں۔ تبلیغ حق سے بڑا انہیں کوئی کام نہ تھا۔ اور اس کام میں انہوں نے کبھی ذاتی سہولت کو مدنظر نہیں رکھا، ہمیشہ فلاح پانے والوں کی بھلائی کو عزیز رکھا ہے۔ نتائج پر قدرت اللہ کی ہے اور اسی کی رہے گی۔ اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن عمل کی سند نازل فرمائی ہے۔ آپ کا کام بھی واضح فرما دیا گیا ہے، اور آپ کی طریقت کو بھی احسن مان لیا گیا ہے۔

حاصل : کام سپرد کرنے والا ہی حسن کارکردگی کی سند بھی دے تو اس سے بڑی شان اور کیا ہو سکتی ہے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾

بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، اور کوئی امت نہیں ہوئی جس میں نذیر نہ آیا ہو۔

اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر بھیجا۔ جو حق کو مان لیں اور آپ کے اتباع کے ساتھ اپنے ایمان کو سچا ثابت کریں، ان کے لئے فلاح دارین کی بشارت ہے۔ جو آپ کے انکار پر از جائیں اور من مانی کرنے کے دائرے سے نہ نکلیں ان پر ان کے برے انجام کو واضح کر دیا جاتا ہے۔ اتمام حجت کے بغیر کسی امت کو اللہ نے سزا نہیں دی، اور اتمام حجت میں بلند ترین مقام نذیر کا ہی ہوتا ہے۔ اللہ کی قدرت ہر زمانے میں ہر شے پر محیط ہے، اور اللہ کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے۔

حاصل : بشارت و انذار شاہد کا مرتبہ ہے۔ ڈر سنانے والے کو محبوب بنا لینا چاہئے کہ وہ اللہ کا محبوب ہوتا ہے، اس کے قرب سے دوستی رکھنی چاہئے کہ یہی راہ راست ہے۔ جو حق کو نہ مانے، ناحق اس کے گلے پڑ جاتا ہے۔

وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَبِٱلزُّبُرِ وَبِٱلْكِتَٰبِ ٱلْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾

اگر وہ تمہاری تکذیب کریں، تو بے شک ان سے قبل والے بھی تکذیب کر چکے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیوں کے ساتھ، صحیفوں اور کتاب منیر کے ساتھ آئے تھے۔

حق کا انکار کرنے والوں کا طریق زندگی یہی رہا ہے کہ وہ حق پہنچانے والوں کو جھٹلاتے رہے ہیں۔ حال پر بھی وہی کچھ ہو

رہا ہے جو ماضی میں ہوتا رہا ہے۔ پہلے لوگوں کے پاس بھی ان کے رسول روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ کہیں آسمانی صحیفے ان کی صداقت کو ثابت کرتے تھے، کہیں روشن کتاب اللہ کے رسول کے پاس اس کی صداقت کی سند کے طور پر موجود تھی۔ حق پہنچانے والوں کی تکذیب ہوتی ہی رہی ہے، اور حق پہنچانے والے اسناد صداقت کے بغیر کبھی نہیں ہوئے۔

حاصل : حق پہنچانے والوں کی تکذیب ہوتی چلی آرہی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حق پہنچانے والوں کے پاس ان کی صداقت کا ثبوت موجود نہ ہو۔

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾ ع ۱۴ ۱۵

پھر میں نے کفر کرنے والوں کو پکڑا تو کیسا ہوا میرا انکار۔

حق کو جھٹلانے والے جب اللہ کی طرف سے دی گئی مہلت کو غفلت میں ضائع کر چکے تو ان پر گرفت کا مقام آیا۔ پھر وہ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکے، کہیں وہ پناہ نہیں پا سکے۔ کوئی ان کی نصرت کو نہ آسکا۔ اللہ کے بھیجے ہوئے کا انکار اللہ کا انکار تھا، اس کی سزا بھی ہمیشہ عبرتناک تھی۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے پہلے جس انجام کو پہنچتے رہے ہیں اس میں حال پر موجود لوگوں کے لئے درسِ عبرت موجود ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (20) میں ارشاد فرمایا ہے۔

أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ﴿١٢٨﴾

توکیا انہیں اس سے ہدایت نہ ملی، کہ ہم نے ان سے قبل کتنے ہی قرنوں کو ہلاک کر دیا کہ یہ ان کے مساکن میں پھرتے ہیں۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۗ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿٢٧﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے ثمرات پیدا کیے، اور پہاڑوں میں بھی مختلف رنگوں کی دھاریاں ہیں سفید اور سرخ اور کالی بھجنگ۔

بندے کو اس کے مشاہدے کے حوالے سے اللہ کی قدرت پر نظر کرنے کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ آسمان سے برسنے والی بارش ایک ہے، وہ برکت والا پانی ہے، مگر اس بابرکت پانی کے اثرات ہر جگہ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ طیب زمین پر اس کے اثرات

اور ہوتے ہیں، خبیث پر اس کے اثرات اور ہوتے ہیں۔ حق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اس کے اثرات ماننے والوں پر اور طرح کے ہیں، نہ ماننے والوں پر اور طرح کے ہیں، اور ماننے کے دعوے کے ساتھ من مانی کرنے والوں پر اور طرح کے ہیں۔ پہاڑوں کو دیکھا جائے تو وہاں بھی رنگوں کا اختلاف مشاہدے میں آتا ہے۔ کہیں سفیدی نظر آتی ہے کہیں سرخی نظر آتی ہے اور کہیں سیاہی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی کیا گیا، وہ یکساں تھا۔ اس سے ہونے والی کیمیاوی تبدیلیاں یکساں نہیں تھیں۔ مقامی استعداد سے رنگوں کا اختلاف وجود میں آیا۔

حاصل : عطاء الٰہی سے ہر مقام پر یکساں اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ استفادہ کرنے والے کی جو کیفیت ہوگی، اسی کے مطابق وہاں رنگ ظاہر ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

اور اسی طرح انسانوں، جانوروں اور چوپایوں کے مختلف رنگ ہیں۔ اللہ سے اس کے بندوں میں سے ڈرتے وہی ہیں جو علم والے ہیں۔ بےشک اللہ عزت والا، بخشنے والا ہے۔

انسانوں کے رنگوں کا اختلاف، جانوروں کے رنگوں کا اختلاف، چوپایوں کے رنگوں کا اختلاف اللہ کی قدرت کا ثبوت ہے۔ جس کی مشیت سے یہ اختلاف وجود میں آتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ فانی آنکھوں سے فانی اشیاء کو دیکھنے والے اور اپنے ناقص مشاہدے کی بنا پر جزا کا انکار کرنے والے حقیقت کو نہیں پاسکتے۔ اللہ سے محبت رکھنے والے، اللہ سے ڈرتے ہیں کہ ان سے وہ بول نہ بولا جائے جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو، ان سے وہ کام نہ ہو جائے جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو۔ یہ علم والے لوگوں کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کسی طاقت کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے، مگر وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ حجت کو پورا کرنا اللہ کی شان ہے۔ اس کی طرف سے بخشش کے دروازے کو اس وقت تک کسی کے لئے کھلا رکھا جاتا ہے جس وقت تک کسی کے اندر حق کو ماننے کی استعداد بالکل معدوم نہیں ہو جاتی۔

حاصل : اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرتے رہنا چاہئے۔ علم والے وہی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ کسی طاقت کی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ بڑا بخشنے والا ہے۔ بخشش کی طلب رکھنا بندے کی شان ہے۔ جو اس شان کو کھو دے وہ اللہ کی بخشش سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا

بےشک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور

الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾

ہمارے دیئے ہوئے رزق سے چھپے اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں ہرگز نقصان نہ ہو۔

اللہ سے ڈرنے والے ہی علم والے ہوتے ہیں۔ ان علم والوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ اللہ کی کتاب کو ادب سے پڑھتے ہیں، اور یہ سب سے بڑے علم والے کا فرمان ان کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ حضرات نماز قائم رکھتے ہیں، اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو چھپے اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ اللہ کا دیا ہوا رزق وہ رزق ہے جو بندہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے حاصل کرے۔ چھپے خرچ کرنا وہاں ہوتا ہے جہاں کسی محروم کو مدد دیتے وقت دوسروں کو اس کام کی ترغیب نہیں دینی ہوتی، ظاہر خرچ کرنا وہاں ہوتا ہے، جہاں کسی سائل کی مدد کرتے وقت دوسروں کو بھی اس کارِ خیر میں شامل ہونے کی ترغیب دینی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ ایسی تجارت کر رہے ہوتے ہیں، کہ فانی اشیاء کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کر کے حیاتِ دنیا میں خوف و حزن سے نجات پا جاتے ہیں، آخرت میں تو یہ خدائی مہمان ہوں گے ہی۔ اس تجارت میں ہرگز نقصان نہیں ہوتا۔

حاصل : قرآن پاک کی تلاوت، نماز کا قائم رکھنا، اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اس کی رضا کے تحت چھپے اور ظاہر خرچ کرتے رہنا علم والے لوگوں کا طریق زندگی ہے۔ اس تجارت میں انہیں ہرگز نقصان نہ ہو گا۔

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

تاکہ انہیں ان کے اجر پورے دے، اور اپنے فضل سے زیادہ دے، بے شک وہ بخشنے والا، قدردان ہے۔

ان حضرات کا انفاق صرف اللہ کی رضا کے تحت ہوتا ہے، اس لئے اس کا اجر بھی پورا ہوتا ہے۔ اللہ اپنے فضل سے زیادہ ہی دیتا ہے، اور کوتاہیوں کو بخش دینے کے ساتھ ساتھ، مخلص لوگوں کی قدر بھی کرتا ہے۔

حاصل : جو لوگ اللہ کی رضا کے حوالے سے چھپے اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، ان کو پورا اجر دینا، انہیں اپنے فضل سے زیادہ دینا، ان کی کوتاہیوں کو معاف کرنا اور ان کی قدر کرنا اللہ کی شان ہے۔ اگر ہمیں عبداللہ ہونے کا دعویٰ ہو تو اس ارشاد میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے۔

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ

اور جو کتاب ہم نے تمہاری طرف وحی فرمائی وہی حق ہے، اپنے سے اگلی کتابوں

هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾

کی مصدق ہے۔ بے شک اللہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا ہے، دیکھنے والا ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ یہ کتاب حال سے تعلق رکھتی ہے، تاقیامت ہے، سب لوگوں کے لئے ہے۔ پہلی آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تصدیق کرتی ہے۔ پہلی کتابوں میں قرآن پاک کے متعلق پیش گوئیاں موجود تھیں، اور بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو ان پیش گوئیوں کو جانتے ہیں، اللہ کو ان کی خبر ہے۔ اور اللہ انہیں دیکھ رہا ہے کہ وہ کتب سابقہ کے حوالے سے حال کو مانتے ہیں یا نہیں مانتے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ حق ہی نازل فرمایا گیا ہے۔ جو قرآن پاک کو نہیں مانتا، اس کا یہ دعویٰ کہ وہ پہلی آسمانی کتابوں کو مانتا ہے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جزا دینے والا جانتا ہے کس پر کیا حق عائد ہوتا ہے، وہ دیکھ رہا ہے کون حق کو ادا کر رہا ہے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾

پھر ہم نے اپنے چنے ہوئے بندوں کو کتاب کا وارث کیا۔ تو ان میں سے کوئی اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے، اور ان میں سے کوئی میانہ روی پر ہے۔ اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے اذن سے خیرات میں سبقت لے گیا، یہی فضل کبیر ہے۔

یہ بنی اسمٰعیل کا ذکر ہے، امی لوگوں کا ذکر ہے، جنہیں کتاب اللہ کا وارث بنایا گیا ہے۔ ان میں تین طرح کے لوگ ہیں۔ عام وہ ہیں جو حق کو سنتے ہیں مگر حق ہی ان کے سامنے معیار ہدایت نہیں ہوتا، کچھ اور بھی ہوتا ہے۔ خاص لوگ وہ ہیں جو حق کو مانتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس راہ پر چلتے رہتے ہیں۔ رخ ان کا درست ہوتا ہے، مگر شاہد سے محبت کا مقام ان پر آنے والا ہوتا ہے۔ خاص الخاص وہ لوگ ہیں جو حال کو ماضی سے بہتر بنانے میں لگے رہتے ہیں، شاہد سے محبت ان کی خیرات میں سبقت کا راز ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل کبیر ہے، اور اللہ جسے چاہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔

حاصل : بنی اسمٰعیل کتاب اللہ کے وارث بنائے گئے ہیں، یہ امی لوگ ہیں۔ عام سے خاص بنتا ہے، اور خاص سے خاص الخاص بنتا ہے۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اللہ کی عطا کو حال پر پورا جانتے ہوئے حال کو ماضی سے بہتر بنانے کی سعی کی جائے اور خیرات میں سبقت کی جائے۔

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ لُؤۡلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ ﴿۳۳﴾

وہ بسنے کے باغوں میں داخل ہوں گے. ان میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس حریر کا ہو گا۔

فضل کبیر والوں کو جس اجر سے نوازا جائے گا، یہ اس کا ذکر ہے۔ بسنے کے باغ ہوں گے اور یہ ان کی دائمی آسائش کا مقام ہو گا۔ انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔ یہ جسمانی طور پر حیات دنیا میں اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق تصرف میں لانے کا اجر ہو گا۔ جو لوگ حال پر فاخرہ لباس نہیں پہنتے اور لباس میں بھی اسوۂ رسول کے معیار کو ملحوظ رکھتے ہیں، ان کو ان کے لباس کی پاکیزگی کا اجر ریشمی لباس کی صورت میں ملے گا کہ وہ ان کے لئے سکھ کا باعث ہو گا۔

حاصل : پاک لوگوں کی قدر و منزلت اللہ کی سنت ہے۔ ہمیں اللہ کی رضا کو بہرحال مقصود جاننا چاہیے۔

وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَکُوۡرُ ﴿۳۴﴾ۙ

اور عرض کریں گے حمد اللہ ہی کی ہے، جس نے ہمارا حزن دور کیا۔ بے شک ہمارا رب بخشنے والا، قدر کرنے والا ہے۔

جنتی لوگ اللہ کی حمد کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کریں گے، اور فلاح عطا کرنے والے کی شان بیان کریں گے۔ ان لوگوں کو حیات دنیا میں یہ ڈر مسلسل رہا کہ اللہ کے فرمان کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہو جائے، اللہ کے رسول کی سنت اللہ کے نزدیک پسندیدہ معیار ہے، اس معیار کو بہرحال پیش نظر رکھنے میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ فلاح پانے کے بعد یہ عرض کریں گے۔ بے شک ہمارے رب نے ہمیں بخش دیا ہے، اس نے ہماری قدر کی ہے، اور ہمارا رب سب سے بڑی شان والا ہے۔

حاصل : حیات دنیا میں، اللہ کا ڈر رکھنا پاکیزگی کی نشانی ہے۔ فلاح پانے والے شہادت دیتے ہیں، کہ حمد اللہ ہی کی ہے جس نے ان کا حزن دور کیا، انہیں بخشش سے نوازا اور ان کی قدر کی۔

الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَةِ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا لُغُوۡبٌ ﴿۳۵﴾

وہ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اقامت کے گھر میں اتارا، اس میں ہمیں نہ کوئی مشقّت پہنچے گی اور نہ کوئی تھکان لاحق ہو گی۔

جنتی حضرات اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی بخشش اور قدر و منزلت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، اس مقام کا ذکر کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا۔ یہ ایسی اقامت ہے، جس میں مشقت بھی نہیں، تھکان بھی نہیں۔ جو اللہ کی رضا کو مقصود جانتے ہیں، اللہ کا فضل ان کے شامل حال ہو جاتا ہے۔ اللہ کا فضل شامل حال ہو جائے تو پھر مشقت اور تھکان کا مقام ہی نہیں رہتا۔

حاصل : اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہنا چاہئے۔ جنت میں مشقت اور تھکان نہیں ہوگی۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿٣٦﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے نار جہنم ہے۔ نہ ان پر قضا آئے کہ مر جائیں، اور نہ ان پر عذاب میں تخفیف ہو۔ ہم ایسے ہی ہر کفر کرنے والے کو جزا دیتے ہیں۔

جو لوگ فرمان الٰہی کے خلاف کرتے ہیں اور اس خلاف ورزی کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں، وہ اللہ کی عطا کو محض اپنی چاہت پر خرچ کرتے ہیں۔ وہ اپنے اعمال کی جزا جلانے کے سامان کی صورت میں جمع کرتے رہتے ہیں۔ جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اپنے جلانے کا سامان ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ قیامت کے دن یہی ان کے لئے نار جہنم بنے گا۔ وہاں نہ تو موت ہی انہیں دکھ سے نجات دے گی، نہ ان پر ہونے والے عذاب میں تخفیف کا مقام آئے گا۔ ہر کفر کرنے والے کو اسی کے اعمال کی جزا دی جاتی ہے۔ اللہ ہی ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے سکتا ہے۔ وہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ آگ کی سزا دینے کا حق صرف اللہ کی شان کے لائق ہے۔

حاصل : خلاف حق کرنے والے اپنے لئے نار جہنم کا سامان اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ قیامت کے دن نہ موت سے ان کی سزا ختم ہوگی، نہ ان پر ہونے والے عذاب میں تخفیف ہی ہوگی۔ آگ کی سزا دینے کا حق صرف اللہ کی شان کے لائق ہے۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ

اور وہ اس میں چلاتے ہوں گے۔ اے رب ہمارے ہمیں اس سے نکال کہ ہم صالح عمل کریں، وہ نہیں جو پہلے کرتے رہے ہیں۔ اور کیا ہم نے تمہیں عمر نہ دی تھی کہ جس میں نصیحت مانتا، جسے سمجھنا

النَّذِیۡرُ ؕ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۳۷﴾

ہوتا۔ اور تمہارے پاس ڈر سنانے والا بھی آیا۔ تو چکھو کہ ظالمین کو کوئی نصرت دینے والا نہیں۔

دوزخی چلائیں گے، اور عرض کریں گے۔ اے رب ہمارے ہمیں اس عذاب سے نکال دے۔ کہ ہم صالح عمل کریں جو ہم اس سے پہلے ملی ہوئی مہلت میں نہیں کرتے رہے۔ جواب یہ دیا جائے گا۔ ہم نے تم کو وقت دیا تھا کہ جس میں نصیحت ماننا جسے ہدایت کی طلب ہوتی۔ تمہیں حکم الٰہی بھی معلوم تھا، اور ڈر سنانے والا بھی تمہارے پاس آیا تھا۔ اس نے تمہیں اس انجام سے آگاہ بھی کیا تھا، جس سے اب تم نکلنے کے لئے واویلا کر رہے ہو۔ تو تم نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ اب اپنے کیے کی جزا پاؤ۔ جن کا تمہیں زعم تھا کہ وہ تمہارے مددگار ہوں گے اور وہ تمہیں برے انجام سے بچالیں گے۔ اس زعم کی کوئی حقیقت نہیں۔ اب کوئی تمہیں مدد نہیں دے سکتا۔

حاصل : اصلاح حال کے لئے دیا گیا وقت خلاف حق کرنے میں ضائع ہو جائے، تو آخرت میں بڑا پچھتاوا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے وقت بھی دیا ہے۔ حق کو روشن بھی کیا ہے، اور ڈر سنانے والے کے ذریعے خلاف حق کرنے کے انجام کو بھی واضح کر دیا ہے۔ ظالموں کو ان کے کیے کی جزا دی جائے گی اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل (27) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَنۡ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ کَرِیۡمٌ ﴿۴۰﴾

اور جو شکر کرے تو اپنے ہی بھلے کو شکر کرتا ہے۔ اور جو ناشکری کرے تو میرا رب غنی ہے، کریم ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عٰلِمُ غَیۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۳۸﴾

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم رکھنے والا ہے۔ بے شک وہ سینوں کے بھیدوں کا بھی علم رکھنے والا ہے۔

آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہی ہے، اس لئے وہ ہر غیب کا علم رکھنے والا ہے۔ مقام کوئی ہو وہ اللہ سے مخفی نہیں۔ اللہ سینوں کے بھیدوں کا بھی علم رکھنے والا ہے۔ کسی کی نیت بھی اللہ سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب جزا دینے والا باطن کو بھی جانتا ہے، ظاہر کو بھی جانتا ہے۔ تو پھر خلافِ حق کرنے والا جزا سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ سے چھپ جانا تو ممکن نہیں اور اللہ کے سامنے خلافِ حق کرنے سے بڑی بے حیائی کوئی نہیں۔ نیت درست ہو تو عقیدہ درست ہوتا ہے، اور عقیدہ درست ہو تو رخ درست ہوتا ہے، اور بندے سے اس کے رخ کے بارے میں ہی پوچھ ہوگی۔ مہلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے، متاعِ حیات اللہ تعالیٰ کی طرف

سے دی جاتی ہے۔ حالاتِ کار بھی اللہ کی مشیت کے تحت ہوتے ہیں۔ بندے کے ذمے صرف یہی ہے کہ وہ خیر کا رخ اختیار کرے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ سینوں کی باتوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ ہماری نیت پاک ہو تو اللہ تعالیٰ کو ماننے کا ثبوت ملے گا۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَ لَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَ لَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفے ٹھہرایا۔ تو جو کفر کرے اس کا کفر اسی پر پڑے گا، اور کافروں کا کفران کے رب کے نزدیک ان کے لئے بیزاری ہی بڑھائے گا، اور کافروں کے کفر سے ان کا خسارہ ہی بڑھے گا۔

بنی آدم کو زمین میں خلافت دی گئی، اور یہ فرمایا گیا۔ کہ جب تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ہدایت آئے، اس کا اتباع کرنا۔ اس سے تمہیں یہ فائدہ ہو گا کہ تم خوف و حزن سے نجات پاؤ گے۔ جنہوں نے امرِ الٰہی کو مانا وہ فلاح پانے والے ہوئے، جنہوں نے اس کا انکار کیا وہ عبرت ناک انجام کو پہنچے۔ اسی طرح یہ خلافت کا سلسلہ جاری ہے۔ خلافت دینے والا اللہ ہے، اور اس کی قدرت ہر مقام کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے۔ جو خلافِ حق کرے گا، اس کا کیا اسی پر پڑے گا۔ جزا دینے والے کو کافروں کے کفر سے بیزاری ہی ہو سکتی ہے۔ کافروں کے لئے ان کا کفر خسارے ہی کا باعث ہو گا۔

حاصل : ماضی میں خلافِ حق کرنے والے عبرتناک انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ ہم اگر اس انجام سے بچنا چاہتے ہیں تو اصلاحِ حال میں غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ جس بات سے اللہ بیزار ہو اس کو چھوڑ دینا حق ہے، ورنہ خسارے سے بچنا ممکن نہیں رہتا۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ

فرما دیجئے دیکھو تو ان شرکاء کو جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے ہو۔ مجھے دکھاؤ تو انہوں نے زمین میں کیا خلق کیا ہے، یا آسمان میں ان کی کچھ شرکت ہے۔ یا ہم نے انہیں کتاب دی ہے کہ وہ اس کی روشن

بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾

دلیل پر ہیں۔ بلکہ ظالم ایک دوسرے کو فریب کا ہی وعدہ دیتے ہیں۔

کافروں کو ان کے عقائد کے حوالے سے دعوتِ فکر و نظر دی گئی ہے، کہ جن کو تم اللہ کا شریک بنا رہے ہو، انہیں دیکھو تو سہی۔ دیکھنے کے بعد یہ دکھاؤ کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے، آسمان میں ان کا کیا حصہ ہے۔ اگر یہ خالق نہیں تو پھر معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ کافروں کے عقائد کی بنیاد کتاب اللہ پر نہیں ہے۔ یہ ظالم لوگ ہیں، اور ایک دوسرے کو پر فریب وعدے دے کر الجھا رہے ہیں۔ اپنی خواہشات کی پیروی ان کو اتنی عزیز ہوتی ہے، کہ ان کے معبود بھی ان کی پسند سے بنتے ہیں۔

حاصل: خود دیکھنے کے بعد دوسروں کو دکھانے کا مقام آتا ہے۔ جو خالق نہیں ہے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں کے عقائد کی بنیاد کتاب اللہ پر نہیں ہے، وہ بے حقیقت ہیں۔ ظالم ایک دوسرے کو فریب ہی دیا کرتے ہیں۔ فریب اسی کو دیا جا سکتا ہے جو ظالم ہو، فریب دینے والا تو ظالم ہوتا ہی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے، کہ وہ ٹل نہ جائیں، اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے بعد کوئی ان کو روکنے والا نہیں بن سکتا، بے شک وہ حلیم و غفور ہے۔

آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہے، اور اللہ نے ایک نظام قائم کر رکھا ہے۔ اس نظام کے تحت آسمان اور زمین اپنے اپنے منشاء تخلیق کے مطابق کام پر لگے ہوئے ہیں۔ اللہ نے ہی ان کو تھام رکھا ہے۔ اگر وہ محور و مدار سے ہٹ جائیں تو اللہ کے مقابل ان کو تھام رکھنے والی قوت کوئی نہیں ہے۔ جس نے ہمیں اس نظامِ کائنات سے نوازا ہے، اس سے اپنے تعلق کو دیکھنا چاہئے۔ اللہ اصلاح کے امکان کی حد تک لوگوں کو مہلت دیتا ہے، کہ وہ حلیم ہے، اور اصلاح کو قبول کرنے والوں کو بخش دیتا ہے، کہ وہ غفور ہے۔

حاصل: اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے، جن سے ہمارے مفادات کا تعلق ہے۔ کائنات کے نظام کو ٹھیک رکھنا بندوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ لوگوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ وہ حلیم ہے اور غفور ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾

اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں، کہ اگر ان کے پاس ڈر سنانے والا آیا تو ہر امت سے زیادہ ہدایت پر ہوں گے۔ پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا آیا تو انہیں ان سے نفرت ہی بڑھی۔

بنی اسرائیل اہل کتاب تھے اور بنی اسمٰعیل امی تھے۔ بنی اسرائیل اللہ کے نبیوں سے یہ آگاہی پا چکے تھے کہ بنی اسمٰعیل میں سے ایک نبی آئے گا۔ جس کی اطاعت ان پر لازم ہوگی۔ بنی اسمٰعیل جب انبیاء کرام کے ساتھ بنی اسرائیل کی زیادتیوں کے احوال سنتے تھے، تو یہ کہتے تھے بنی اسرائیل بڑے ناشکرے لوگ ہیں۔ ہمارے پاس کوئی نذیر آیا، تو ہم اس کی ایسی اطاعت کریں گے کہ کسی امت نے نہ کی ہوگی۔ ہم ہدایت کی بڑی طلب رکھتے ہیں۔ پھر جب اللہ نے انہی میں سے خاتم النبیین کی بعثت فرمائی تو ان لوگوں کو اپنا عہد یاد نہیں رہا۔ جب انہوں نے حق کو نذیر کی زبان پاک سے سنا تو اپنی پسند کو ترک کرنے کی بجائے اس کو محکم پکڑا۔ اس طرح حق سنانے والے سے ان کی دوری ہی بڑھی۔ نفرت ہی بڑھی۔

حاصل : اپنی قسموں کو حق کے حوالے سے پورا کرنا چاہئے۔ ہدایت کی طلب ہمارے اعمال میں نظر آنی چاہئے۔ ڈر سنانے والے سے محبت ہو تو یہ طلبِ ہدایت کی نشانی ہے۔ اس سے نفرت ہو تو یہ گمراہی کی نشانی ہے۔

اِۨسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ڬ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

زمین میں استکبار کرنا اور برا مکر کرنا۔ اور برائی کا مکر اس کے کرنے والوں پر ہی پڑتا ہے۔ تو کس انتظار میں ہیں مگر وہی جو اولین کے ساتھ ہو چکا ہے۔ تو تم ہرگز اللہ کی سنت کو تبدیل ہوتے نہ پاؤ گے، اور تم ہرگز اللہ کی سنت کو ٹلتے نہ پاؤ گے۔

اللہ کے رسول سے جو تعلق بننا چاہئے، اس کے نہ بننے کے اسباب بیان فرمائے گئے ہیں۔ زمین میں اپنی بڑائی کا اظہار کرنا اور برا مکر کرنا، یہ کام بندے کو فلاح سے دور لے جاتے ہیں۔ جو اپنے محسن کے ساتھ زیادتی کرتا ہے، اس کے خلاف سازش کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو خسارے میں ڈالتا ہے۔ اللہ کی مشیت کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، مگر سازشی کی نیت اس کی غلط کاری کا ثبوت بن جاتی ہے۔ اب اگر کوئی بھلائی کی راہ کو اختیار نہ کرے تو اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ وہ اس انجام کے

واقع ہونے کے انتظار میں ہے، جو پہلے خلاف حق کرنے والوں کو گھیر چکا ہے۔ اتمام حجت کے بعد لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا دینا، اللہ کی سنت ہے۔ یہ سنت کبھی بدلتی نہیں۔ اور اللہ کا عذاب آجائے تو پھر کوئی قوت اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔

حاصل : زمین میں استکبار کرنا اور بُرا مکر کرنا، اللہ کے رسول کی مخالفت کرنا ہے۔ اس کا انجام خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔ اتمامِ حجت کے بعد عذابِ الٰہی آتا ہے، اور جب آتا ہے تو پھر ٹلتا نہیں۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾

اور کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ نظر کرتے ان سے قبل والوں کی عاقبت کیسی ہوئی، اور وہ ان سے قوت میں اشد تھے۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ اسے کوئی شے آسمانوں اور زمین میں عاجز کر سکے۔ بے شک وہ علم والا، قدرت والا ہے۔

ماضی سے سبق لینا عاقبت اندیشی ہے، اور عقل مندی ہے۔ بڑی قوت والے لوگ خلافِ حق کرتے ہوئے، عبرتناک انجام کو پہنچ چکے ہیں، تو ان کی پیروی کرنے والے کیسے بڑے انجام سے بچ جائیں گے۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی شے ایسی نہیں ہے، جو مشیت الٰہی کے خلاف کوئی نتیجہ پیدا کر سکتی ہو۔ اللہ علیم مطلق ہے، اللہ قادرِ مطلق ہے، اس لئے خلافِ حق کرنے والا عبرتناک انجام کو ہی پہنچتا ہے۔ اللہ سے مقابلہ کرنا، خسارے کو اپنے لئے مقدر کرنا ہے۔

حاصل : ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ یہ سیر کا منشاء ہو تو سیر بھی عبادت ہے۔ خلافِ حق کرتے ہوئے بڑی قوت والے اگر عبرتناک انجام کو پہنچ چکے ہیں تو پھر ان کے راستے کو چھوڑ دینا ہی عقل مندی ہے۔ اللہ کے ساتھ سے جو فائدہ پہنچتا ہے، وہ کسی دوسری صورت میں پہنچ ہی نہیں سکتا، کہ وہی سب سے بڑے علم والا ہے، وہی سب سے بڑی قدرت والا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾ ع ۸

اور اگر اللہ لوگوں سے ان کے کسبوں پر مواخذہ کرتا، زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا۔ لیکن وہ اجل مسمّٰی تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب ان کی اجل آئے گی تو اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں۔

جن امور پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کی سند نازل فرمائی ہے، ان کو کرنے کے معنی اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ مثلاً اللہ دغابازی کو پسند نہیں کرتا، حدود اللہ سے تجاوز کو پسند نہیں کرتا، فساد کو پسند نہیں کرتا۔ کفر کو پسند نہیں کرتا، ظلم کو پسند نہیں کرتا۔ اسراف کو پسند نہیں کرتا، خیانت کو پسند نہیں کرتا۔ استکبار کو پسند نہیں کرتا، اترانے کو پسند نہیں کرتا، ناسپاسی کو پسند نہیں کرتا۔ یہ کام کرنے والے لوگ فوراً عذابِ الٰہی میں نہیں پکڑے جاتے۔ اللہ کا طریقہ یہی ہے کہ وہ ایک وقت تک لوگوں کو اصلاحِ حال کے لئے وقت دیتا ہے۔ جو اس وقت میں بھلائی کی راہ کو اپنا لے اس کا بھلا ہو جاتا ہے۔ جو اس وقت کو خلافِ حق کرتے ہوئے کھو دے وہ خسارے میں جا پڑتا ہے۔ جب وقت ختم ہو جائے گا، تو سب بندے اسی مالکِ کل کی طرف ہی جائیں گے، جس کی طرف سے وہ بھیجے گئے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دے گا۔

حاصل : مواخذے میں جلدی کرنا اللہ کی سنّت نہیں ہے۔ اتمامِ حجّت اللہ کا طریقہ ہے۔ ہر ایک کو اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے، وہ ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دے گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

أَفَرَءَيْتَ إِن مَّتَّعْنَٰهُمْ سِنِينَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُم مَّا كَانُوا۟ يُوعَدُونَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يُمَتَّعُونَ ﴿۲۰۷﴾

بھلا دیکھو تو اگر کچھ برس ہم انہیں برتنے دیں، پھر آئے ان پر جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے، تو کیا کام آئے گا جو وہ برتتے تھے۔



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰسٓ ۚ ﴿١﴾ حروف مقطعات

ان حروف کو الگ الگ کر کے پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ حروف مقطعات سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں۔ 28 سورتوں کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوئی ہے۔ جن میں سے ایک سورۃ یٰسین ہے۔ ان حروف کی وضاحت میں خاموشی اختیار فرمائی گئی ہے۔ اس لئے ان کے بارے میں کلام کرنا، اللہ کے رسول سے آگے قدم بڑھانے والی بات ہوگی، اور یہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

حاصل : اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموش رہنے کے مقامات کو بھی عملاً واضح کیا ہے، بولنے کے مقامات کو بھی واضح کیا ہے۔ خاموشی کے مقام پر بولنا بے جا ہوتا ہے۔ بولنے کے مقام پر خاموشی بے جا ہوتی ہے۔

وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ ۙ﴿٢﴾ اور قرآنِ حکیم کی قسم۔

قرآن پاک اللہ کا نازل فرمایا ہوا حق ہے۔ یہ کتابِ حکیم بھی ہے، کتابِ مبین بھی ہے۔ یہاں اس کی حکمت کے بارے میں قسم کھائی گئی ہے۔ طلبِ ہدایت رکھنے والوں کو اس قسم سے بڑا سہارا ملتا ہے، کہ قسم اٹھانے والا کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ وہ لوگوں پر کس قدر رافت و رحمت فرمانا چاہتا ہے، اور یہ روشن کرنا چاہتا ہے، کہ کسی بھی مقام پر حق کی سند، دانائی کی سند قرآنِ پاک سے ہی لی جائے تو اس میں فرد کا بھی بھلا ہو گا، جماعت کا بھی بھلا ہو گا، قوم کا بھی بھلا ہو گا اور اقوامِ عالم کا بھی بھلا ہو گا۔

حاصل : قرآن پاک کی قسم کھانے کا حق پاک کو ہوتا ہے۔ حکمت و دانائی کی سند قرآن پاک سے لینی چاہیے۔

اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۙ﴿٣﴾ بے شک آپ مرسلین سے ہیں۔

منکرینِ حق نے جب یہ کہا کہ آپ رسول نہیں ہیں، تو قرآنِ حکیم کی قسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت دی ہے، کہ

آپ مرسلین سے ہیں۔ آپ ان پاک حضرات گرامی میں شمار ہیں، جن کو اللہ نے معیارِ ہدایت بنا کر بھیجا ہے، اور جن کی شہادت اللہ کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

حاصل : طلبِ ہدایت میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ جس حوالے سے ہم اصلاحِ حال چاہتے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں سند نازل فرمائی ہے۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴﴾ صراطِ مستقیم پر۔

مذکورہ قسم اس بات سے بھی تعلق رکھتی ہے، کہ مرسلین کی راہ ہی صراطِ مستقیم ہوتی ہے۔ طلبِ ہدایت رکھنے والے صراطِ مستقیم کو رضاءِ الٰہی کے حصول کا طبعی راستہ جانتے ہیں۔ مرسلین کے اتباع کے علاوہ صراطِ مستقیم کا ملنا اگر ممکن ہوتا، تو پھر مرسلین کے بھیجنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ مرسلین کی قدر و منزلت کی جائے تو اللہ کا شکر ادا ہو جاتا ہے، کہ اس نے اپنے عباد مخلصین کی بدولت صراطِ مستقیم کو روشن کر دیا ہے۔

حاصل : مرسلین کا راستہ ایک ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے۔ یہی رضاءِ الٰہی کے حصول کا طبعی راستہ ہے۔

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۵﴾ نازل کردہ ہے، عزت والے، رحم کرنے والے کا۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اس تنزیل کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دو اسماء حسنیٰ کا ذکر ہے۔ ایک عزیز، دوسرے رحیم۔ دو ہی امکانات ہیں، حق کا انکار یا حق کا اقرار۔ حق کے انکار کی صورت میں اللہ کی قدرت کا سامنا کرنا پڑے گا، جس کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہی ہوتا ہے۔ حق کے اقرار کی صورت میں فلاحِ دارین حاصل ہوگی۔

حاصل : وہ فرمان ہمارے لئے انتہائی اہمیت رکھتا ہے، جس کا انکار ہمارے لئے باعثِ خسارہ ہے، اور جس کا اقرار ہمارے لئے باعثِ فلاح ہے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے آباء نے ڈر نہیں سنا تو وہ غافل ہیں۔

بنی اسمٰعیل کا ذکر ہے، کہ یہ امی لوگ ہیں۔ ان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے۔ یہ لوگ خوفِ خدا نہیں رکھتے۔ غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا بڑا کام ہے۔ اللہ نے یہ کام آپ کو اپنے علم سے عطا کیا ہے، اس لئے آپ اپنا حق ادا کرتے رہئے۔ جو لوگ حال پر خوفِ خدا نہ رکھتے ہوں، ان کے آباء کے عقائد کو جاننا مشکل

نہیں ہوتا۔ آباء کے عقائد درست نہ ہوں تو ذریّت برائی کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے۔ دعوتِ خیر بقدرِ حال پر دی جاتی ہے اور صاحب حال کی طرف سے دی جاتی ہے۔ جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں. وہ اپنی اولاد کو ان کی پسند کے دائروں میں الجھاتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان پر غفلت کے پردے دبیز ہوتے رہتے ہیں۔

حاصل : آباء کے عقائد ان کی اولاد میں نظر آتے ہیں۔ غافل لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا بہت بڑا کام ہے۔ اللہ کے رسول کو یہ کام عطا ہوا۔ اللہ کے رسول کی طریقت سے ہی اس کو کیا جا سکتا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦

بے شک ان میں اکثر پر قولِ حق ہو چکا ہے، تو وہ مانیں گے نہیں۔

حق کے بعد تو ہے ہی گمراہی۔ جو حق کو نہ مانے ناحق اس کے گلے پڑ جاتا ہے۔ پھر شیطان اس کو اس کے اعمال مزین کر کے دکھاتا ہے اور وہ شیطان کی پیروی کو قبول کرتے ہوئے جہنم کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کی جزا پہلے نہیں لکھ رکھی. اصول جزا کو ضرور پہلے لکھ رکھا ہے۔ جو شیطان کو صریح دشمن جاننے کی بجائے. اس سے دوستی کا رشتہ استوار کرے. وہ حق کو ماننے سے رہا۔

حاصل : جزا کا اصول پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ جزا کا فیصلہ اتمام حجت کے بعد ہوتا ہے۔ جو نفس کے شح سے بچے فلاح اسے ہی نصیب ہوتی ہے۔ خواہشات کی پیروی کرنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ٹھہرا دیئے ہیں، جو ٹھوڑیوں تک ہیں، تو یہ منہ اوپر کو اٹھائے رہ گئے۔

حق کو نہ ماننے والوں کی گردنوں میں حال پر خفی طوق ٹھہرا دیئے جاتے ہیں. جو ٹھوڑیوں تک ہوتے ہیں۔ یہ طوق متکبرین کو عملاً ایک خاص زاویہ نگاہ سے دیکھنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس زاویۂ نگاہ سے ایک حد تک ہی نظر آتا ہے۔ جو لوگ اپنے حال کی اصلاح سے غافل ہوں. ان کی انا ان کے ماحول کو دوسروں کے لئے بہت تکلیف دہ بنا دیتی ہے۔ ایسے لوگوں سے واسطہ ہو تو ان کے ماضی کو بھی دیکھنا چاہئے. ان کے حال کو بھی دیکھنا چاہئے۔ وہ اعمال جن کی بدولت ان کی اہلیت مشاہدہ گرفت میں آ گئی ہے. ان سے بچنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

حاصل : حق کا انکار کرتے کرتے استکبار میں مبتلا ہو جانا خفی عذاب میں پڑ جانا ہوتا ہے۔ ایسے

لوگوں کو دیکھ کر ان کے حال سے عبرت لینی چاہئے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ⑨

اور ہم نے ان کے آگے روک کر دی، اور ان کے پیچھے روک کر دی پھر انہیں ڈھانپ دیا تو وہ کچھ نہیں دیکھتے۔

اتمامِ حجت کا جو علم اللہ کو ہے۔ وہ جزا دینے والے کی شان کے شایان ہے۔ جن کی گردنوں میں ٹھوڑیوں تک طوق ہوں، وہ اگر اپنے ناقص مشاہدے کو اکمل جان کر بیان کرنے سے نہ رکیں تو پھر ان کے آگے ان کی خواہشات کی دیوار آجاتی ہے، اور اس دیوار سے آگے وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ استکبار کے حوالے سے اپنے آباء کی روایات ان کے لئے پیچھے کی طرف رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ ان دو رکاوٹوں کے درمیان بھی وہ اگر حق کے انکار میں زور لگاتے رہیں، تو پھر انہیں ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ تب ان کی بات کسی مشاہدے سے تعلق نہیں رکھتی۔ وہ محض گمان پر مبنی ہوتی ہے۔

حاصل : اپنی خواہشات کے حوالے سے بات کرنے والا، اور استکبار پر مبنی اپنے آباء کی روایات میں پھنسا ہوا، مشاہدے کی اہلیت کو ضائع کر لیتا ہے۔ پھر وہ محض اپنے گمان سے ہی بات کرتا ہے۔ وہ دیکھ نہیں سکتا۔

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑩

اور ان پر مساوی ہے، آپ انہیں ڈر سنائیں یا نہ سنائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

ایمان لانے کے لئے ایک اہلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ اس اہلیت کو ضائع کر چکے ہوں، وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔ انہیں ڈر سنانا یا نہ ڈر سنانا برابر ہوتا ہے۔

حاصل : قبولِ حق کے لئے جس اہلیت کی ضرورت ہوتی ہے، اس اہلیت کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ معاشرتی سطح پر بھی اس کی حفاظت کا اہتمام معاشرے کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔

إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ ۖ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ⑪

آپ تو اسی کو ڈر سناتے ہیں جو نصیحت کا اتباع کرے اور رحمٰن سے بالغیب ڈرے۔ تو اسے مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دیجئے۔

ڈر سنانا اسے فائدہ دیتا ہے، جو ناصح سے محبت رکھتا ہو کہ وہی نصیحت کو مانتا ہے اور ہدایت کی راہ کو اپناتا ہے۔ وہ یقین رکھتا ہے، کہ اللہ نے اسے جو توفیق دی ہے، اس کے حوالے سے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے، اور اللہ خلوت و جلوت کے ہر مقام کو دیکھ رہا ہے۔ دانستہ طور پر اور نادانستہ طور پر بھی کوتاہی ہو جاتی ہے۔ یہ ڈر کہ اللہ کسی بات سے ناراض نہ ہو جائے، مغفرت اور اجرِ کریم سے نوازے جانے والوں کی نشانی ہے۔ انھیں مغفرت اور اجرِ کریم کی بشارت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

حاصل : طلبِ ہدایت کی نشانیاں ہم میں پائی جانی چاہئیں۔ ناصح سے محبت اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرنا، یہ صفات جہاں موجود ہوں، انھیں بخشش بھی نصیب ہوتی ہے اور اچھا اجر بھی ملتا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ع ۱۲ ۱۸

بے شک ہم مُردوں کو حیات دیں گے اور لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشان چھوڑ گئے۔ اور ہر شے ہم نے گن رکھی ہے، ایک بتانے والی کتاب میں۔

بعث بعد الموت یقیناً ہوگی اور بندوں کو ان کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ اعمال پہلے سے لکھے ہوئے نہیں ہیں، حال پر لکھے جا رہے ہیں۔ ان کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ وہ ہے، جس میں توفیقِ ایزدی سے ایک راستہ اختیار کیا جاتا ہے اور شعور کے ساتھ مقاصد کے حصول کے لئے سعی کی جاتی ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے، جس میں پیچھے آنے والوں کے لئے نقوش چھوڑے جاتے ہیں۔ ان دونوں کی جزا بندوں کو دی جائے گی۔ خالقِ کل کے لئے ہر شے کا حساب کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اعمال نامے میں کچھ مخفی نہیں رہے گا۔

حاصل : بعث بعد الموت یقیناً ہوگی۔ ہمارے اعمال لکھے جا رہے ہیں۔ ہمیں ان نقوش کو بھی دیکھنا چاہئے جن پر ہم چلتے ہیں، اور ان نقوش کو بھی دیکھنا چاہئے جن کو ہم پیچھے چھوڑتے ہیں۔ جزا کے یقین کے ساتھ حُسنِ عمل کے تعلق کو بھی دیکھنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ جنّ (72) میں فرمایا ہے۔

فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

جنھوں نے مان لیا انھوں نے بھلائی سوچی۔ اور رہے ظالم تو وہ جہنم کا ایندھن ہوئے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ج

اور ان سے اصحابِ قریہ کی مثال بیان کیجیے، جب ان کے پاس بھیجے ہوئے آئے۔

وہ مثال جو سننے والوں کے ماحول سے تعلق رکھتی ہو، اور جس کے بارے میں انہیں کچھ بتایا گیا ہو، اگر یقینی علم سے ان کے سامنے بیان ہو جائے تو یہ ان کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آدم علیہ السلام کی زمین پر تشریف آوری کے ساتھ ہی یہ وعدہ بھی فرمایا گیا تھا، کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے گی اور جو اس ہدایت کا اتباع کرے گا۔ اسے خوف و حزن سے نجات ملتی رہے گی۔ مثال کو سن کر اس میں اپنے مقام کا تعین کرنا سبق سیکھنے کا طریقہ ہے۔ اسے غیر متعلق کہانی کہہ دینا غفلت میں پڑے رہنے کی صورت ہے۔

حاصل : مثال کو بڑے علم سے، سننے والوں کے سامنے بیان کرنا چاہئے، کہ وہ سنیں اور بھلائی کی راہ کو اپنالیں۔

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ﴿١٤﴾

جب ہم نے ان کی طرف دو بھیجے پھر انہوں نے ان دونوں کی تکذیب کی، تو ہم نے انہیں ایک تیسرے سے عزت دی، تب انہوں نے کہا ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے، آئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ نبوت کا مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کا وزیر بنایا گیا تھا۔ یہ حضرات فرعون کے پاس آئے تو انہوں نے پیغامِ حق پہنچاتے ہوئے ان تمام امور کو ملحوظ رکھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر واضح فرما دیئے گئے تھے۔ فرعون نے ان حضرات سے اسنادِ صداقت طلب کیں اور ان کی اسنادِ صداقت کو دیکھ لینے کے بعد انہیں جادوگر کہہ دیا، اور ان سے مقابلے کی راہ اختیار کی۔ جب جادو کے علم کی انتہائی مہارت رکھنے والوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کا اعلان بڑے اجتماع میں کر دیا، تو فرعون نے اس کو اپنے خلاف اور آلِ فرعون کے خلاف ایک سازش قرار دیا، اور جادوگروں کو جو حق کو ماننے کا اعلان کر چکے تھے سخت ترین سزا دی گئی۔ فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تم مجھے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر لینے دو، یہ ضرور تمہیں اس ملک سے نکال باہر کرے گا اور تم اس کے جادو کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ اس وقت فرعون کے خاندان سے ایک آدمی نے حق کو بیان کرتے ہوئے کہا، کہ کیا تم ایک شخص کو اس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، اور وہ اپنے دعوے کو سچا بھی ثابت کر چکا ہے۔ اگر اس کی آگاہی کے مطابق ہم پر عذابِ الٰہی آ گیا تو کون اس عذاب سے ہم کو بچا سکے گا۔ ان صاحب کی تائید سے امراء کے حلقے میں بات ٹھیک طرح سے سنی گئی، اور کسی کو ان کے سامنے استکبار کا اظہار کرنا ممکن نظر نہ آیا۔ ان سب کا مقصود ایک تھا، اور وہ تھا لوگوں کو فلاح کی طرف بلانا۔ ان سب کا بیان بھی ایک تھا، کام بھی ایک تھا، اس لئے یہ ایک ہی وجود رکھتے تھے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغِ حق کرنے والوں کو ایسی مدد دی جاتی ہے، جس سے تبلیغِ حق

میں حجت پوری ہو جاتی ہے۔ مخلصین کا وجود واحد ہوتا ہے، کہ ان کا مقصود واحد ہوتا ہے، اور ان کا مقصود ہوتا ہے لوگوں کو فلاح کی طرف بلانا۔

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾

کہنے لگے تم تو ہماری مثل بشر ہی ہو، اور رحمٰن نے کچھ نازل نہیں فرمایا، تم سب جھوٹ کہتے ہو۔

ان تینوں حضرات نے حق کو واضح کیا۔ فرمان الٰہی کے سامنے، انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے علوم کو، درست تناظر میں دیکھنے کی راہ دکھائی۔ تو لوگوں نے کہا تم ہماری مثل بشر ہی ہو، رحمٰن نے کچھ نازل نہیں فرمایا، تم جھوٹ کہتے ہو۔ حق کو جھٹلاتے ہوئے منکرین نے اپنے دعوے کے ساتھ کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔

حاصل : منکرین حق کو بشر کا راہ نما ہونا اچھا نہیں لگتا، جب کہ علیم مطلق کے علم کی رو سے بشر ہی اس مقام پر فائز ہو سکتا ہے۔ عالمین کی بھلائی اللہ کے بھیجے ہوئے علم سے ہی ہو سکتی ہے، دوسرے تمام علوم اس مقام پر ناکام رہے ہیں۔ اور ناکام رہیں گے۔

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

انہوں نے کہا ہمارے رب کو علم ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

منکرینِ حق نے جب مرسلین کی تکذیب کی اور یہ کہا کہ رحمٰن نے کچھ نازل نہیں فرمایا، تو اللہ کے بھیجے ہوئے لوگوں نے یہ شہادت دی: کہ ہمارا بھیجنے والا اللہ ہے، جو سب سے بڑے علم والا ہے۔ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے کہ یہ اللہ کے نزدیک ضروری ہے اور حجت پوری کرنا اللہ کی شان ہے۔

حاصل : جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ وہ لوگوں کے ساتھ اللہ کی رضا کے حوالے سے معاملات کو درست رکھتا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾

اور ہم پر تو صاف پہنچا دینا ہی ہے۔

مرسلین نے شہادت دی، کہ ہم وہی کر رہے ہیں، جو اللہ کے حکم کے مطابق ہمیں کرنا ہے۔ سننے والے جو بھی کریں گے، اپنے شعور کے ساتھ کریں گے اور اپنے کیے کی جزا پائیں گے، اور ان کے اعمال کے بارے میں تبلیغ حق کرنے والے جواب دہ نہ ہوں گے۔

حاصل : تبلیغ حق کرنے والے اس قدر یکسو ہوتے ہیں کہ وہ صرف یہی دیکھتے ہیں کہ حکم الٰہی کے حوالے سے انہیں کیا کرنا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

کہنے لگے ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم لوگ باز نہ آئے تو ہم تمہیں رجم کر دیں گے اور تمہیں المناک سزا دی جائے گی۔

منکرینِ حق نے مرسلین سے یہ کہا کہ ہم تم لوگوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ تمہارے آنے سے پہلے ہم بہت خوش حال تھے۔ تمہارے عقائد کی اشاعت ہمارے لئے قحط اور بدحالی کا سبب بنی ہے۔ تم کو اس کام سے باز آجانا چاہئے۔ ورنہ اس نحوست کو دور کرنے کا طریقہ یہی ہو گا کہ تمہیں ہمارے ہاتھوں سخت سزا ملے گی اور تم سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

حاصل : قحط اور تنگی باذنِ اللہ ہوتی ہے۔ منکرینِ حق جب جبر و قہر سے اشاعتِ حق کو روکنے کی راہ اختیار کرتے ہیں، تو یہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلانِ جنگ ہوتا ہے۔ اس کا انجام دائمی خسارہ ہی ہوتا ہے۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

مرسلین نے فرمایا۔ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے، کیا اس پر کہتے ہو کہ تمہیں نصیحت سنائی، بلکہ تم مسرف قوم ہو۔

اللہ کے پاک بندوں نے منکرینِ حق سے یہ کہا۔ کہ تمہاری بداعمالی اور خودسری نحوست ہے اور یہ تمہارے ساتھ ہے۔ تم اس کو چھوڑتے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجحت پوری کی جا رہی ہے۔ جن حالات میں تم اصلاحِ حال کی طرف مائل ہو سکتے ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تم پر آتے ہیں۔ تم ہمیں اس بنا پر منحوس کہتے ہو، کہ ہم تمہیں حق کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں۔ بلکہ تم اسراف کرنے والے لوگ ہو اور تم حد سے گزر رہے ہو۔

حاصل : نحوست ناپاکی سے تعلق رکھتی ہے، اور کوئی جبر سے ناپاک نہیں ہوتا۔ نصیحت کرنے والے کو محسن جاننا چاہئے۔ اسراف کرنے والے ناصحین کو منحوس کہتے ہیں، اور اسراف کرنے والے ہمیشہ عبرتناک انجام کو پہنچتے ہیں۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ کہنے لگا اے میری قوم،

قَالَ يٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۲۰﴾ مرسلین کا اتباع کرو۔

آلِ فرعون نے مرسلین کے متعلق جب بُری سوچ سوچی تو خبر اپنی اہمیت کے حوالے سے جلد ہی سارے شہر میں پھیل گئی۔ یہ مردِ حق جو آلِ فرعون سے تھا، دوڑتا ہوا، امراء کے پاس آیا، اور اپنے احساس کو بہت واضح الفاظ میں اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے رکھا۔ اس نے جس عنوان کے تحت گفتگو کی وہ پہلے بیان کیا، اور وہ عنوان یہ تھا کہ مرسلین کی پیروی کی جائے۔ یہی سلامتی کی راہ ہے۔

حاصل : مردِ حق کی یہ نشانی ہے کہ جب وہ اپنی قوم کی کسی بُری تجویز سے آگاہ ہوتا ہے تو دوڑتا ہوا اپنی قوم کے سرکردہ لوگوں کے پاس آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ حق والوں کا اتباع کرو۔

اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا يَسۡـَٔـلُكُمۡ اَجۡرًا وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ان کا اتباع کرو جو تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے، اور وہ ہدایت والے ہیں۔

مردِ حق نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ کہا، جو کچھ تم کر رہے ہو وہ قطعاً درست نہیں ہے۔ پیروی ان کی ہونی چاہئے جو اللہ کے بھیجے ہوئے پاک بندے ہیں۔ ان کی شان ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ذاتی غرض وغایت سے پاک ہوتے ہیں اور حق پہنچانے کا اجر نہیں مانگا کرتے۔ دوسری صفت ان کی یہ ہوتی ہے کہ وہ ہدایت والے ہوتے ہیں اور ہدایت والے ہی خوف و حزن سے نجات کا راستہ دکھا سکتے ہیں۔ پڑھی ہوئی اور سنی ہوئی بات بتا دینا، اور عملاً حق پر پورا رہتے ہوئے حاصل ہونے والے علم کو مفادِ عامہ کے لئے پیش کرنا، کبھی مساوی نہیں ہوتا۔

حاصل : جس کا اتباع کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والا ہو، حق پہنچانے کا اجر نہ مانگے اور ہو ہدایت یافتہ تو دنیا میں بھی بھلا ہو جاتا ہے، آخرت میں بھی بھلا ہوگا۔

وَمَا لِىَ لَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اور مجھے کیا ہے کہ اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا، اور اسی کی طرف تمہاری مراجعت ہوگی۔

مردِ حق نے اپنی قوم کے اعتراضات کے جواب میں یہ فرمایا: کہ بندگی اسی کی حق ہے، جو خالقِ کل ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے، وہی میرے مقصدِ حیات کا تعین کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس کے مقابل کسی کی بندگی کیسے درست ہو سکتی ہے۔ میرا رب، تمہارا رب ہے اور سارے عالمین کا رب ہے۔ اسی کی طرف سے سب کا آنا ہوا ہے، اسی کی طرف سب کی واپسی ہوگی۔ مشرکین کے ساتھ اپنے حال کے حوالے سے بات کی جائے اور ان سے اپنے معاشرتی تعلق کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو ان تک حق کو بہتر انداز

میں پہنچایا جاسکتا ہے۔ یہی پاک لوگوں کی طریقت رہی ہے اور یہی رہے گی۔

حاصل : لوگوں کے اعتراضات کے جواب میں اپنا حال بیان کرنا چاہئے، اپنے رخ کے درست ہونے کا ثبوت دینا چاہئے، اور جزا دینے والے کے حضور پیشی لوگوں کو یاد دلانی چاہئے۔

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْــٴًـا وَّ لَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾

کیا میں اللہ کے مقابل اور معبود ٹھہراؤں، کہ اگر رحمٰن میرے ضرر کا ارادہ کرے تو ان کی شفاعت میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں۔

مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے مردِ حق نے یہ کہا: کہ تم لوگ جن کو اللہ کے مقابل معبود ٹھہراتے ہو، ان کی کوئی سند تو موجود نہیں ہے۔ الرحمٰن خالقِ کل ہے، قادرِ مطلق ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اگر ان معبودوں سے تمہاری طرح میں بھی ایک تعلق بناؤں، اور معبودِ حقیقی میرے ضرر کا ارادہ کرلے، تو یہ معبود میری کیا مدد کر سکیں گے۔ نہ تو یہ میری شفاعت ہی کر سکیں گے، اور نہ وہ مجھے اس مذکورہ دکھ سے بچانے کی قدرت رکھتے ہوں گے۔

حاصل : شرک سے متعلقہ امکانی صورتوں کو واضح کرنا بھی تبلیغِ حق کا حصہ ہے۔ عقائد درست ہوں تو اللہ کی عطا کردہ توفیق صحیح محل پر استعمال ہوتی ہے۔

اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾

بے شک تب تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گا۔

سامعین سے یہ کہہ دیا جائے کہ تم یقیناً کھلی گمراہی میں ہو، تو پھر وہ حق کو سنتے نہیں۔ اپنی ذات سے متعلق امکانی صورت کو بیان کرنا سننے والوں کے لئے تکلیف دہ نہیں ہوتا۔ تبلیغِ حق میں اپنی ذات کو دوسروں کے مقابلے میں سکھی ثابت کیا جائے تو بہتر ہے، کہ سکھ سب کو مطلوب ہوتا ہے۔

حاصل : تبلیغِ حق میں لوگوں کو مشکل مقام سے گزرنے میں مدد دینا بڑے علم کا کام ہے۔

اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾

بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں، تو میری سنو۔

سامعین میں سے شرک کرنے والوں کی تعداد بہت بڑی تھی۔ مرد حق نے ان سے یہی کہا کہ میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں۔ ایک تو یہ واضح کر دیا گیا، کہ تمہارا رب ایک ہے۔ جو تمہارا خالق ہے، اور جو تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ باقی جن کو تم نے اس رب کا شریک بنا رکھا ہے۔ وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ دوسرے یہ واضح کر دیا گیا، کہ میں بھی اسی رب پر ایمان لایا ہوں، جس کا کوئی شریک نہیں۔ تیسرے یہ واضح کر دیا گیا کہ میری بات سننے میں اور اسے ماننے میں تمہارا بھلا ہو گا۔ جو لوگ ذاتی مفادات میں الجھے ہوئے ہیں انہیں تمہاری بھلائی عزیز نہیں ہے۔

حاصل : سامعین سے اپنے تعلق کا اظہار ضروری ہوتا ہے۔ بات اسی کی سننی چاہئے جو ہمارے رب کو مانتا ہے۔

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

اس سے فرمایا گیا۔ جنت میں داخل ہو جا۔ عرض کرنے لگا، کسی طرح میری قوم کو علم ہوتا۔

فرعون اور آلِ فرعون کے سامنے حق کو اس طرح واضح کرنے والے مرد مومن کے ساتھ قوم کا رویہ بڑا تکلیف دہ تھا۔ اس مرد مومن نے اپنی قوم سے یہ کہا کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو آگ کی طرف بلاتے ہو۔ قوم نے اس کے ساتھ بڑا مکر کیا۔ اللہ نے اسے ان کے بڑے مکر سے بچایا۔ اس کو دنیا میں جنتی ہونے کی بشارت دی گئی۔ (40:41) اس بشارت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بھی اس مرد مومن نے یہی کہا کہ کسی طرح میری قوم کو علم ہوتا کہ مجھے میرے رب نے کس طرح نوازا ہے۔ اسی وقت تک قوم کے بھلائی کی طرف آنے کا امکان تھا۔ اور عمل کے لئے دی گئی مہلت عنقریب پوری ہونے والی تھی۔

حاصل : حق کی احسن ادائیگی کا انعام دنیا میں بھی ملتا ہے آخرت میں بھی ملے گا۔ جنتی یہی چاہتا ہے کہ اس کی قوم بھلائی کی راہ اختیار کرے، اور شرک و کفر کی راہ کو چھوڑ دے۔

بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٧﴾

کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں ٹھہرایا۔

مرد مومن کو جس انعام سے نوازا گیا وہ اس کے نزدیک بڑا قابلِ ذکر تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ قوم کو حق پر رہنے کا انجام معلوم ہو جائے۔ بخشش مومن کو ہمیشہ مطلوب ہوتی ہے، اور بخشش کے بعد عزت کا مقام ملتا ہے۔ یہ عزت، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ وہ شان ہے، جس میں کبھی کمی نہیں ہوتی۔

حاصل : بخشش و اکرام اللہ کی ایسی نوازشات ہیں، جن کے سامنے دنیاوی آسائشیں اور جاہ و حشمت

سچ معلوم ہوتی ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم کو اتارنا ہی تھا۔

مردِ مومن کی اپنی کوئی بات تو تھی نہیں، اس کی بات مرسلین کی بات تھی، اس کی بات حق تھی۔ اس لئے اتمامِ حجت میں اس کا مقام بھی وہی تھا۔ جو اس حال پر مرسلین کی بات کا تھا۔ اتمامِ حجت کے بعد مکذبین حق پر عذابِ الٰہی آتا ہی رہا ہے، اور اللہ کو عذاب بھیجنے کے لئے کسی لشکر کشی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب اس کی طرف سے کسی قوم کی بربادی کا فیصلہ ہو جائے، تو اسے بیخ و بن سے اکھڑتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : اتمامِ حجت کے بعد اللہ کے عذاب کا آنا لازم ہے۔ اللہ کو کسی قوم کی ہلاکت کے لئے فوج کشی نہیں کرنی ہوتی۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

وہ تو ایک ڈانٹ تھی تو جبھی وہ بجھ کر رہ گئے۔

فرعون اور آلِ فرعون کے غرق ہونے کے ساتھ ہی ان کی تہذیب و ثقافت بھی ایک ڈانٹ کے ساتھ بجھا دی گئی۔ کہ یہی اللہ کی سنت رہی ہے۔ جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے بنایا تھا اس کو برباد کر دیا گیا۔ (7:137) تب ان کے استکبار کی علامات، دیکھنے والوں کے لئے اپنے اندر درس عبرت رکھتی تھیں۔

حاصل : مکین مبتلائے عذاب ہوں تو ان کی بناوٹیں بھی برباد ہوتی ہیں۔ اللہ کی ایک ڈانٹ ہی کسی قوم اور اس کی تہذیب و ثقافت کے خاتمے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ (وقف غفران ۱۲)

کیا حسرت ہے بندوں پر، جو رسول بھی ان کے پاس آئے وہ ان کے ساتھ استہزاء ہی کرتے رہے۔

رسول، اللہ تعالیٰ بھیجتا رہا ہے، کہ لوگ حق کو سنیں اور عملاً ان کا اتباع کر کے اپنی صداقت پر ان کو شاہد بنائیں۔ اس طرح دنیا و آخرت میں انہیں فلاح حاصل ہوگی۔ مگر افسوس ہے کہ حق کی تکذیب کرنے والے، مرسلین کا مذاق ہی اڑاتے رہے ہیں۔ مرسلین کا مذاق اڑانا وہ قدرِ مشترک ہے، جو مکذبین حق کی نشانی رہی ہے اور انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ جس راستے پر چل

رہے ہیں، اس راستے پر آگے جانے والوں کا انجام بُرا ہو چکا ہے۔

حاصل : تبلیغ حق کرنے والوں کے ساتھ مذاق کرنا بڑی افسوس ناک بات ہے۔ اس کا انجام خسارہ ہی ہوتا ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ان سے قبل ہم نے کتنے قرون کو ہلاک کیا کہ اب وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

شعور کی موجودگی میں ماضی سے سبق سیکھنا اور اپنے حال کو بہتر بنانا عقل مندی کا تقاضا ہے۔ کتنے ہی قرون جانتے بوجھتے ہلاکت کی وادی میں اتر گئے ہیں۔ اللہ نے پہلوں کے ساتھ پچھلوں کو ملا دیا ہے۔ اب وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ اللہ نے جو مہلت ان کو دی تھی، مکذبین حق نے اس مہلت کو غفلت میں پڑ کر ضائع کر دیا۔ اب اگر کوئی ان کے انجام سے سبق نہ سیکھتے ہوئے ہلاکت کی راہ کو اختیار کرے گا تو وہ اپنا ہی برا کرے گا۔

حاصل : اللہ کی قدرت ماضی، حال اور مستقبل، ہر زمانے پر محیط ہے۔ جو قادرِ مطلق پہلے مکذبینِ حق کو ہلاک کر چکا ہے، وہی قادرِ مطلق حال پر مکذبین حق کو ہلاک کر سکتا ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت میں ہی اپنی صداقت کا ثبوت دیا جا سکتا ہے۔

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور وہ سب ہمارے حضور حاضر کیے جائیں گے۔

مکذبینِ حق کو جزا کے لئے مالک یوم الدین کے حضور حاضر کیا جائے گا۔ اس وقت نہ ان کو کوئی جزا سے بچا سکے گا، اور نہ ان کی کوئی مدد ہی ہوگی۔ جزا کا انکار کرنے والے، جزا کو ناقابلِ تردید صورت میں دیکھ لیں گے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہوگی۔ تب مجرم نادم ہوں گے۔ جب ان سے یہ پوچھا جائے گا، کیا یہ حق نہیں ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ وہ عرض کریں گے۔ یقیناً ہے۔ فرمایا جائے گا چکھو عذاب کہ تم حق کو جھٹلاتے تھے۔

حاصل : جزا دینے والے مالک یوم الدین کے حضور حاضری میں مکذبین حق کی مرضی کو کوئی اہمیت حاصل نہ ہوگی۔ حق کو جھٹلانا مکذبین کے لئے ہی باعث خسارہ ہوگا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التغابن (64) میں ارشاد فرمایا ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷﴾

کافر اپنے زعم سے کہتے ہیں کہ وہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے۔ فرما دیجئے کیوں نہیں۔ میرے رب کی قسم یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے۔ پھر تمہیں بتایا جائے گا، جو عمل تم کرتے تھے۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے مُردہ زمین ہے، ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا، تو اسی سے کھاتے ہیں۔

بعث بعد الموت کو ماننا حق کی تکذیب کرنے والوں کے لئے مشکل رہا ہے۔ انہیں ان کے مشاہدے میں آنے والے حقائق کی رو سے یہ بتایا گیا ہے کہ ایک نشانی ان کے لئے مُردہ زمین ہے۔ جو اگانے کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہے، تو اللہ اس کو بارانِ رحمت کے ساتھ زندہ کر دیتا ہے۔ پھر وہی زمین اناج پیدا کرنے لگتی ہے، اور اناج انسانی ضرورت ہے۔ مُردہ زمین کے زندہ کرنے کے مقابل مُردوں کو قبروں سے اٹھانا اللہ کے لئے کیا مشکل ہے۔

حاصل : مُردہ زمین کو بارانِ رحمت سے زندہ کرنا اللہ کا طریقہ ہے۔ زندہ زمین ہی اناج اگا سکتی ہے۔ اناج انسانی ضرورت ہے، بلاواسطہ بھی اور بالواسطہ بھی۔ مُردہ زمین کو زندہ کرنے والا یقیناً مُردوں کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۙ﴿۳۴﴾

اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور ہم نے اس میں چشمے بہائے۔

مُردہ زمین کو زندہ کرنے والے قادرِ مطلق کی شان بیان ہو رہی ہے، کہ وہ زمین میں بارانِ رحمت سے زندگی پیدا کرتا ہے، اور زندہ زمین سے انسانی ضروریات کی انواع و اقسام کو پیدا کرتا ہے۔ اناج کے علاوہ ثمرات بھی پیدا کیے جاتے ہیں۔ کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرنے والا، اللہ ہی ہے۔ زمین میں چشموں کو بہانے والا بھی اللہ ہی ہے۔ کھجور کے پھل کی گٹھلی بڑی سخت ہوتی ہے، اس گٹھلی سے نرم و نازک پودا پیدا کرنے والا قادرِ مطلق ہے۔ انگور کا پھل نازک ہوتا ہے، اس کا بیج بھی کھجور کی گٹھلی کے مقابل بہت نازک ہوتا ہے۔ انگور کو پیدا کرنا بھی اللہ کی شان ہے۔ زمین میں چشمے بہانا بھی اللہ کی شان ہے۔

حاصل : کھجور اور انگور کو کھاتے وقت، خالقِ کل کی قدرت پر بھی نظر کرنی چاہیے، چشموں کو بہتے دیکھ کر اللہ کی قدرت پر بھی نظر کرنی چاہیے۔ قادرِ مطلق کی قدرت کے مظاہر کو دیکھ کر اس کی

قدرت کی حدود کو موضوعِ گفتگو بنانا۔ بڑی جہالت ہے۔

لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾

کہ اس کے ثمر کھائیں۔ اور یہ ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر شکر کیوں نہیں کرتے۔

زمین کی پیداوار انسانوں کے کام آتی ہیں۔ جس زمین سے نباتات پیدا ہوں اسے بلدِ طیّب کہا جاتا ہے۔ دوسری کو بلدِ خبیث کہا جاتا ہے۔ زمین پر بارانِ رحمت ایک جیسی ہو، تو بلدِ طیّب پر اس کے اور اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بلدِ خبیث پر اور اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ وہ نعمتیں جو حضرت انسان کے کام آتی ہیں، حضرت انسان کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی نہیں ہوتیں۔ ان سے انسان کو فائدہ تو پہنچتا ہی ہے۔ جس خالق کل نے ان نعمتوں کو بندوں کے لئے بنایا ہے، اس کا شکر ادا کرنا بندگی ہے۔ اور یہ شکر، شاکر کو ہی فائدہ دیتا ہے مشکور کو تو اس کی احتیاج ہی نہیں۔ کتنا بے ہودہ ہے ناشکرا کہ فائدے کے مقابل خسارے کو اپنے لئے چن لیتا ہے۔

حاصل: نعمتوں کو استعمال کرتے وقت زبان سے اللہ کا شکر ادا کرنا اور عملاً ان نعمتوں کو اللہ کی رضا کے مطابق حق داروں تک پہنچانا شکر ادا کرنے والوں کی طریقت ہے۔ شکر سے شاکر کو فائدہ پہنچتا ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾

پاک ہے وہ ذات جس نے سب جوڑے بنائے، ان چیزوں کے بھی جن کو زمین اگاتی ہے اور خود ان کے بھی، اور ان چیزوں کے بھی جن سے وہ لاعلم ہیں۔

بعث بعد الموت کی حقیقت کی وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ اللہ نے تخلیق کے کام کو ایک مقصد کے ساتھ کیا ہے، بڑے علم سے کیا ہے، اور جوڑے بنا کر کیا ہے۔ نباتات میں تذکیر و تانیث انسان کے مشاہدے میں آتی ہے۔ کہیں مذکر و مؤنث پودے الگ الگ ہوتے ہیں، کہیں ایک ہی درخت پر مذکر و مؤنث پھول الگ الگ ہوتے ہیں، اور کہیں ایک ہی پھول میں مذکر و مؤنث حصے پائے جاتے ہیں۔ بیج سے پودا بنانے والا یقیناً مُردے زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ انسانوں کے جوڑے بنانے والا بھی اللہ ہی ہے۔ اس نے بغیر ماں باپ کے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے۔ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ہے، اور ماں باپ کے ساتھ بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں، جن کے بارے میں بندوں کو علم نہیں ہے۔ ان چیزوں کی اہمیت تو ہوتی ہی ہے کہ اللہ نے انہیں علم و حکمت سے پیدا کیا ہوتا ہے۔ وہ چیزیں کس طرح انسانی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، اور کس

طرح اپنی نوع اور مقدار کو انسانی بھلائی کے لئے مطلوبہ معیار پر رکھتی ہیں، بندوں کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہ لاعلمی کم و بیش ہر زمانے میں رہی ہے اور رہے گی۔

حاصل : خالق کل کی قدرت کے مشاہدات کے حوالے سے، جوڑے نظر آتے ہیں۔ نباتات میں بھی، حیوانات میں بھی انسانوں میں بھی اور ان چیزوں میں جوڑے ہیں جن کا انسان کو علم نہیں ہے۔ دنیا کے ساتھ آخرت ملے تو جوڑا بنتا ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ﴿۳۷﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے، ہم اس پر سے دن کو کھینچ لیتے ہیں، تو جبھی وہ اندھیروں میں ہوتے ہیں۔

مظاہر قدرت، قادر مطلق کا پتہ دیتے ہیں۔ اس قادرِ مطلق کے بارے میں یہ یقین ہو جائے کہ وہ بعث بعد الموت پر قادر ہے، تو جزا کے انکار کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اور جزا کے انکار سے ہی سب فسادات جنم لیتے ہیں۔ رات، زندگی کی بڑی ضرورت ہے۔ اللہ نے ہی بنائی ہے۔ جب اس پر سے دن کا غلاف اتار دیا جاتا ہے تو اندھیرا ہو جاتا ہے، اور جب آنکھیں کھولنے والا غلاف اس پر چڑھا دیا جاتا ہے تو روشنی ہو جاتی ہے۔ جس کی قدرت ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے، اس کی قدرت کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ مُردوں کو زندہ نہیں کر سکتا، عدم تدبر ہے۔

حاصل : رات کی زندگی میں بڑی اہمیت ہے۔ رات کا لانے والا اللہ ہی ہے۔ رات اور دن کو ایک دوسرے سے نکالنے والا وہ قدرت رکھتا ہے جو اسی کی شان کے لائق ہے۔ قادر مطلق کے لئے مُردوں کو زندہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ۭ

اور شمس اپنے معیّن مدار پر چلتا رہتا ہے۔ یہ تقدیر ہے، عزّت والے، علم والے کی۔

خالق کل نے ہر شے کو ایک قدر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ کسی شے کی مقدار کو ان حدود سے متجاوز ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی، جو حدود، اللہ نے اس شے کے لئے مقرر کی ہیں۔ سورج کو ایک معین مدار پر چلایا گیا ہے۔ مشارق میں دو مقررہ حدود کے درمیان طلوع کے مقامات ہیں، اور مغارب میں اسی طرح غروب کے مقامات ہیں۔ عزت والے۔ زبردست قدرت والے، علم والے خالقِ کل نے یہ سب ایک منصوبے کے ساتھ کیا ہے۔ کسی قوت کے بس نہیں ہے کہ اس تقدیر میں سرِمو تبدیلی لا سکے۔

حاصل : سورج کا اپنے معیّن مدار پر چلتے رہنا، اس کائنات میں اللہ کی مقرر کردہ ایسی بڑی تقدیر ہے کہ اس کی روشنی میں ہم آسانی سے اپنے مقام اور حیثیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾

اور قمر کے لئے منازل ٹھہرائیں حتیٰ کہ قدیم شاخ کی طرح ہو گیا۔

سورج گھٹتا بڑھتا نہیں ہے، چاند گھٹتا بڑھتا ہے۔ اس کی اٹھائیس منازل ہیں۔ ہر شب ایک منزل میں ہوتا ہے۔ نہ اس سے زیادہ طے کرتا ہے نہ اس سے کم طے کرتا ہے۔ تاریخ طلوع پہلی منزل میں ہوتا ہے۔ اٹھائیسویں تاریخ کو آخری منزل میں ہوتا ہے۔ اگر مہینہ 29 دن کا ہو تو ایک دن چھپتا ہے۔ 30 دن کا ہو تو دو دن چھپتا ہے۔ آخری منزل میں کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ وقت کے تعیّن کے لئے تقویم کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے فراہم کی ہے، اور یہ بہترین بنیاد ہے۔ اقوامِ عالم کو باہمی معاملات کے لئے وقت کا تعیّن قمری حوالے سے کرنا چاہئے، اس سے بہت آسانیاں حاصل ہوں گی۔

حاصل : چاند گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اس کی منازل مقرر ہیں۔ وقت کے تعیّن کی بنیاد قمری حوالے سے ہو تو لوگوں کو بڑا سکھ ملے گا۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

نہ شمس، قمر کو پکڑ سکتا ہے، اور نہ رات دن پر سبقت کر سکتی ہے۔ ہر ایک اپنے دائرے میں گردش کر رہا ہے۔

سورج اپنے مدار پر امرِ الٰہی کے مطابق اپنی حرکت کو جاری رکھتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ وہ چاند کے مدار میں جا گھسے اور نظامِ کائنات کو درہم برہم کر دے۔ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا آنا بھی انسانی مشاہدے میں آتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ رات، دن پر سبقت کر جائے۔ ہر ایک کا اپنا دائرہ ہے۔ امرِ الٰہی کے مطابق اس دائرے میں اپنی حرکت کو جاری رکھنا اس کے ذمے ہے۔ اس خاص دائرے سے کسی حرکت کرنے والے کا بہت تھوڑا سا انحراف بھی اس کائنات کے نظام کو برباد کر سکتا ہے۔ اللہ کی قدرت نظامِ کائنات کے تحرک میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حاصل : اپنے مقصدِ حیات کو دیکھتے ہوئے، سلامتی کے راستے پر رہنا چاہئے جسے اللہ نے ہمارے لئے صراطِ مستقیم بنایا ہے، ورنہ خرابی سے بچنا ممکن ہی نہ ہو گا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ

اور ان کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں

الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ اٹھالیا۔

نسلِ آدم کے حوالے سے اللہ کی قدرت کی نشانی دیکھئے، کہ حضرت نوح علیہ السلام نے علمِ الٰہی کے مطابق کشتی بنائی، اور اس میں اپنے پاک ساتھیوں کو سوار کیا، اوران چیزوں کو بھی محفوظ کیا، جو انسانی زندگی کے لئے بالواسطہ اور بلاواسطہ ضروری تھیں۔ اس طرح زمین کو طوفانِ نوح کے بعد دوبارہ آباد کیا گیا۔ ایک کشتی میں محفوظ کیے گئے لوگوں سے پھر زمین کو بسایا گیا۔ قادرِ مطلق کی شان کو اس نشانی میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حاصل : ماضی میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ صراطِ مستقیم سے انحراف کرنے والے برباد ہوتے رہے ہیں، اور صراطِ مستقیم پر رہنے والے بچائے جاتے رہے ہیں۔

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ اور ہم نے ان کے لئے اس کی مثل بنا دیں، جن پر سوار ہوتے ہیں۔

بحری سفر کے لئے حضرت انسان نے حضرتِ نوح علیہ السلام کی کشتی کو دیکھنے کے بعد اپنے لئے ایک نیا باب کھلا ہوا پایا۔ سامان کی نقل و حمل جس قدر بحری جہازوں سے ہوتی ہے، وہ سرے کسی ذریعے سے نہیں ہوتی۔ کشتی انسانی ضرورت ہے۔ اللہ نے اس کے ارکان کو بھی پیدا کیا ہے۔ اس کی ضرورت کا احساس بھی پیدا کیا ہے۔ بندے کو وہ صلاحیت بھی دی ہے جس سے وہ منشاءِ تخلیق کو ملحوظ رکھ کر بہتر شے کو بنا سکتا ہے۔ اس طرح خالقِ حقیقی تو اللہ ہی ہے۔ بحری سفر کے لئے جو کچھ بھی ہمیں حاصل ہے، یہ یقیناً عطاءِ الٰہی ہے، اور اللہ کی قدرت کی یہ نشانیاں ہمارے لئے باعثِ ہدایت ہونی چاہئیں۔

حاصل : بحری سفر کے تمام ذرائع کشتی کی مثل ہی ہیں۔ ہمیں عطاءِ الٰہی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں، تو نہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچے اور نہ وہ بچائے جائیں۔

بحری سفر کے لئے یا سامان کی نقل و حمل کے لئے جو ذرائع بھی حضرت انسان کے استعمال میں ہیں قطعاً اللہ کی قدرت کے احاطے میں ہیں۔ اللہ ان کو غرق کرنا چاہے تو کوئی قوت، کوئی تدبیر ان کو بچا نہیں سکتی۔ نہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچ سکتا ہے، نہ کوئی انہیں بچا سکتا ہے۔

حاصل : ہمیں مطلوبہ مقامات پر بخیریت پہنچانے والا اللہ ہی ہے۔ ہماری بھلائی کا تقاضا یہی ہے کہ

ہم حکمِ الٰہی کے مطابق رہیں ہر مقام پر۔

اِلَّا رَحۡمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۴۴﴾ مگر اپنی رحمت سے اور ایک وقت تک متاع دینے کے لئے۔

خلافِ حق کرنے والوں کو عذاب میں پکڑنا اللہ کے لئے ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ اصلاحِ حال کے لئے وقت بھی دیتا ہے، متاع بھی دیتا ہے۔ اگر کوئی غفلت میں پڑا رہے تو وہ رحمتِ الٰہی سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے ختم ہونے کے بعد اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

حاصل : سزا دینے میں جلدی کرنا اللہ کی سنت نہیں ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو اصلاح کے لئے وقت بھی دینا چاہئے، اور ان کے ساتھ مہربانی کا رویہ بھی رکھنا چاہئے۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمُ اتَّقُوۡا مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡكُمۡ وَمَا خَلۡفَكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۴۵﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے، ڈرو اس سے جو تمہارے سامنے ہے، اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم ہو۔

سمندر میں غرق کرنے کی قدرت رکھنے والا، خشکی پر بھی قادرِ مطلق ہے۔ اس کے لئے زمین پر خلافِ حق کرنے والوں کو عذاب میں پکڑنا کیا مشکل ہے۔ ان پر عذاب زمین سے بھی آسکتا ہے، آسمان سے بھی آسکتا ہے، کہ سب کچھ قادرِ مطلق کے احاطہ قدرت میں ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتا۔ اللہ کی گرفت سے ڈرنا بندے کے لئے باعثِ رحم ہوتا ہے۔ عذابِ الٰہی سے ڈرنے والا، اصلاح میں اپنی بھلائی دیکھتا ہے، اور اصلاح کو قبول کر لیتا ہے۔

حاصل : اللہ کی گرفت سے ڈرنے والے پر رحم کیا جاتا ہے۔ ایسا بندہ خلافِ حق کرنے سے رک جاتا ہے، پھر اصلاح کو قبول کرنے میں اسے اپنی بھلائی نظر آتی ہے۔

وَمَا تَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ اٰیَةٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۴۶﴾ اور ان کے رب کی نشانیوں سے ان کے پاس کوئی نشانی بھی آتی ہے تو اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔

منکرینِ حق کے پاس ان کے رب کی نشانیاں آتی ہیں۔ ان کے مشاہدے میں ایسے حقائق آتے ہیں، کہ طلبِ ہدایت رکھنے والے کو ان حقائق سے فائدہ پہنچتا ہے۔ مگر منکرینِ حق کا رخ درست نہیں ہوتا، اس لئے یہ اپنے رب کی کوئی نشانی بھی دیکھ

لیں، یہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔

حاصل : اپنے ربّ کی نشانیوں کو دیکھ کر اصلاحِ حال سے غافل رہنا اور ان سے اعراض کرنا، منکرینِ حق کا طریقِ زندگی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے اس کے لئے خرچ کرو، تو کافر ایمان والوں سے کہتے ہیں، کیا ہم اسے طعام دیں جسے اللہ چاہتا تو طعام دے دیتا، تم تو صریح گمراہی میں ہو۔

اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، تو یہ ایمان کے دعوے کی صداقت کا ثبوت ہوتا ہے، کہ عمل سے قول کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ منکرینِ حق کے اعمال کو شیطان مزین کر کے ان کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ جب ان سے یہ کہا جائے کہ محتاجوں کو طعام دیا کرو، تو وہ کہتے ہیں: ہم اللہ کی مشیّت کے خلاف نہیں کرتے۔ اگر اللہ کی مشیّت یہ ہے کہ یہ لوگ محتاج رہیں تو ہم ان کو طعام کیوں دیں، اور اگر اللہ ان کو ہماری طرح نواز دے تو پھر ان کو ضرورت ہی نہ رہے گی۔ ہمارے نزدیک اللہ کی مشیّت کے خلاف کرنا صریحاً گمراہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مقامِ صبر پر بھی لوگوں کو دیکھا جاتا ہے، مقامِ شکر پر بھی لوگوں کو دیکھا جاتا ہے۔ نہ ہونے کے مقام پر صبر کیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم عطا ہونے والا ہے جس کے لئے ان حالات سے گزارا جا رہا ہے، اور ہونے کے مقام پر اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق خرچ کیا جائے، تو صداقت روشن ہو جاتی ہے۔ توفیق دے کر یہ دیکھنا کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو کیسے استعمال کیا جاتا ہے، یہ بھی اللہ کی مشیّت ہے۔

حاصل : اللہ کا دیا ہوا رزق ہمیشہ پاک ہوتا ہے۔ پاک رزق ہی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ ناداروں کو آسانیاں مہیا کرنا کہ وہ بندگی کا حق بہتر طور پر ادا کر سکیں اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے۔ اللہ کی مشیّت کو اپنے حال کے حوالے سے دیکھنا چاہیئے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور وہ کہتے ہیں، یہ وعدہ کب آئے گا، اگر تم سچے ہو۔

منکرینِ حق کو ہر زمانے میں جہالت کا اظہار کرتے ہوئے پایا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: لے آیئے وہ عذاب جس سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں، یا بتایئے وہ کب آئے گا، ہم اس عذاب کو ہی آپ کی صداقت کی سند مانیں گے۔ دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ اس

وقت حق کو مان لینا کسی کو نفع نہیں دیتا اور عمل کے لیے دیئے گئے وقت کے ختم ہو جانے کے بعد کسی کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

حاصل : جہالت کے ساتھ بات کرنا منکرین حق کا طریقہ رہا ہے اور رہے گا۔ حق کو ماننے والے لوگ کبھی ایسا نہیں کرتے۔

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾

راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چنگھاڑ کی جو ان کو آپکڑے گی جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔

عذابِ الٰہی کے آنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ وہ تو ایک چنگھاڑ ہوگی، جو منکرین کو آپکڑے گی، اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ اللہ کو اس کے لیے کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ قادرِ مطلق ہے۔ ماضی میں وہ منکرینِ حق کو ہلاک کر چکا ہے۔ اس کے لیے منکرینِ حق کو کسی بھی مقام پر کسی بھی حال میں پکڑنا مشکل نہیں ہے۔

حاصل : منکرینِ حق کو عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں اتمامِ حجت کے حوالے سے ان آسائشوں سے بھی نوازا جاتا ہے، جو اللہ کے نزدیک ضروری ہوتی ہیں۔ عذابِ الٰہی کو آتے دیر نہیں لگتی اس لئے اصلاحِ حال سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۱۸

پھر انہیں وصیّت کرنے کی استطاعت بھی نہ ہو گی اور نہ وہ اپنے اہل کی طرف لوٹ کر جا سکیں گے۔

اللہ کی ذات ایسی ہوگی کہ وہ اچانک پکڑ لئے جائیں گے اور بجھا دیئے جائیں گے۔ وہ اپنے پیچھے والوں کے لئے کوئی وصیّت نہیں کر سکیں گے۔ اور نہ ان کی طرف لوٹ کر جانا ان کے بس میں ہو گا۔ جس حق کے انکار پر وہ سب کچھ لگاتے رہے۔ وہ حق ایسی صورت میں ان کو گھیرے گا کہ وہ اس کو مان تو لیں گے مگر خسارے سے نہ بچ سکیں گے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کو موضوعِ بحث بنانا بڑی حماقت ہے۔ عذابِ الٰہی لوگوں کو بجھانے کے لئے ہو، مٹانے کے لئے ہو تو وہ انہیں بات کرنے کی مہلت بھی نہیں دیتا، اپنے مقام سے ہٹنے کا موقع بھی نہیں دیتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان (25) میں ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

فرما دیجئے تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے نزدیک اگر تم اسے نہ پکارو، تو بے شک تم نے اس کی تکذیب کی، تو اب ہو گا وہ عذاب کہ لپٹ کر رہے گا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿۵۱﴾

اور صور پھونکا جائے گا، تو جبھی وہ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے۔

جس طرح عذاب الٰہی اچانک آجاتا ہے۔ اور ایک چنگھاڑ سے کسی قوم کو بجھا دینا اللہ کے لئے کبھی مشکل نہیں ہوا، اسی طرح قیامت کے برپا کرنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کو کسی تیاری کی ضرورت نہ ہو گی۔ بس ایک آواز سے ہی وہ برپا ہو جائے گی، اور بعث بعد الموت کا مقام آجائے گا۔ لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے۔ اور ایک لمحے میں وہ سب کچھ ہو جائے گا جس کو حق کی تکذیب کرنے والے ناممکن کہا کرتے تھے۔

حاصل : قیامت، اللہ کے حکم سے آئے گی اور اس کے واقع ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۲﴾

کہیں گے ہائے خرابی ہماری، کس نے ہمیں ہمارے مرقد سے اٹھا کھڑا کیا۔ یہ ہے وہ جس کا الرحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور مرسل سچے تھے۔

بعث بعد الموت کا انکار کرنے والے قیامت کے دن جب اٹھا دیئے جائیں گے تو جس دن کے انکار میں ان کی متاع حیات ختم ہوئی ہوگی، اس دن کو سامنے پاکر وہ انتہائی افسوس میں مبتلا ہو جائیں گے، اور کہیں گے۔ یہ کیا ہو گیا، یہ کس نے کر دیا۔ (یہاں پر وقف لازم ہے)۔ ندائے حق سے جواب ملے گا۔ یہی وہ دن ہے، جس کا جزا کے لئے الرحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا۔ یہی وہ وقت ہے مرسلین جس سے آگاہ کرتے رہے۔

حاصل : بعث بعد الموت کے انکار کی حقیقت خرابی میں پڑنا ہے، اس کا پتہ قیامت کو لگے گا۔ خرابی سے بچنے کا وقت حال پر اللہ کی طرف سے دی گئی مہلت ہے۔

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۵۳﴾

بس وہ ایک چنگھاڑ ہو گی جبھی وہ ہمارے حضور حاضر کر دیئے جائیں گے۔

قیامت کا قائم ہونا وہ حقیقت ہے، جس کو مان لینے کے بعد خلافِ حق کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اللہ کے امر سے اس کو قائم ہونے میں دیر نہیں لگے گی، اور اس کے ساتھ ہی منکرینِ قیامت، اللہ کے حضور مجرموں کی طرح حاضر کر دیئے جائیں گے۔ نہ کوئی بھاگ سکے گا، نہ کوئی چھپ سکے گا۔

حاصل : مجرموں کو اللہ کے حضور، حاضر کیے جانے کے عمل میں دیر نہیں لگے گی۔ بس ایک ڈانٹ کے ساتھ ہی وہ سب کچھ ہو جائے گا، جس کو مجرم ناممکن جانتے رہے ہوں گے۔

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

تو آج کے دن کسی پر کچھ ظلم نہ ہو گا، اور تمہیں اسی کی جزا دی جائے گی جو تم کرتے رہے ہو۔

قیامت کے دن جزا دینے والا، اللہ ہو گا، جو سب سے بڑے علم والا ہے۔ اس لئے عدل کی اکمل صورت قائم ہو گی۔ اس دن کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دی جائے گی۔ کوئی اپنے کیے کا انکار کرے گا تو اس کے اعمال اس کے سامنے کر دیئے جائیں گے، اس کے اعضاء گواہی دیں گے کہ وہ عمل اس نے کیے تھے۔

حاصل : کسی پر ظلم کرنا اللہ کو نہ ماننے کا ثبوت ہے۔ بندے کو اس کے اعمال کے مطابق پوری پوری جزا دینا اللہ کی شان ہے۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾

بے شک جنت والے آج کے دن مسرتوں میں مشغول ہوں گے۔

جنت والے لوگ قیامت کے دن مسرتوں میں مشغول ہوں گے، کہ وہ اس دن پر یقین رکھتے تھے۔ ان کے اعمال جزا کے یقین پر مبنی تھے، اس لئے جزا کا دن ان کے لئے مسرتوں میں مشغول ہونے کا دن ہو گا۔ اطمینانِ قلب اور انبساط اس قدر ہو گا کہ ماضی کے مصائب یاد نہیں آئیں گے۔

حاصل : اللہ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان ملتا ہے۔ قیامت کے دن بھی جنّت والے مسرتوں میں مشغول ہوں گے۔

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾

وہ اور ان کی ازواج سایوں میں ہیں، تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے۔

اہلِ جنت کی مسرتوں کو واضح فرمایا گیا ہے، کہ وہ اور ان کی پاک بیویاں سایہ دار باغوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔ حیاتِ دنیا میں پاکیزگی کے ساتھ وقت گزارنے والوں کو اور بحیثیت مسلمان اس دنیا سے رخصت ہونے والوں کو یہ راحتیں نصیب ہوں گی۔ یہ لوگ خدائی مہمان ہوں گے۔

حاصل : پاک لوگوں کی عزت افزائی کے لئے موزوں بندوبست کرنا چاہئے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی سنّت ہے۔

لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدَّعُونَ ﴿۵۷﴾ ان کے لئے اس میں میوہ ہے اور ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں۔

اہلِ جنّت کو ثمرات سے نوازا جائے گا اور حیاتِ دنیا میں اپنی پسند کو اللہ کی رضا کے مطابق رکھنے کا انعام یہ ملے گا کہ جنت میں جو وہ چاہیں گے، اللہ انہیں وہی عطا فرمائے گا۔ پاک کی طلب ہمیشہ پاکیزگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، اور اللہ کی عطا تو پاک ہی ہوتی ہے۔

حاصل : پاک لوگوں کو سکھ دینا چاہئے۔ ان کی پسند اللہ کی رضا کے مطابق ہوتی ہے، اس لئے ان کی پسند کی قدر کرنی چاہئے۔

سَلَٰمٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿۵۸﴾ ربِّ رحیم کی طرف سے سلام بولا جائے گا۔

رضاء الٰہی کے حصول کی یہ سند پاک لوگوں کو نصیب ہوگی، کہ انہیں ربِ رحیم کا سلام پہنچایا جائے گا۔ روح کو جو راحت اس سلام سے ہوگی، روح کے لئے اس سے بڑا کوئی انعام نہیں ہے۔ یہ سلام مومنین کی فلاح کا اعلان ہو گا۔ اس سلام سے ان کی دائمی پاک دامنی کی تصدیق ہوگی، شاہدین کی معیّت میں پورا رہنے کی تصدیق ہوگی۔ مالکِ کل کی طرف سے سلام اس بات کا ثبوت ہو گا، کہ بندے کو جس معصومیت کے ساتھ دنیا میں بھیجا گیا تھا، بندہ اسی معصومیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں واپس آیا ہے۔ اس راحت کو محسوس کیا جا سکتا ہے، یہ راحت بیان میں کب آ سکتی ہے۔

حاصل : ربِّ رحیم کی طرف سے سلام کا آنا، مومنین کے لئے سب سے بڑی راحت ہوگی۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۹﴾ اور اے مجرمو آج تم الگ ہو جاؤ۔

حیاتِ دنیا میں کفر، فسوق اور عصیان کی راہ کو اختیار کرنے والے مجرم ہیں۔ قیامت کے دن ان کو مومنین سے الگ ہو

جانے کا حکم دیا جائے گا۔ یہ حیات دنیا میں مومنین سے اس لئے الگ نہیں کئے گئے کہ اصلاحِ حال کے لئے دیئے گئے وقت میں اللہ کو حجت پوری کرنی تھی۔ مجرموں کی جزا کے لئے ان کو پاک لوگوں سے الگ ہو جانے کا حکم دیا جائے گا. تو یہیں سے مجرموں کو ان کے کئے کی جزا ملنی شروع ہو جائے گی، کہ یہ ان کی تذلیل کی ابتدا ہوگی۔

حاصل : پاک لوگوں سے الگ ہو جانے کے حکم سے مجرموں کی تذلیل شروع ہو جاتی ہے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌۙ ﴿۶۰﴾	اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں تاکید نہ کی تھی، کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا. بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

مجرموں کو الگ ہو جانے کا حکم دینے کے بعد ان سے فرمایا جائے گا، اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا، اس کا اتباع نہ کرنا، کبھی من مانی نہ کرنا، کہ اس سے تم خسارے میں جا پڑو گے، اور شیطان تمہارے ساتھ دشمنی کرنے میں کبھی غفلت نہیں برتے گا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

حاصل : بنی آدم کو اس حقیقت سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے، کہ شیطان ان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ بُرائی اور بے حیائی کا امر کرتا ہے اور اس کا کہا ماننے والا ہمیشہ خسارے میں پڑتا ہے۔

وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾	اور یہ کہ میری بندگی کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے۔

وقف غفران ۱۳

اللہ خالقِ کل ہے، مالکِ کل ہے، رب العالمین ہے، علیم مطلق ہے، قادرِ مطلق ہے۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ اس نے اپنی بندگی کی طریقت کو شاہدین کے حوالے سے روشن کر دیا ہے۔ اللہ کی بندگی ہو تو من مانی نہیں ہو سکتی۔ من مانی کی جائے تو اللہ کی بندگی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صراطِ مستقیم کو روشن کر دیا گیا ہے۔ جو شعور کے ساتھ اس راستے کو اختیار کرے گا، وہی اس کی برکات سے فیض یاب ہو گا۔ راستے کی باتیں کرتے رہنے سے راستہ طے نہیں ہوتا۔

حاصل : بنی آدم کو صراطِ مستقیم کے جاننے میں کبھی مشکل پیش نہیں آ سکتی، کہ اللہ کی بندگی طبعی طور پر بندے کے لئے آسان ہوتی ہے۔ من مانی کرنے والا، شیطان کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور صراطِ مستقیم سے دور ہوتا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾	اور اس نے تم میں سے کثیر خلقت کو بہکا لیا۔ تو کیا تمہیں عقل نہ تھی۔

بنی آدم کو عقل کرنی چاہئے۔ دوست اور دشمن کے درمیان وقف کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ شیطان لوگوں کے سامنے ان کی پسند کے حوالے سے ترغیبات کے جال پھیلاتا ہے، لوگ ان میں پھنس جاتے ہیں، اور یہ بھول جاتے ہیں کہ شیطان ان کا کھلا دشمن ہے۔ عقل مندی یہ ہے کہ جو ہمیں ہماری خواہش کے حوالے سے خلافِ حق کرنے کی ترغیب دے اس کو ہم اپنا کھلا دشمن جانیں، اور جو ہمیں خلوت و جلوت میں حق کے مطابق رہنے کی تاکید کرے اور دائی پاک دامنی کو بندے کی شان بتائے، وہ ہمارا بہی خواہ اور دوست ہے۔

حاصل : دوست اور دشمن کے درمیان وقف کو نظر انداز کرنا خلافِ عقل ہے۔ خلافِ حق کرنے کی ترغیب دینے والا ہمیشہ ہمارا دشمن ہوتا ہے، اور حق کے مطابق رہنے کی تاکید کرنے والا ہمارا دوست ہوتا ہے۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ یہ ہے جہنم جس کا تم سے وعدہ تھا۔

مجرمین کو یاد دلایا جائے گا کہ شاہدین تمہیں خلافِ حق کرنے کے انجام سے ڈراتے تھے، اور تمہیں بتاتے تھے کہ خلافِ حق کرنے کی جزا جہنم کی آگ ہے۔ تم جزا کو مانتے نہیں تھے اور خلافِ حق کرنے سے رکتے نہیں تھے۔ تو یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ تھا۔

حاصل : جو ہمارا بہی خواہ ہے، اس کی بات اللہ کی بات ہے۔ اس کا وعدہ ہمیشہ حق کے حوالے سے ہوتا ہے، اور اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ آج اسی میں جاؤ اس لئے کہ تم کفر کرتے تھے۔

جہنم کے سامنے مجرمین کو کھڑا کر کے پوچھا جائے گا، کیا یہ حق نہیں ہے۔ وہ کہیں گے یقیناً ہے۔ حکم ہو گا، آج اسی میں جاؤ کہ تم اس کا انکار کرتے تھے، اور خلاف حق کرتے تھے، تو اب تم اپنے کئے کی جزا پاؤ۔

حاصل : حق کو ماننا یا اس کا انکار کرنا بندے کے بس میں ہے۔ ماننے والا ماننے کی جزا پائے گا، انکار کرنے والا انکار کی جزا پائے گا۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو کسب

وہ کرتے تھے۔

قیامت کے دن مجرموں کے مونہوں کو بند کر دیا جائے گا، ان پر مہر کر دی جائے گی، کہ ان سے کچھ پوچھنا نہیں ہو گا۔ ان کے ہاتھ بتائیں گے وہ کیا کرتے رہے۔ ان کے پاؤں بتائیں گے وہ کدھر کو جاتے رہے۔ جب اعضاء کو گواہی دینے کا حکم ہو گا، تو وہ امرِ الٰہی سے نطق کریں گے، اور بتائیں گے جو کسب وہ کرتے تھے۔ اس گواہی کا انکار تو ممکن ہی نہ ہو گا۔

حاصل : جو مونہہ خلافِ حق بولتا رہے، اس کی گواہی بے معنی ہو جاتی ہے۔ ایسے فرد کے خلاف اس کے اعضاء بھی امرِ الٰہی کے مطابق گواہی دیں گے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾

اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں مٹا دیں، پھر رستہ پانے کو دوڑیں تو کہاں سے بصارت پائیں۔

آنکھیں اللہ کی عطا ہیں۔ ان سے بندے کو بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ماحول کے ساتھ اپنے تعلق کو درست رکھنے کے لئے بصارت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ سلامتی کے حصول میں بصارت کی اہمیت واضح ہے۔ زینتِ حیاتِ دنیا کو تصرف میں لانے کے لئے بصارت کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اللہ کی عطا، اللہ کی مشیّت سے مٹ بھی سکتی ہے، پھر کوئی ذریعہ اس کے حصول کا ہو ہی نہیں سکتا۔ آنکھوں کے روزمرہ استعمال سے ان کی قدر و منزلت کو دیکھتے ہوئے، عطا کرنے والے قادرِ مطلق سے اپنے تعلق کو بھی دیکھنا چاہئے۔ شکر گزار اور ناشکرے کبھی برابر نہیں ہوتے۔

حاصل : آنکھوں کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام سکھانا چاہئے۔ بصارت عطا کرنے والا اسے مٹانا چاہے تو وہ کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ ع

اور اگر ہم چاہیں تو ان کے مکانات پر ان کو مسخ کر دیں پھر نہ انہیں آگے جانے کی استطاعت ہو نہ مراجعت کی۔

بندے کو اعضاء کے حوالے سے جو قدرت حاصل ہوتی ہے وہ اللہ کی مشیّت کے سامنے بالکل ہیچ ہوتی ہے۔ اللہ چاہے تو جہاں کی تمام صورتوں کو مسخ کر دے پھر وہ اپنے مقام سے آگے بھی نہ جا سکیں، اپنے مقام سے پیچھے بھی نہ جا سکیں۔ اس سے روشن ہوا کہ خلافِ حق کرنے والوں کی صورتوں کو مسخ نہ کرنا، اللہ کی مہربانی کی بدولت ہے۔

حاصل : اللہ کسی صورت کو مسخ کرنا چاہے تو اس کو دیر نہیں لگتی۔ ہمیں اعضاء و قویٰ کے حوالے

سے اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ ہم جو بھی کرتے ہیں، اللہ کی دی ہوئی استطاعت سے ہی کرتے ہیں، اس لئے خلاف حق نہیں کرنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فصلت (حٰم سجدہ) میں ارشاد فرمایا ہے۔

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۱۵﴾

تو جو عاد تھے وہ زمین میں ناحق انتکبار کرنے لگے، اور کہنے لگے کون ہم سے قوت میں بڑھ کر ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے، ان سے قوت میں اشد ہے۔ وہ تھے ہماری نشانیوں سے منکر۔

وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۶۸﴾

اور جسے ہم بڑی عمر دیتے ہیں، اسے خلق میں پیچھے لوٹا دیتے ہیں۔ تو کیا وہ عقل نہیں کرتے۔

انسانی زندگی کی ابتداء ضعف سے ہوتی ہے، پھر بتدریج اسے قوت دی جاتی ہے، قوت کے عروج کے بعد پھر اس پر ضعف اور بڑھاپے کا مقام آتا ہے۔ جن لوگوں کو ارذل عمر تک پہنچایا جاتا ہے وہ ایسے مقام پر ہوتے ہیں کہ جاننے کے بعد کچھ نہیں جانتے۔ جس قادر مطلق نے وہ قوتیں بندے کو عطا کی ہیں، جن پر بندہ ناحق انتکبار کرنے لگتا ہے، وہ قادر مطلق ان قوتوں کو پیچھے لوٹا دینے کا مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے۔ عقل کرنے والے کو یہ نظر آنا چاہئے، کہ قوتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں، اسی کے حکم کے مطابق استعمال کی جائیں تو بھلا ہوتا ہے۔

حاصل : عقل کرنا بندگی کا حصہ ہے۔ عقل کرنے والے کو اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے، اپنی قوتوں کو حق کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔ اپنی قوتوں پر ناحق اترانے والا عقل مند نہیں ہوتا۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴿۶۹﴾

اور ہم نے آپ کو شعر کہنے کی تعلیم نہیں دی اور یہ آپ کی شان کے لائق بھی نہیں، یہ تو ہے نصیحت اور روشن قرآن۔

قرآن پاک کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کو دیکھتے ہوئے، اس میں ایک نظم کو دیکھتے ہوئے، لوگ اسے شعر کا نام دے دیتے ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ درجہ شان رسالت کے منافی ہے۔ قرآن پاک صریحاً نصیحت ہے اور طلب ہدایت رکھنے والوں کے لئے روشن بیان ہے۔ شعر کا تعلق انسانی جذبات سے ہوتا ہے، مبالغے سے ہوتا ہے، خیالاتی پرواز سے ہوتا ہے، مفروضات سے

ہوتا ہے۔ حقائق کو اگر شعروں میں بیان کیا جائے تو کچھ الفاظ ضرور شامل بیان ہو جاتے ہیں جو حق کو بیان کرنے کے لئے ضروری نہیں ہوتے. اور قرآن پاک قطعاً حقائق پر مشتمل ہے اس لئے اس میں شعر کا کوئی مقام ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : نصیحت کو اور روشن بیان کو شعر کہہ کر اس سے اعراض کرنا، عقل مندی نہیں ہے۔ حقائق کو شاہد کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو نور ہدایت عطا ہوتا ہے۔

لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾

تاکہ ڈر سنائے اس کو جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت پوری ہو جائے۔

مقصدِ تخلیق کو ماننے والا زندہ ہوتا ہے، اصلاحِ حال کی ضرورت اس پر بالکل واضح ہوتی ہے. اس لئے وہ انذار سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں وہ معنوں کے اعتبار سے مُردہ ہوتے ہیں۔ ان کو انذار سنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت پوری کی جارہی ہوتی ہے۔

حاصل : باحقیقت زندہ ہے، بے حقیقت مُردہ ہے، عمل کی کوئی صورت ہو۔ باحقیقت طلبِ ہدایت رکھتا ہے، اس لئے ہدایت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ بے حقیقت پر انذار کا بیان حجت پوری کر دیتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿٧١﴾

کیا دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے ان کے لئے چوپائے پیدا کئے، پھر وہ ان کے مالک ہیں۔

انسانی ضروریات میں چوپائے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ خوراک کے طور پر کام آتے ہیں، کچھ زراعت میں کام آتے ہیں۔ کچھ بار برداری کے کام آتے ہیں، کچھ سواری کے طور پر کام آتے ہیں۔ اور پھر انسانوں کے مابین ان کا لین دین بصورتِ تجارت بھی ہوتا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے استفادہ کرتے ہوئے معطیِ مطلق کی طرف بھی دیکھنا چاہئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے، کہ اس نے ہمارے لئے کتنی آسانیاں رکھی ہیں۔

حاصل : ہمارے لئے چوپائے اللہ کی بنائی ہوئی نعمت ہیں۔ ان کو حق کے مطابق پالنا، سنبھالنا اور ان سے خدمت لینا درست ہے۔ ہمیں اللہ نے ان کا مالک بنایا ہے تو ہمیں اللہ کا شکر گزار بھی ہونا چاہئے۔

وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا

اور انہیں ان کے آگے عاجز کر دیا، تو ان

يَأْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ میں سے کوئی ان کی سواری ہے اور کسی کو کھاتے ہیں۔

چوپایوں کو انسانوں کے سامنے عاجز کر دینا، انھیں انسانوں کا مطیع بنا دینا، اللہ کی قدرت ہے۔ ان میں سے کچھ انسانوں کو سواری کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً اونٹ، گھوڑے، گدھے وغیرہ۔ ان میں سے ہر سواری اپنے اپنے محل پر بڑی آرام دہ اور مفید ہوتی ہے۔ بعض چوپائے انسانی خوراک میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً گائے، بھینس، اونٹ، بھیڑ، بکری وغیرہ۔ اللہ نے انسانوں پر جو عنایات کی ہیں، ان سے استفادے کو اپنا حق جاننا اور عطا کرنے والے کی ناشکری کرنا جہالت ہی کہلائے گا۔

حاصل : سواری میں کام آنے والے چوپائے، خوراک کے طور پر کام آنے والے چوپائے، اللہ کی عطا ہیں۔ ہمیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود کو ادب سے ماننا چاہئے۔

وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۚ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۷۳﴾ اور ان کے لئے ان میں منافع اور پینے کی چیزیں ہیں، تو کیوں شکر نہیں کرتے۔

چوپائے انسانوں کے لئے بہت سے منافع رکھتے ہیں۔ ان کے جسموں سے حاصل ہونے والی ہر شے انسانوں کے کام آتی ہے۔ دودھ دینے والے چوپایوں سے، دودھ حاصل ہوتا ہے۔ دودھ سے دہی اور لسی وغیرہ پینے کی کئی چیزیں بنتی ہیں۔ ہر ہر شے اپنی افادیت کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ منافع اور مشارب عطا کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا بندگی کا حصہ ہے۔ شکریہ یہ ہے، کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے۔

حاصل : چوپایوں سے حاصل ہونے والے فوائد میں، ان سے حاصل ہونے والی پینے کی چیزوں میں، شکر گزاری کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿۷۴﴾ اور اللہ کے مقابل اور معبود ٹھہراتے ہیں، کہ انھیں نصرت ملے۔

حق کا انکار کرنے والے، اللہ کے مقابل اور معبود ٹھہراتے ہیں، کہ وہ معبود ان کی توقعات کے حصول میں ان کی مدد کریں گے، اور اس طرح جو وہ چاہتے ہیں وہی ہوتا رہے گا۔ دیکھنا چاہئے کہ قادرِ مطلق کے مقابل جب کوئی قوت ہو ہی نہیں سکتی، تو خلافِ حق مقاصد میں مددگار ہونے کا دعویٰ کرنے والا شیطان ہی ہو گا، اور اس سے مدد طلب کرنے والا اس کا ساتھی ہو گا۔

حاصل : اللہ کے مقابل اور معبود ٹھہرانے والے ہمیشہ نامراد ہی ہوتے ہیں، کہ وہ اپنے کھلے دشمن کو

اپنا مددگار سمجھتے رہتے ہیں، اور وہ کھلا دشمن انہیں خسارے تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾

وہ ان کی نصرت کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اور وہ، ان کے لشکر، سب گرفتار ہو کر حاضر ہوں گے۔

اللہ کے مقابل اوروں کو معبود بنانے والے، اپنے معبودوں سے کوئی مدد نہیں حاصل کر سکیں گے، کہ انہیں مدد دینے کی استطاعت ہی نہیں ہوگی۔ ہاں یہ ضرور ہوگا، کہ خلافِ حق گٹھ جوڑ کرنے والے سب اللہ کے دربار میں مجرموں کی طرح پیش کیے جائیں گے، اور وہاں خلافِ حق مدد طلب کرنے والوں اور خلافِ حق مدد دینے کا وعدہ کرنے والوں کو اپنی حیثیت معلوم ہو جائے گی۔

حاصل : خلافِ حق مدد طلب کرنا اور خلافِ حق مدد دینے کا وعدہ کرنا مجرموں کا طریقِ زندگی ہے۔ یہ سب نامراد ہو کر، اللہ کے دربار میں مجرموں کی صورت سے پیش ہوں گے۔

فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾

وقف لازم

تو آپ کو ان کے قول پر حُزن نہ ہو۔ بے شک ہمیں علم ہے، جو وہ چھپاتے ہیں اور جس کا اعلان کرتے ہیں۔

منکرین حق اپنے انجام سے غافل ہوتے ہیں، اس لئے حق کے انکار کو سب سے اہم کام جانتے ہوئے اس پر اپنی قوت، اپنا وقت اور اپنی توفیق ضائع کرتے رہتے ہیں۔ تبلیغ حق کرنے والے کے ساتھ استہزاء کرنا ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ ان کا احساس دو حصوں میں تقسیم ہو چکا ہوتا ہے۔ جزا کے امکان سے متعلق احساس کو وہ لوگ چھپاتے ہیں، اور جزا کے امکان کی نفی پر بڑا زور لگاتے ہیں۔ اللہ کو ان کے چھپے اور ظاہر کا علم ہوتا ہے، وہ انہیں ان کے کئے کی پوری جزا دے گا۔ ان کے رویئے پر صبر کرنے کا حکم ہے۔ ان کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ حق کو پانا مجرموں کو کبھی مطلوب نہیں ہوتا۔ ثبوت یہ ہے کہ ان کے ظاہر و باطن میں ہمیشہ تضاد ہوتا ہے۔

حاصل : حق کو پانے کی طلب مجرموں کے اندر نہیں ہوتی، اس لئے ان کی بات پر غمگین ہونے سے منع فرمایا گیا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ

اور کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اسے

فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾

نطفے سے خلق فرمایا، تو جبھی وہ صریحاً جھگڑالو ہو گیا۔

انسان کو اپنے مشاہدے کے حوالے سے تخلیق کے عمل پر دھیان کرنے کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ انسان اپنی پیدائش میں نطفے کے مقام کو جانتا ہے۔ اس نطفے کی حقیقت کو یاد رکھنا بھی حق ہے۔ اس نطفے میں جن تبدیلیوں کے بعد حضرت انسان وجود پاتے ہیں، وہ تبدیلیاں اللہ کے علم سے آتی ہیں، اللہ کے حکم سے آتی ہیں، اور حضرت انسان ہیں کہ اپنے خالق سے جھگڑتے ہوئے بھی شرماتے نہیں۔

حاصل : اپنی حقیقت پر نظر رکھنی چاہیے۔ ہمارا خالق علیم مطلق ہے۔ اس کے ہر حکم کو ماننا بندے کی شان ہے۔ اپنے ظن کا اتباع کرنے والا صریحاً جھگڑالو ہوتا ہے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾

اور ہمارے لئے مثل بتاتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا ہے۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے، جب وہ گل چکی ہوں گی۔

جھگڑنے والے انسان کا یہ کلام ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے، اور یہ بھی یاد نہیں رکھتا کہ اللہ نے ہی اسے پیدا کیا ہے، اور اللہ ہی خالق کل ہے۔ نہ ہونے کو ہونا بنانا اللہ ہی کی شان ہے۔ بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ کرنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ جھگڑنے والے کا استدلال بہت کمزور اور سطحی ہوتا ہے۔ جن بوسیدہ ہڈیوں کا زندہ ہونا اسے ناممکن نظر آتا ہے، وہ بوسیدہ ہڈیاں بنی کیسے تھیں یہ بھی تو دیکھنا چاہیے۔

حاصل : حق کے ساتھ ناحق جھگڑنے والا، اپنی حقیقت کو بھول جاتا ہے۔ بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہوئے، اللہ کی قدرت پر بحث کرتا ہے، اور اللہ کی قدرت کا احاطہ کرنا اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہوتا۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۨ ﴿۷۹﴾

فرما دیجئے انہیں وہ زندہ کرے گا، جس نے پہلی بار انہیں بنایا۔ اور اسے ہر خلق کا علم ہے۔

بوسیدہ ہڈیوں کے زندہ ہونے کو ناممکن جاننے والے کو یہ جواب دیا گیا ہے، کہ جس نے ان ہڈیوں کو پہلے خلق کیا ہے، وہی ان کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اور وہ اپنی مخلوق کا پورا علم رکھتا ہے۔ نطفے سے ہڈیوں کا پیدا کرنا بھی اللہ کی قدرت ہے۔ اور ہڈیوں کے منتشر اجزاء کو اکٹھا کر کے انہیں دوبارہ زندہ کر دینے کے مقابل پہلی بار پیدا کرنا یقیناً بڑا کام ہے۔

حاصل : نطفے سے ہڈیوں کی پیدائش حضرتِ انسان کے مشاہدے میں آچکی ہے۔ ہڈیوں کے منتشر اجزاء کو جمع کر کے انہیں زندہ کر دینا اللہ کے لئے آسان ہے۔ اللہ کی قدرت کو موضوعِ بحث بنانا ناحق جھگڑنے والے لوگوں کا کام ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ ٹھہرا دی، تو جبھی تم اس سے جلاتے ہو۔

صریحاً جھگڑنے والے انسان کو اللہ کی قدرت، اس کے مشاہدے میں آنے والے حقائق کے حوالے سے دیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ سبز درخت کے اندر آگ کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھی گئی ہے، تو جبھی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے۔ انسانی ضرورت کا جاننے والا ہی یہ بندوبست کرتا ہے۔ اس کی قدرت کے بارے میں یہ قیاس کرنا کہ وہ مُردوں کو زندہ نہیں کر سکے گا، بڑی جہالت کا ثبوت ہے۔

حاصل : سرسبز درخت کے اندر آگ کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھنے والا یقیناً ایسی قدرت رکھتا ہے کہ موت سے حیات کو پیدا کرتا ہے۔

اَوَلَيْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰی ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾

وقف غفران ۱۲

اور کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا، ان کی مثل خلق کرنے پر قادر نہیں ہے۔ کیوں نہیں، وہی تو خلق فرمانے والا، علم والا ہے۔

انسان کو اپنی تخلیق کے مقابل، آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر نظر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ یقیناً بہت بڑی تخلیق ہے۔ خالقِ کل کے لئے انسان کی پیدائش کوئی بڑا کام نہیں ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ کسی شے کو بے مقصد نہیں بناتا، اور جو بناتا ہے، بڑے علم سے بناتا ہے۔ منشاء تخلیق کا علم رکھنے والا، تخلیق کے لئے لوازمات کا علم رکھنے والا، ربوبیّت کا علم رکھنے والا، حفاظت کا علم رکھنے والا، اور کسی شے کو کائنات میں اس کے مقام پر درست رکھنے والا، اللہ ہی ہے۔ اس کی قدرتِ تخلیق پر بے علمی سے بات کرنا عقل مندی نہیں ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کی تخلیق، حضرتِ انسان کی تخلیق کے مقابل بڑا کام ہے۔ خالقِ کل کے لئے اور علیم مطلق کے لئے بعث بعد الموت بڑا کام نہیں ہے۔

إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾

اس کا امر تو یہی ہے کہ جب کسی شے کا ارادہ فرمائے تو کہتا ہے کہ ہو جا، وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

خالقِ کل اور علیم مطلق کو کسی شے کی تخلیق کے لئے صرف ارادہ فرمانا ہوتا ہے۔ اسباب اس کے مطابق صورت اختیار کر لیتے ہیں اور وہ شے وجود پا جاتی ہے۔ علیمِ مطلق کا ارادہ ہی اس شے کا عنوان ہوتا ہے اور اسی عنوان پر تصرّف ہوتا ہے۔

حاصل : علیم مطلق کا ارادہ کسی شے کی خفی صورت ہوتی ہے۔ اللہ کا امر، عنوان کا درجہ رکھتا ہے۔ تصرّف اسی عنوان کے مطابق ہوتا ہے، اور اللہ کی مشیّت کے مطابق ہوتا ہے۔

فَسُبْحَٰنَ ٱلَّذِى بِيَدِهِۦ مَلَكُوتُ كُلِّ شَىْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

تو پاکی ہے اسے جس کے ہاتھ ہر شے کا اختیار ہے، اور اسی کی طرف تم مراجعت کرو گے۔

اللہ کی شان ملاحظہ ہو کہ اس نے سب کچھ خلق فرمایا، مگر اپنے لئے کچھ بھی نہیں بنایا۔ اللہ کو کسی شے کی احتیاج نہیں ہے۔ اس کا اختیار ماضی پر بھی ہے، حال پر بھی ہے اور مستقبل پر بھی ہے، اور اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی طرف سے سب کا آنا ہوا ہے، اسی کی طرف سب کی مراجعت ہوگی۔ آنا بھی امرِ الٰہی سے تعلق رکھتا ہے، لوٹنا بھی امرِ الٰہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین ہو تو دائمی پاک دامنی حاصل ہوتی ہے۔

حاصل : مالکِ کل کے ساتھ میں بڑی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین بندے کے عمل میں نظر آنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص (28) میں فرمایا ہے۔

مَن جَآءَ بِٱلْحَسَنَةِ فَلَهُۥ خَيْرٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى ٱلَّذِينَ عَمِلُوا۟ ٱلسَّيِّـَٔاتِ إِلَّا مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾

جو نیکی لائے اس کے لئے اس سے بہتر ہے، اور جو برائی لائے تو برے عمل کرنے والوں کو کیا جزا ملے گی مگر وہی جو عمل وہ کرتے تھے۔

کیٹیلاگ کارڈ نمبر ۱۲۲۹، ۲۹۷

فضل شاہ حضرت

تفسیر فاضلی ، (الشعراء ــ یٰسٓ)

لاہور، فاضلی فاؤنڈیشن، پکی روڈ کوٹ لکھپت لاہور، پوسٹ کوڈ ۵۴۷۷۰

ج۔ ۵ (منزل پنجم)

ہر گاہ میں نے تفسیر فاضلی کی منزل پنجم (سورہ الشعراء تا یٰسٓ) کا عربی متن بغور مطالعہ کیا ہے لہٰذا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کی عربی عبارت میں کوئی لفظی یا اعرابی غلطی نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حاجی محمد طفیل

پروف ریڈر لاہور